مُحدِّث

اشاعتِ خاص

فتنۂ انکارِ حدیث

مدیر اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مدنی

مجلس التحقیق الاسلامی

ماہنامہ محدث کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی　　　**مدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ محدث کی ابتداء انڈیا سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والا ایک رسالہ جس کا نام محدث ہی تھا اسی کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ محدث کے ہی نام سے پاکستان میں عظیم اسکالر حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے اس کا اجراء کیا اور 1979 سے لے کر اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے۔ اور محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ ماہنامہ محدث ہر صاحب علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کے لیے تلوار بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اجرائے محدث کے مقاصد

عناد اور تعصب سے بالاتر ہو کر اسلام کی ابدی تعلیمات کو فروغ دینا

دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع کرنا

قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر کے اسلامی روح کو کمزور کرنے والے عناصر کی بیخ کنی کرنا

علوم جدیدہ سے بہرہ ور کر کے انسانی افکار کو ارتقاء تک لے جانا

اتباع قرآن وسنت کی طرف والہانہ دعوت دینا

وحدت امت کو قائم رکھتے ہوئے سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار کرنا

اور

صحابہ، تابعین، محدثین اور تمام آئمہ کرام سے محبت کے جذبات کو پروان چڑھانا اس علمی وفکری مجلّے کا شعار ہے

یقینی طور پر ماہنامہ محدث علمی، تحقیقی، معلوماتی اور انتہائی شائستہ زبان رکھنے والے مضامین کا ایک حسین امتزاج ہے

ملت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

ماہنامہ **محدث** لاہور

ط عبدالرحمن مدنی
مدیر اعلیٰ

حافظ حسن مدنی
مدیر

فکر و نظر

فتنہ انکارِ حدیث — حافظ حسن مدنی

...ر ۳۴ / شمارہ ۸،۹
...ب المرجب ۱۴۲۲ھ
...ت، ستمبر ۲۰۰۲ء

۲۰۰ / روپے
۲۰ / روپے
بیرونی ممالک
۲۰ / ڈالر
۲ / ڈالر

Monthly MUHADDIS A...
UBL - Model Town Cre...

دفتر کا پتہ
...جے، ماڈل ٹاؤن
...ور 54700
Ph: 5866476, 5866...
Email: hhasan@...

...ب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

Publisher: Hafiz Abdu...
Printer: Shirkat Printing...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

فتنۂ انکارِ حدیث

برصغیر میں انکارِ حدیث کا فتنہ چند صدیوں سے زوروں پر ہے۔ اس کی بعض صورتیں ایسے صریح انکارِ حدیث پر مبنی ہیں جس کے حامل کا مسلمان رہنا بھی ایک سوالیہ نشان ہے۔ جبکہ استخفاف حدیث جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اکثر و بیشتر پایا جاتا ہے۔ مرض ایک ہی ہے اگرچہ اس کی علامات مختلف صورتوں میں سامنے آتی ہیں۔

اس فتنہ کے بنیادی اسباب میں دین سے لاعلمی، غیرمسلم تہذیب سے مرعوبیت اور سیاسی وفکری محکومی سرفہرست ہیں۔ یہ پڑھے لکھے تجدد پسند حضرات کا فتنہ ہے، جو علومِ اسلامیہ سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اسلام اور اس کے اوامر ونواہی سے جذباتی عقیدت رکھتے ہیں، نہ ان کا جذبہ ایمانی کوئی قابل رشک ہوتا ہے۔ برصغیر میں مغرب کی فکری بالادستی اس فتنہ کا بنیادی محرک رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ۷،۸سو سال اسلامی حکومت رہنے کے باوجود انکارِ حدیث کی ابتدا اس دور میں ہوئی جو انگریز کی غلامی کا دور ہے۔ برصغیر میں اس فتنہ کی ابتدا سرسید احمد خان نے کی جو مسلمانانِ برصغیر کو انگریز کی محکومیت اور فکری مرعوبیت تسلیم کرانے والے پہلے نمایاں فرد تھے۔ چند دہائیاں قبل فتنہ انکارِ حدیث کا مرکزی کردار جس شخص نے ادا کیا، وہ غلام احمد پرویز تھا جو انگریزی حکومت کا ملازم اور فکری طور پر ان کی علمی برتری کا قائل تھا۔ موجود دور میں بھی انکارِ حدیث کی زمامِ کار جن کے ہاتھوں میں ہے، ان میں اکثر انگریزی علوم وفنون کے پروردہ ہیں، ان کی ذہنی ساخت میں یورپ کی علمی رِفعت رچی ہوئی ہے۔

عالم عرب میں بھی جہاں جہاں اسلام کو فکری سطح پر یورپ سے واسطہ پڑا، وہاں اس فتنہ نے پر پرزے نکالے۔ چنانچہ برصغیر کے بعد مصر اس فتنہ کا زیادہ شکار ہوا جہاں اس کی تردید کے لئے زبردست لٹریچر بھی وجود میں آیا، اسکے بعد شام و بیروت کے مفکرین میں انکارِ حدیث کے جراثیم نے نشوونما پائی۔ خلیجی ممالک ایسی علمی اور فکری کشمکش سے دوچار نہیں ہوئے، وہاں اس کا زہر بھی بہت زیادہ نہیں پھیلا۔

صدرِ اسلام میں یہ فتنہ معتزلہ میں شروع ہوا۔ اور اسوقت اس کی وجہ یونانی فلسفہ سے مرعوبیت تھی۔ محدثین کی زبردست کوششوں سے اس فتنہ کا استیصال ہوا۔ اس کے بعد تیرہویں صدی ہجری میں یورپ کی یلغار کے بعد انکارِ حدیث کے جراثیم نے دوبارہ جنم لیا۔ اس سلسلہ میں مستشرقین کی کوششیں بھی شامل ہیں اور اکثر منکرین حدیث انہی کے افکار کے خوشہ چین ہیں۔ منکرین حدیث کے بعض مشترک افکار پر مختصر تبصرہ پیش خدمت ہے:

❶ عقل پرستی

یورپ کا موجودہ ارتقا، اُن کی نظر میں ان کی ذہانت، معروضیت اور عقل پسندی کا مرہونِ منت ہے۔

ریشنل ازم (Rationalism) مذہب کے بگڑے ہوئے تصور 'اندھے ایمان' (Blind Faith) کے ردّعمل میں ایک با قاعدہ تحریک کے طور پر یورپ میں سرگرم ہوا اور اس کے قوی اثرات مسلسل چلے آرہے ہیں۔ انسان کو اپنی عقل اور توجیہ پسندی پر ہمیشہ سے بڑا اعتماد رہا ہے اور اس عقل کے استعمال سے اگر اسے کچھ کامیابی حاصل ہو جائے تو پھر وہ 'عقل پرستی' تک پہنچا دیتی ہے۔

انکارِ حدیث کا فتنہ بھی چونکہ مغرب کی علمی مرعوبیت کا شاخسانہ ہے، اسلئے یہاں بھی عقل پسندی کے گہرے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ اکثر منکرین حدیث نے احادیث کو تسلیم کرنے میں عقلی حجت بازیاں کی ہیں اور حدیث کی صحت جانچنے کیلئے یہ اُصول متعارف کرایا ہے کہ وہی احادیث قابل قبول ہیں جو عقل انسانی کو اپیل کرتی ہیں.

مغرب نے احیاءِ علوم کی تحریک کے بعد جہاں علمی وفنی میدان میں پیش رفت کی ہے، وہاں فن استدلال کو بھی سائنسی خطوط پر استوار کیا ہے جس میں یہی عقل پرستی شدت سے کارفرما ہے۔ تحقیق کا سائنسی اُسلوب اسے قرار دیا جاتا ہے جو اعداد و شمار، عقل و منطق اور معروضیت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔ اس اسلوبِ تحقیق میں اُمورِ غیبیہ، مذہب اور الہامی تصورات کو کوئی وزن نہیں دیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کی بنیاد پر کی جانے والی تحقیق کو مغرب میں باضابطہ اور مستند تحقیق شمار نہیں کیا جاتا۔

اس لحاظ سے ایک مسلمان اور غیر مسلم کے زاویۂ فکر ونظر اور اسلوبِ استدلال میں بڑا نمایاں فرق ہے۔ اسلام میں عقل کو استعمال کرنے، اس پر اعتماد کرنے اور اس کی نشو ونما کرنے کی بڑی ترغیب ملتی ہے لیکن اس کی بعض کوتاہ حدود کا اعتراف بھی موجود ہے۔ ایک مسلمان عقل پر بے جا اعتماد کرنے کی بجائے اپنی عقل کو خالق کائنات کی رہنمائی میں چلانے کا پابند ہے اور وہ اپنی عقل کو اس حد تک آزاد نہیں کرسکتا کہ وہ اپنے خالق اور اس کی ہدایات پر بھی اعتراضات کرنا شروع کردے۔ کیونکہ بہت سے دائرے ایسے ہیں جہاں انسانی عقل بے بس ہو جاتی ہے اور سائنس ومنطق بھی قاصر نظر آتی ہے۔

وحی کی تشریح میں عقل وبصیرت کو استعمال کرنا اسلام کا مطلوب ہے جبکہ وحی پر اعتراض کے میدان میں عقل کو کھڑا کرنا عقل کے ساتھ ظلم اور اپنے خالق کی ہدایات کے ساتھ ناانصافی ہے۔ عقل سے وحی یعنی اسلام کو سمجھنے کی کوشش تو قابل تعریف ہے لیکن عقل سے اسلامی تعلیمات کو گھڑا نہیں جاسکتا۔

موجودہ دور کے مسائل میں ایک بڑا مسئلہ اُسلوبِ استدلال کی تبدیلی کا ہے۔ اسلام میں استدلال کا اسلوب تو یہ ہے کہ جہاں فرمانِ الٰہی یا حدیثِ نبوی آجائے تو اس کی استنادی حیثیت کی توثیق کرنے کے بعد اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا جائے۔ عقلی توجیہات، معروضی تک بندیاں اور منطقی صغرے کبرے مزید تائید کے لئے ہیں جو اطمینانِ قلبی کا موجب ہوتے ہیں، اسلام ان کی اجازت دیتا ہے لیکن اسلام میں کسوٹی بننے کا مقام بنیادی طور پر وحی الٰہی کو ہی حاصل ہے۔

جبکہ جدید تعلیم یافتہ حضرات جدید علم الکلام کی رو سے استدلال کی بنیاد صرف عقلی توجیہات کو بناتے ہیں اور آخر میں تائید کی غرض سے حدیثِ نبوی یا آیتِ قرآنی بھی لے آتے ہیں۔ اس طرزِ استدلال کی نشاندہی علما

اور دانشوروں کے اسلوبِ استدلال کے تقابلی مطالعہ سے بخوبی ہوسکتی ہے۔ ہمارے ہاں بھی جب سے جدید علم وفن نے اپنا سکہ جمایا ہے اور ذہنوں نے اہل مغرب کی فکری غلامی قبول کی ہے، تب سے نہ صرف ہمارا عام بلکہ مقبول دینی لٹریچر بھی اسی کی مثال پیش کرتا ہے۔ پڑھے لکھے طبقوں میں قرآن و حدیث کی بجائے عقلی و منطقی معروضات زیادہ مقبول ہیں۔ اسی تعقل پسندی کا شاخسانہ انکارِ حدیث بھی ہے۔ اگر عقل انسانی پر بے جا اعتماد ہوجائے تو وہ حدیثِ نبوی کو بھی چیلنج کرنے لگتی ہے اور مغربی علوم وفنون کے ارتقا اور ان کی عقل پسندی کا نقصان دہ پہلو ہے کہ ہمارے ہاں بھی ان کے خوشہ چین طبقے نے اس طرزِ فکر کو فروغ دیا ہے اور احادیث کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کردیا ہے۔ یورپ کو یہ عقل پسندی گوارا ہوسکتی تھی کہ انکے ہاں الہامی ہدایات نہ صرف تحریف شدہ ہیں بلکہ بنیادی طور پر بھی اس قابل نہیں کہ موجودہ دور میں قابل عمل ہوں چنانچہ محرف الہامی تعلیمات پر ایمان لانے کی بجائے وہ اپنی رائے وعقل پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں جبکہ ہمارے ہاں اسلام نہ صرف ایک مکمل اور حتمی دین ہے بلکہ تحقیق وتدوین کے اعلیٰ معیاروں پر بھی محفوظ ہے۔ اسلئے مسلمانوں کو عقلی برتری پر مبنی رجحانات زیب نہیں دیتے.

2 تدوین حدیث

منکرین حدیث میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو احادیث کو اس شرط پر قبول کرتے ہیں کہ وہ انسانی عقل کے مطابق ہوں۔ جبکہ بعض منکرین حدیث ایسے ہیں جو احادیث کی تدوین پر عدمِ اعتماد کی وجہ سے کلی طور پر احادیث ِنبوی کو قبول نہیں کرتے۔ قرآن جو حدیث کی بنسبت اعلیٰ معیار پر محفوظ ہے، وہ دونوں کی استنادی تحقیق میں بنیادی فرق ملحوظ رکھے بغیر دونوں کے لئے یکساں اسلوب اور مساوی درجہ حفاظت کا تقاضا کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کلام الٰہی ہونے کی حیثیت سے الفاظ کی حفاظت کا اسلوب چاہتا ہے جبکہ حدیث مرادِ الٰہی ہونے کے ناطے مفہوم کی حفاظت کے اصولوں پر روایت وتدوین ہوتی ہے۔

اسی طرح منکرین حدیث موجودہ حالات پر قیاس کرتے ہوئے صحیح تجزیہ کئے بغیر برسوں قبل کے حالات کو اپنے دور کے اندازوں کے مطابق پرکھنا چاہتے ہیں۔ انسان کی محدود عقل وفراست میں یہ صلاحیت بڑی نادر ہے کہ وہ حالات کے معروضی فرق کو ملحوظ رکھ کر ہر دور کے تقاضوں اور اس کے مسلمات کو سمجھ سکے۔ جس طرح ہمارے مغرب گزیدہ مفکرین نے اسلام کے اسلوبِ استدلال کو ملحوظ نہ رکھ کر اور دونوں کے معروضی حالات کا فرق نہ کرکے جدید علم الکلام کو اپنایا اور اس کو ترقی یافتہ قرار دیا جو کہ دراصل جذبہ ایمان وایقان کی کمزوری کا مظہر ہے، اسی طرح دورِ نبوت میں حفاظت کے تقاضوں کو آج کے دور کے حفاظت کے تقاضوں سے پرکھنا بھی ایسی ہی بڑی غلطی ہے۔ موجودہ دور میں اگر کتابت کو حفاظت کا معتمد ذریعہ مانا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیشہ سے کتابت ہی معتمد اور مستندترین ذریعہ چلا آرہا ہو۔ بلکہ شاید بہت جلد انفرمیشن ٹیکنالوجی کی بدولت اب کتابت وتدوین بھی اپنی موجودہ حیثیت برقرار نہ رکھ سکے۔

اسلام کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے، نبی آخرالزمان پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا تو ضروری تھا کہ قیامت تک ایک مکمل دین انسانوں کے لئے محفوظ ترین صورت میں موجود ہو۔ اسی طرح اسلام کے احکام

اپنے پیروکاروں کے لئے ہمیشہ ایک جیسے رہے ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شے پہلے مخاطب صحابہ کرام کے لئے تو دین کا درجہ رکھتی ہو اور بعد میں آنے والوں کے لئے اس کی کوئی دینی حیثیت نہ ہو۔ احادیثِ نبویہ کی تعمیل صحابہ کرام پر فرض تھی اور وہ اپنے نبی کے احکامات ماننے کے پابند تھے، ضروری ہے کہ ان پر لاگو شرعی احکام آگے بھی اسی حیثیت سے منتقل ہوں۔ کیونکہ اسلام تب ہی اللہ کا بھیجا ہوا دائمی آخری دین ہوسکتا ہے جب وہ قیامت تک اپنی اصل شکل اور برابر حیثیت میں سب کے لئے موجود ہو۔ دین کی حفاظت کی یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ذریعے اس طرح سادہ انداز میں پوری کرائی ہے جو ہر دور میں حفاظت کا آسان اور مروّجہ انداز رہا ہے۔ اور اس پر عمل کرنا، اس کے تقاضے بجا لانا انسانوں کے لئے بآسانی ممکن رہا ہے۔ چنانچہ ابتدا میں قرآن وحدیث کو بحفاظت آگے منتقل کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ بنیادی طور پر حافظہ پر اعتماد کا طریقہ ہے، جس کو بعد میں کتابت اور دیگر ذرائع سے بھی تقویت دی گئی ہے۔

منکرین حدیث نے یہ فرض کرلیا ہے کہ قرآن تو گویا ہمیشہ سے تحریری شکل میں محفوظ چلا آتا ہے، جبکہ حدیث کی تدوین میں زیادہ اعتماد حافظہ پر رہا ہے، اس لئے احادیث ناقابل اعتماد ہیں۔ جبکہ اگر معمولی غور وفکر سے بھی کام لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ موجودہ قرآن کی حفاظت بھی تحریر کی بجائے حافظہ (تلاوت وادا) ہی کی مرہونِ منت ہے۔ ذیل میں ہم حافظہ اور کتابت کے تقابلی مطالعہ کے علاوہ ان دلائل کو پیش کرتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی حفاظت میں بھی اصل اعتماد 'حافظہ' اور 'ادا' پر رہا ہے، اور اسی سے ملتی جلتی صورتحال روایت وتعامل کی شکل میں احادیثِ نبویہ کی ہے۔ حافظہ پر اعتماد کی بنیادی وجوہات درج ذیل ہیں:

① حافظہ انسان کی فطری بنیادی صلاحیت کی عکاسی کرتا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے، جب فن کتابت وجود میں بھی نہیں آیا تھا، انسان اپنی روز مرہ یادداشت کے لئے حافظہ پر ہی اعتماد کرتا تھا۔ عرب کا حافظہ بڑا مثالی تھا حتیٰ کہ تحریر کرنے کو عیب اور حافظہ کی کمزوری خیال کیا جاتا تھا۔

② حافظہ کے لئے کسی آلہ یا کاغذ کی ضرورت نہیں بلکہ یہ صلاحیت ہر ذی شعور میں پائی جاتی ہے۔ دورِ نبوی میں کاغذ تو بالکل نادر، اور چمڑے وغیرہ بھی بہت کم موجود تھے۔

③ دورِ نبوی میں فن تحریر اس قدر سادہ تھا کہ آج کا حافظِ قرآن بھی اس دور کے لکھے قرآن کو نہیں پڑھ سکتا۔ اس میں نقاط اور حرکات جو عربی زبان میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں، کا استعمال بڑی دیر بعد شروع ہوا۔ چنانچہ دورِ نبوی کے فن کتابت میں وہ قوت نہیں تھی کہ وہ قرآن کی پوری طرح حفاظت کرسکے۔ صیغوں اور نقاط کا فرق بھی حافظے میں ہی محفوظ تھا۔ تجوید (مخارج وصفات) کا لحاظ تو بالکلیہ تلاوت وادا پر ہی منحصر ہے، اسی طرح واقعات کی صحیح نشاندہی روایت کی استنادی حیثیت کی مرہونِ منت ہے۔

عالم عرب اور برصغیر دونوں میں رسم عثمانی میں ہی شائع ہونے والے قرآن کے رموز وعلامات میں آج بھی اتنا فرق ہے کہ حفاظِ قرآن کے علاوہ دیگر پاکستانی مسلمان عربی رسم الخط میں چھپے قرآن کریم سے تلاوت میں مشکل محسوس کرتے ہیں کیونکہ دونوں میں علامات اور کلمات لکھنے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا رسم الخط ایک باقاعدہ فن ہے جس میں بعض اُمور پر علما میں بھی اختلافات موجود

ہیں۔☆ یہ علم دینی مدارس بالخصوص مدارس تجوید وقراءت میں بالتفصیل پڑھایا جاتا ہے۔ مزید برآں مختلف قراءات میں شائع شدہ قرآنِ کریم دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان مغاربہ اور مشارقہ کے طرزِ کتابت میں بھی بڑا اختلاف ہے مثلاً مغاربہ کے ہاں 'ن' میں نقطہ نہیں لکھا جاتا، 'ق' کے نیچے ایک نقطہ ہوتا ہے اور 'ف' بغیر نقطہ کے لکھی جاتی ہے، جبکہ اہل مشرق کا طرزِ کتابت اس سے مختلف ہے۔

④ فن کتابت کے متحیر العقل ارتقا کے باوجود آج بھی حافظہ زیادہ جامع ہے۔ اس کی مدد سے ایک شے کو یاد کرنا اور اسے ادا کرنا، دونوں زیادہ آسانی سے اور بہتر طور پر مکمل ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم کے تلفظ اور ادائیگی کی تفصیلات کا 'فن کتابت' آج بھی احاطہ نہیں کرتا۔ گذشتہ برسوں میں خلیجی ممالک میں بعض ایسے مصاحف شائع ہوئے ہیں جن میں ادائیگی کے رموز مثلاً اِخفاء وادغام اور مد وقصر وغیرہ کو ۲۴ رنگوں سے نمایاں کیا گیا ہے۔ آج سے چند برس قبل تک اس کا تصور بھی نہیں تھا۔ دیگر قراءاتِ قرآن بالخصوص روایتِ وَرش میں تحریر کئے جانے والے قرآنِ کریم میں ادائیگی کے رموز کے لئے رنگوں کا استعمال عرصہ سے متداول ہے۔ اس کے باوجود آج بھی فن کتابت میں قرآنِ کریم کی ادائیگی کی مکمل تفصیلات محفوظ نہیں ہوسکتیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت تلقّی واداء کے ذریعے ہوئی ہے جبکہ حدیث کی حفاظت تحمّل وروایت کے ذریعے!!

⑤ دورِ نبوی میں آلاتِ کتابت اور کاغذ عام میسر نہ تھا۔ چنانچہ عہدِ نبوی میں قرآن اگر مکمل صورت میں موجود تھا تو وہ حفاظِ قرآن کے سینوں میں تھا۔ کاغذ یا چمڑے پر تو قرآن متفرق اور بکھرا ہوا تھا۔ اسی لئے محققین کے نزدیک قرآنِ کریم کی آیات کی ترتیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کیونکہ آیات کی ترتیب کے بغیر ایک مسلسل مضمون نہیں مل سکتا۔ جبکہ سورتوں کی ترتیب میں علما متفق نہیں ہیں۔ جمہور محدثین کے ہاں ان ٹھیکریوں، چوڑی ہڈیوں اور کھجور کی چھالوں پر لکھے ہوئے قرآن کو پہلے تو حفاظِ قرآن نے ہی 'صحف' کی شکل عہدِ صدیقی میں دی۔ پھر سورتوں کی مکمل ترتیب اور خاص رسم الخط میں حضرت عثمان نے مصحف کی صورت قرآن جمع کیا۔ لہٰذا 'جامع القرآن' کا لقب آج تک انہی کے لئے خاص ہے۔

⑥ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی حفظ واداکی صورت ملا نہ کہ بصورتِ کتابت، جبریل امینؑ اور نبی

☆ ہمارے بعض کم علم لوگ اسے علم رسم الخط کے اختلافات سمجھنے کی بجائے قرآن میں تحریف بنانا شروع کردیتے ہیں۔ دو سال قبل ماہنامہ 'طلوعِ اسلام' میں ایسا ہی ایک مضمون شائع ہوا جس میں فلوریڈا کے ایک پرویزی قلمکار نے مدینہ منورہ کے کنگ فہد کمپلیکس سے شائع ہونے والے قرآن کریم کے لاکھوں نسخہ جات جو ہر سال حجاجِ کرام میں تقسیم کئے جاتے ہیں، کو تحریفِ قرآن کی ایک عظیم سازش قرار دیا اور مسلمانوں کو اس کے خلاف منظم ہونے کی دعوت دی۔ لیکن یہ کم علمی اور جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ قرآن کریم کی کتابت کے اُصول آج بھی عربی زبان کی کتابت سے جابجا مختلف ہیں اور ان اصولوں کو ملحوظ رکھے بغیر قرآن کو لکھنا جائز نہیں۔
کیونکہ قرآنِ کریم کے لکھنے میں رسم عثمانی کی پابندی بھی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم عرب میں شائع ہونے والی کتب میں قرآنی آیات کی کمپوزنگ نہیں کی جاتی بلکہ اس کی کتابت ہی لگائی جاتی ہے۔ یہی طریقہ زیادہ حفاظت والا اور قرآن کریم کے زیادہ لائق ہے۔ جب ان کے خیال میں قرآن کو وہی فن کتابت حفاظت مہیا کررہا ہے جو چند صدیوں بعد مدوّن ہوا تو پھر منکرین حدیث اس رسم الخط کا کیا کریں گے جو چند صدیوں بعد وجود میں آیا۔ آیا اس میں عجمی سازش کا امکان بھی وہ پیدا کرلیں گے!!

رحمت ﷺ اس کو حافظے کی مدد سے صحابہ کرام کو پہنچایا کرتے۔

⑦ اس امر کی شہادت بھی قرآن میں موجود ہے کہ قرآنِ کریم کی دنیا میں حفاظت کس طرح ہوئی:

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ﴾

''بلکہ وہ (قرآن) تو واضح آیات ہیں جو ان لوگوں کے سینے میں محفوظ ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے۔ اور ہماری آیات سے بے انصاف لوگوں کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا۔'' (العنکبوت: ۴۹)

⑧ قرآن کریم کی دورِ صدیقی میں تدوین کا واقعہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت اوّلا حافظہ کے ذریعے ہوئی۔ چنانچہ جب تک حفاظِ قرآن کی بڑی تعداد موجود رہی، صحابہ کرام حفاظتِ قرآن سے مطمئن رہے۔ جب جنگِ یمامہ میں تقریباً ۷۰۰ حفاظ قرآن صحابہ کی شہادت پر حضرت عمرؓ بن خطاب کو حفاظتِ قرآن کی فکر دامن گیر ہوئی تو انہوں نے خلیفہ اوّل کو تدوین قرآن کا مشورہ دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے قبل جلیل القدر صحابہ کرام حفاظِ قرآن کی کثرت کی وجہ سے مطمئن تھے اور وہ حفاظت سینوں میں تھی، کتابت میں نہیں۔

ہمارے ذہن میں کتابت والے یہ مغالطے اس لئے جنم لیتے ہیں کہ ہم اس دور کو اپنی موجودہ عادات پر قیاس کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں چونکہ معانی کے اوپر دلالت کرنے والے الفاظ کی زیادہ حفاظت مطلوب تھی، اس لئے اس کے باقاعدہ حفظ اور تلاوت کو تعبدی امر قرار دیا گیا۔ جبکہ حدیث میں اصل شے اُسوۂ رسول یعنی مرادِ ربانی ہے، جن کو سنتِ رسول کی روایت کرنے والے صحابہ کرام کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے☆ اسی لئے احادیث کی نسبت اور گنتی راوی صحابی کے اعتبار سے ہوتی ہے یعنی اُسوۂ رسول کی خبر دینے والا صحابی ہی ہوتا ہے۔

لہٰذا اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ دورِ نبوی میں نہ صرف حدیث بلکہ قرآن بھی بین الدفتین تدوین نہ ہوا تھا بلکہ دونوں کو اوپر بیان کردہ وضاحت کی رو سے آنے والے ادوار میں احاطہ تحریر میں لایا گیا جو اس دور کے ایک سادہ، جامع اور معمول بہ طریقہ سے تھی۔ منکرین حدیث کا قرآن وسنت کی تدوین پر عدمِ اعتماد والا اعتراض دراصل فن تحریر کے موجودہ ارتقا اور یورپی علوم کے طریقہ حفاظت سے مرعوب ہونے کا شاخسانہ ہے، جس میں زمانوں کے بدلتے ہوئے حالات کی رعایت نہیں رکھی گئی۔

③ الحاد اور بے عملی

فقہاءِ مذاہب کی فقہی تشریحات کو مختلف سیاسی وتمدنی وجوہات کی بنا پر بقول شاہ ولی اللہؒ چوتھی صدی ہجری کے بعد اس قدر قبولِ عام حاصل ہوا کہ ہر فرد کے لئے کسی فقہی مسلک کی مناسبت سے متعارف ہونا ضروری ٹھہرا۔ یہ تو ایک انتہا تھی جو صدیوں جاری رہی۔ اس میں بھی اصلاح کی ضرورت تھی جس کی طرف شاہ ولی اللہ نے بطورِ خاص توجہ دی اور آزادئ فکر اور فقہی توسع کو برصغیر میں پھیلانے کے لئے سرگرمی سے کام کیا۔

☆ یعنی قرآن کو براہ راست نسبت تو اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے لیکن اس کے پہلے راوی اور قاری رسول کریم ﷺ ہیں۔ اس طرح حدیث کی براہِ راست نسبت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف ہوتی ہے لیکن اس کی خبر اور روایت چونکہ صحابہ کرام سے چلتی ہے، اسلئے تعاملِ رسول ہونے کے باوجود سوائے اَوراد ووظائف کے وہ کلام یا خبرِ صحابہ ہی کی وجہ سے 'حدیث' کہلاتی ہے۔

افسوسناک امر یہ ہے کہ مروّجہ تقلیدی جمود کی اس مبارک اصلاحی تحریک کے ردِّعمل میں انتہائی رویہ کے طور پر ایک الحادی فکر نے بھی جنم لیا۔ یعنی تفریط کی صورت میں 'تقلید' اگر ائمہ کرام کی آرا کی غیر مشروط اطاعت کا تصور دیتی تھی تو اس الحادی تحریک نے مفرطانہ طور پر علماے اُمت کی تمام محققانہ خدمات پر خطِ تنسیخ پھیر دیا۔

شاہ ولی اللہ کی تحریک کے حاملین یعنی تقلید میں اصلاح کے علم بردار تو ائمہ کی خدمات کے معترف اور ان کی علمی تحقیقات کے قدردان ہیں، صرف وہ ان کو نبی کی طرح معصوم قرار دینے سے گریز کرتے ہیں۔ ان کے پیش نظر جذبہ اتباعِ سنت ائمہ کی تشریحات کے تسلسل کو ساتھ لے کر چلنے کا داعی ہے جبکہ اس دوسرے الحادی گروہ نے نہ صرف امام الانبیا ﷺ کی استنادی حیثیت کو بلکہ ان کی احادیث تک کو مشکوک بنایا اور ان علما کی خدمات سے بھی کھلا انحراف کیا۔ علومِ اسلامیہ میں تدوین وارتقا کے تمام مراحل بیک جنبش قلم انہوں نے ختم کرکے رکھ دیئے اور کہا کہ علما کو آج تک اسلام کی سمجھ نہیں آئی، تدوین حدیث ایک عجمی سازش تھی، اور آج اسلام کی ایسی تعبیرنو کرنے کی ضرورت ہے جو علما کی کاوشوں کی آلائشوں سے پاک ہو۔

اس اعتبار سے منکرین حدیث کی یہ الحادی سوچ ہے جس کے بعد اسلام کا حلیہ بالکل مسخ ہوجاتا ہے۔ اپنے پیشرو علما پر اندھا دھند اعتراضات نے انہیں بالکل ایک نئے اسلام کا داعی بنا دیا جس میں کوئی بات بھی طے شدہ نہیں۔ پھر بات ائمہ تک نہیں رہی بلکہ صحابہ کرام تک اور پھر وہاں سے رسالت تک پہنچی اور عملاً سارا اسلام بازیچہ اطفال بن کر رہ گیا۔ اب منکرین حدیث کے جتنے گروہ ہیں، اتنے ہی فکری انتشار کا شکار ہیں اور قرآن کے نام پر وحدت کے یہ داعی اہل قرآن خود اتنے فکری مغالطوں کا شکار ہیں کہ ان کی اس آزادیٔ فکر نے اسلام کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔

منکرین حدیث کے فاسد اعتقادات اور گمراہ کن نظریات کی تردید چونکہ علماءِ اسلام نے ہی کی اور انہیں علمی وفکری طور پر ان حضرات سے واسطہ پڑا، چنانچہ منکرین حدیث کا ایک مشترکہ ہتھیار یہ بھی رہا کہ علما کو وہ علماءِ سوء قرار دیتے اور ان کے پیش کردہ اسلامی اعتقادات کو وہ مضحکہ خیز قرار دیتے رہتے ہیں۔

علما کی ناقدری اور ان کو نازیبا کلمات سے نوازنے میں بھی منکرین حدیث کی تربیت مغربی لٹریچر نے کی جس نے طویل عرصہ اپنے ہاں کی پاپائیت سے معرکہ آرا ہوکر دینی رہنماؤں کو اجتماعی معاملات سے بے دخل کردیا تھا۔ صیہونی اثرات کے زیر تسلط عالمی میڈیا اپنی بھرپور قوت سے علماءِ اسلام کے خلاف سامراجی اَدوار سے سرگرم رہا ہے اور اس کی بھرپور مہم کا نتیجہ ہے کہ 'مولوی' اور 'ملا' جو کبھی علما کے لئے صیغہ افتخار تھا، اب حرفِ ملامت بن گیا اور شہروں میں کوئی بھی ایسے القاب کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ منکرین حدیث کے لئے میدان ہموار کرنے میں بھی ان کے سرپرست مغرب نے پرزور معاونت کی اور عملاً ان کے ہاتھوں اصلاح کی بجائے الحادی تحریک اور فکری تحریف نے جنم لیا۔

انکارِحدیث دیگر فروعی مسائل کی طرح ایک معمولی مسئلہ نہیں بلکہ اساسیاتِ دین سے متعلق ہے۔ انکارِ حدیث کے جراثیم اگر کسی میں پختہ ہوجائیں یا وہ استخفافِ حدیث کا ارتکاب شروع کردے تو اس سے منصب

رسالت پر حرف آتا ہے جبکہ رسالت پر غیر مشروط ایمان اسلام کا بنیادی ضروری تقاضا ہے۔ ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور حدیث پر متزلزل ایمان رکھنے والے کے عقائد ونظریات اور طرزِ زندگی میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔

حدیثِ نبوی کا انکار اکثر ایسے لوگ بھی کرتے ہیں جو صرف نام کے مسلمان رہنا چاہتے ہیں، عملاً اسلام کے کسی شعار سے یا کسی دینی فریضہ کی ادائیگی سے انہیں کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اس اعتبار سے انکارِ حدیث بدعملی کی راہ ہموار کرتا ہے۔ قرآنِ کریم میں نماز، زکوٰۃ جیسی بنیادی عبادتوں کی تفصیلات بھی نہیں ملتیں، چنانچہ پڑھے لکھے لوگوں کے لئے یہ بڑا آسان ہوتا ہے کہ وہ کسی بہانے حدیث کا انکار کردیں تاکہ عمل کرنے سے ہی جان چھوٹ جائے۔ مقامِ افسوس ہے کہ انکارِ حدیث کے یہ مسموم اثرات ہمارے جدید تعلیمی نظام کے پڑھے لکھے لوگوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور وہ اپنی معمول کی گفتگو میں اس کا اظہار کسی نہ کسی طرح کرتے رہتے ہیں۔ انہی وجوہات کی بنا پر ادارۂ محدث نے یہ ضروری سمجھا کہ 'فتنہ انکارِ حدیث' پر ایک خاص نمبر شائع کرے جس میں مختلف حوالوں سے نہ صرف منکرین حدیث کے خیالات واعتراضات کی وضاحت کی جائے بلکہ اس کے بنیادی اسباب اور تاریخی تجزیہ کو بھی قارئین کے سامنے لایا جائے۔

تعارف فتنہ انکارِ حدیث نمبر

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ گذشتہ سال اگست کا شمارہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور ان کے اَخلاف کے استخفافِ حدیث پر مشتمل نظریات پر تبصروں کا حامل تھا۔ احادیث پر اسی نوعیت کے اعتراضات کے جوابات کیلئے ہم نے مزید ایک شمارہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو بعض معمول کے شماروں کے بعد شائع ہوگا، ان شاء اللہ جبکہ موجودہ اشاعتِ خاص میں پرویزیت اور فتنۂ انکارِ حدیث کے متعلق مضامین جمع کئے گئے ہیں۔

1 اس اشاعتِ خاص کے بنیادی طور پر چار حصے کئے گئے ہیں۔ پہلا حصہ بطورِ خاص پرویزی افکار کے بارے میں ہے۔ جس میں مولانا محمد رمضان سلفی (نائب شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ) نے مسٹر غلام احمد پرویز کے عقائد کو ان کی کتب کی مدد سے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ ایمان کے بنیادی ارکان، ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالملائکہ، ایمان بالآخرۃ اور ایمان بالکتب (القرآن) پر پرویز کا نظریہ اس کی اپنی کتب سے پیش کرکے گویا مولانا نے اُن فتاویٰ کے دلائل قارئین کے سامنے رکھے ہیں جن میں اسلامی عقائد سے انحراف کی بنا پر پرویز کو امام کعبہ اور عالمی مفتیانِ کرام نے دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

اس حصہ کا دوسرا مضمون پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی کا ہے جس میں انہوں نے احادیث کو چھوڑنے کی بنا پر نام نہاد اہل قرآن کے باہمی اختلافات کی قلعی کھولی ہے۔ اپنے مقالہ میں دس مثالوں کی مدد سے انہوں نے اس امر کو بھی آشکارا کیا ہے کہ مسٹر پرویز حدیثِ رسول سے انکار کرکے ساری زندگی خود بھی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے اور اپنی تردید آپ کرتے رہے۔ مقالہ نگار نے پرویز کے ماہنامہ 'طلوعِ اسلام' کی اکثر فائلوں کا بڑی محنت سے مطالعہ کرکے پرویزی تحریروں کے باہمی تضادات اور 'اپنی تردید آپ' کی نشاندہی کی ہے۔

اس حصہ کا تیسرا مضمون پرویز کے رسالہ 'اطاعتِ رسول' کے ناقدانہ تجزیہ پر مبنی ہے جس میں پروفیسر منظور

احسن عباسی نے اطاعتِ رسول کے تصورِ پرویز اور اس کے نتائج کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس مقالہ کے مطالعہ سے بخوبی یہ علم ہوجاتا ہے کہ پرویز کا نظریۂ اطاعتِ رسول کتنا پرفریب اور الفاظ کا گورکھ دھندا ہے جس سے علماے امت کی معروف اصطلاح 'اطاعتِ رسول' کی بجائے مرکزِ ملت کی اصطلاح گھڑی گئی ہے اور پھر اس کے ذریعے تحریفِ دین کی راہ ہموار کی گئی ہے۔

اس حصہ کے آخری مضمون میں مذکورہ بالا عقائد کی بنا پر گذشتہ چند سالوں میں اُمتِ اسلامیہ کی صاحب ِعلم وفضل شخصیات کی طرف سے 'پرویزیت' کے خارج از اسلام ہونے پر فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں جس میں امامِ کعبہ، حالیہ مفتی اعظم سعودی عرب، حکومتِ کویت اور شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کے فتاویٰ کے متن دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ۴۰ برس قبل پرویزیت کے خلاف چلائی جانے والی مہم اور ۱۰۲۴ پاکستانی علماء اور عالم عرب کی نامور شخصیات کے فتاویٰ کا مختصر تذکرہ بھی کیا گیا ہے تاکہ یہ اندازہ ہوسکے کہ ملتِ اسلامیہ کس طرح نصف صدی سے آج تک ان کے کفر پر متفق رہی ہے۔

2 محدث کی اس اشاعتِ خاص کا دوسرا حصہ فتنۂ انکارحدیث کے تجزیہ وتاریخ اور تدوین حدیث کے موضوعات پر مشتمل ہے۔ اس حصہ کے پہلے مضمون میں 'انکارِ حدیث کے لٹریچر' پر پی ایچ ڈی کرنے والے پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ نے برصغیر کے معروف اہل علم کی تحریروں کی مدد سے فتنۂ انکار حدیث کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے اور معروف منکرین حدیث کا تعارف علماء کرام کی زبانی پیش کیا ہے۔ اس حصہ کے باقی تینوں مضامین تدوینِ حدیث کے حوالے سے ان اعتراضات کے جواب پر مشتمل ہیں جو منکرین حدیث کی طرف سے اکثر کئے جاتے ہیں۔ پہلے مضمون میں عہد نبوی میں کتابتِ حدیث کے ثبوت پر دلائل جمع کئے گئے ہیں۔ دوسرا مضمون حفظِ حدیث کے حوالے سے ہے، جس میں تدوین حدیث بذریعہ حفظ اور اس پر بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ اس حصہ کا آخری مضمون محترم مدیراعلیٰ کے ایک خطاب کی ترتیب ہے جس میں انہوں نے حفظ وکتابت کے ساتھ تعامل اُمت کو بھی حدیث کی حفاظت کا اہم ذریعہ قرار دیا ہے۔

3 تیسرا حصہ منکرین حدیث کی طرف سے کئے جانے والے عمومی اعتراضات وشبہات کے جواب میں لکھے جانے والے مضامین پرمبنی ہے۔ پہلا مضمون محقق شہیر مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری (سابق امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند) کا ہے جو انہوں نے اس اشاعتِ خاص کے لئے راقم کو ریاض میں ہونے والی ملاقات میں دیا۔ اس میں فاضل مکرم نے ۷،۸ بنیادی اعتراضات کی بڑے متوازن انداز میں وضاحت فرمائی ہے۔ یہ اعتراضات قریباً وہی ہیں جو پرویزیوں کی طرف سے احادیث کے بارے میں کئے جاتے ہیں۔ دوسرا مضمون جماعتِ اسلامی کے مؤسس، نامور اسلامی مفکر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا ہے جس میں انہوں نے سپریم کورٹ کے ایک جسٹس صاحب کے حدیث پر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے حجیتِ حدیث کی بحث بڑے خوبصورت انداز میں کی ہے۔ یہ اعتراضات اکثر وہ ہیں جو دانشور حضرات کے ذہنوں میں حدیثِ نبوی کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔ اس حصہ کا تیسرا مضمون مرکزی جمعیت اہل حدیث، کویت کے اہم رہنما مولانا عبد الخالق

صاحب کا ہے جنہوں نے کویت میں بزمِ طلوعِ اسلام کی سرگرمیوں اور اس کی بیخ کنی کے لئے علماءِ حق کی کاوشوں پر روشنی ڈالنے کے علاوہ منکرین حدیث کے بعض شبہات کی عالمانہ انداز میں وضاحت کی ہے۔ آخر میں ادارۂ طلوع اسلام کی کویت میں سرگرمیوں سے متعلق رپورٹ کے علاوہ ان کے مقابل علماء کرام کی سرگرمیوں کا ایک مختصر تذکرہ بھی موجود ہے۔ ان سرگرمیوں کے نتیجے میں کویت وسعودی عرب کی حکومتوں نے طلوعِ اسلام کے بانی غلام احمد پرویز کو خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ آخری مضمون قاری محمد موسیٰ صاحب کا ہے، جس میں نسبتاً عام فہم انداز میں مختصر الفاظ میں حجیتِ حدیث کے تصور کی وضاحت کی گئی ہے۔

4 اس نمبر کا چوتھا حصہ اپنی نوعیت کی بالکل منفرد کاوشوں پر مبنی ہے۔ پہلے مضمون میں جناب ڈاکٹر خالد رندھاوا صاحب نے اس تمام کتابی لٹریچر کا اشاریہ تیار کیا ہے جو برصغیر میں انکارِ حدیث کے حوالے سے لکھا گیا۔ دوسرے مضمون میں عبد الرشید عراقی صاحب نے اس ضمن میں علمائے اہل حدیث کی خدمات کا ایک مختصر جائزہ اور ان کی تصنیفات کی فہرست پیش کی ہے۔ جبکہ اس حصہ کا آخری مضمون برصغیر کے جملہ دینی جرائد میں اس موضوع کے حوالے سے آج تک شائع ہونے والے مضامین کا موضوع وار اشاریہ ہے، جس کے آخر میں متعدد ذیلی اشاریے بھی بنائے گئے ہیں۔

یہ ہے مختصر الفاظ میں اس خصوصی اشاعت کا تعارف۔ ہماری محنت اور ۳ ماہ (اگست، ستمبر، اکتوبر) کی کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہمارا مقصد صرف ایک ہے اور وہ ہے: حدیثِ رسول اللہ کا دفاع اور اس کی استنادی حیثیت پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کی حتیٰ المقدور وضاحت تاکہ جو دین نبی کریم اُمتِ مسلمہ کے حوالے کر گئے ہیں ، وہ قرآن اور احادیثِ نبویہ کی مدد سے مکمل اور احسن صورت میں اُمت کے زیر عمل رہے۔ اس مقصد میں ہم کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں، اور ہماری اس کاوش سے اس فتنہ کے سدباب میں کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اس کے لئے ہم اپنے ربّ کے حضور دست بدعا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حدیث نبوی کی خدمت کرنے والوں میں شامل فرمائے اور ہماری اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین! (حافظ حسن مدنی)

یہ خاص نمبر ۴ شماروں کی ضخامت (288=72x4 صفحات) پر مبنی ہے، جسے ۲ شماروں (اگست، ستمبر) کے متبادل قرار دیا گیا ہے جبکہ آئندہ شمارہ ۷۲ صفحوں پر دو ماہ کا ہوگا۔ 'سود نمبر' ڈاک کے ذریعے نہ ملنے کی شکایات بکثرت ملی تھیں، چنانچہ اس نمبر کو رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے بھیجا جارہا ہے۔ ۶۴ مزید صفحات اور رجسٹری کی مد میں ادارے کو ۴۰ روپے کا اضافی بوجھ پڑا ہے۔ ایک غیر کاروباری ادارہ ہونے کی وجہ سے یہ بوجھ ادارہ کے لئے ناقابل برداشت ہے، جس کے لئے قارئین سے مزید ادائیگی کی توقع کی جاتی ہے۔ ادارہ محدث

تحقیق وتنقید

مولانا محمد رمضان سلفی☆

مسٹر غلام احمد پرویز کے کفریہ عقائد

کویت سے شائع ہونے والے اخبار 'الایمان' کے دسمبر ۱۹۹۸ء کے شمارہ میں سعودی عرب کے مفتی ٔاعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کا غلام احمد پرویز اور اس کے حواریوں کے بارے میں ایک فتویٰ شائع ہوا تھا جس میں مفتی صاحب نے پرویز کے عقائد ونظریات معلوم ہونے کے بعد اُسے اور اس کے پیروکاروں کو کافر قرار دیا تھا۔

زیر نظر مضمون میں ہم چاہتے ہیں کہ مسٹر پرویز اور اس کے متبعین کے اعتقادات ان کی اپنی کتابوں کے حوالہ جات سے منظر عام پر لائیں تاکہ قارئین کو معلوم ہوسکے کہ واقعی آنجہانی پرویز اور اس کے حواری کفریہ عقائد کے علمبردار ہیں، اور ان کے کفر وارتداد میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، اور شیخ ابن باز نے ان کے کافر اور مرتد ہونے کا جو فتویٰ دیا ہے، بالکل برحق اور سچ ہے۔ کیونکہ مسٹر پرویز کی خودنوشت کتابیں ان کے کفریہ عقائد کی تصدیق کرتی ہیں اور اس کے افکار ان لوگوں کے ملحد ومرتد ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔

اہل اسلام کے ہاں یہ بات مسلّم ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد حسبِ ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا، یوم آخرت پر ایمان، فرشتوں پر ایمان اور قرآنِ کریم پر ایمان لانا وغیرہ ...... یہ ایسے عقائد ہیں جن کے اِقرار وتصدیق سے کوئی شخص مسلمان ہوتا ہے اور ان عقائد کا انکار کرنے والا یا ان کی من پسند تحریف کرنے والا شخص کافر اور دائرۂ اِسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ لہٰذا آئندہ سطور میں اس بات کو واضح کیا جائے گا کہ امتِ مسلمہ کے نزدیک ان عقائد سے کیا مراد ہے، اور مسٹر پرویز اور اس کے پیروکار کیسے ان عقائد کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش میں مصروف ہیں۔

1 ایمان باللہ

ذاتِ الٰہی کے بارے میں امتِ مسلمہ کا متفقہ عقیدہ

اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے کو دین اسلام میں بنیادی اہمیت حاصل ہے جس سے کوئی مسلمان

☆ نائب شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ)، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور

انکار نہیں کر سکتا، اور اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے اور اپنی مخلوقات سے الگ تھلگ ہونے کو تمام مسلمان بالاتفاق تسلیم کرتے آرہے ہیں اور قرآنِ کریم نیز سنتِ نبویہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی عقیدہ پیش کرتے ہیں اور امام ذہبیؒ اس پر امت مسلمہ کا اجماع ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أدركنا العلماء فى جميع الأمصار حجازا وعراقا ومصر وشامّا ويمنا فكان مذهبهم أن اللّٰه تبارك وتعالى على عرشه بائن من خلْقِه كما وصف نفسه بلاكيف وأحاط بكل شيئ علما (كتاب العلوّ للذهبى ص١٣٧)

''حجاز، عراق، مصر، شام اور یمن کے تمام علما کا یہی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور اپنی تمام مخلوقات سے جدا اور الگ تھلگ ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ایسی ہی صفات بیان فرمائی ہیں، جن کی کیفیت کو وہی جانتا ہے اور اس کا علم ہر چیز کو شامل ہے۔''

ابن بطہ عقیدۂ توحید پر اُمت کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أجمع المسلمون من الصحابة والتابعين أن الله على عرشه فوق سمواته بائن من خلقه" (كتاب الإبانة)

''تمام صحابہ اور تابعین اور اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے اور وہ اپنی ساری مخلوق سے جدا ہے۔''

حافظ ابونعیم، اللہ تعالیٰ کے بارے میں امتِ مسلمہ کا عقیدہ یوں بیان فرماتے ہیں:

"طريقتنا وطريقة السّلف المتّبعين للكتاب والسنة وإجماع الامة وممّا اعتقدوه أن الأحاديث التى ثبتت فى العرش واستواءِ الله عليه يقولون بها ويُثبتونها من غير تكييف ولا تمثيل وأن الله بائن من خلقه والخلق بائنون منهٗ لا يحُلُّ فيهم ولا يمتزج بهم وهو مستو على عرشه فى سمائه من دون أرضه"

''ہمارا طریقہ وہی ہے جو سلف صالحین کا تھا اور وہ سب کتاب وسنت اور اِجماعِ امت کے پابند تھے۔ ان سب کا یہ عقیدہ تھا کہ جن نصوص و آیات میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا ذکر آتا ہے، انہیں بلا کیف اور بلا تمثیل تسلیم کیا جائے اور اس بات پر بھی ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی تمام مخلوق سے جدا ہے اور مخلوقات اس سے الگ تھلگ ہے۔ یہ نہیں کہ وہ اپنی مخلوق کے اندر حلول کئے ہوئے ہو اور نہ ہی وہ اپنی مخلوق سے متصل ہے بلکہ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے اور اس کا عرش آسمان کے اوپر ہے، زمین پر نہیں۔'' (کتاب العلو، ص۱۴۸)

امام ابن خزیمہؒ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اہل سنت کے مذکورہ عقیدے سے انکار اور اس سے انحراف کرنے والے شخص کے مرتد اور اس کے واجب القتل ہونے کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"من لم يُقِرَّ بأن اللّٰه تعالىٰ على عرشه قد استوى فوق سبع سمواته فهو كافر

بربّہٖ یستتاب فإن تاب وإلا ضُرِب عُنقُہٗ" (معرفۃ علوم الحدیث،ص۸۴)

"جو شخص اس بات کا اقرار نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور اس کا عرش سات آسمانوں کے اوپر ہے ،وہ کافر ہے۔ اسے کہا جائے کہ وہ اپنے بدعقیدہ سے توبہ کرے، اور اگر وہ اس سے توبہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوتو اس کی گردن اڑا دی جائے۔"

یہ ہے وہ عقیدہ جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ پر ایمان ہی دراصل دین اسلام کی بنیاد ہے، جس سے انکار کرنے یا اس عقیدۂ توحید کی تحریف کر دینے کے بعد کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا۔

پرویز کی نظر میں اللہ سے کیا مراد ہے؟

اب آئیں دیکھیں کہ مسٹر غلام احمد پرویز جو فرقہ طلوعِ اسلام کے بانیوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں، اور کیسے وہ ساری زندگی عقیدۂ توحید کو مسخ کرنے کی کوشش میں مصروف رہے ہیں۔

اگرچہ مسٹر پرویز اپنی تالیفات میں 'اللہ' یا 'خدا' کا لفظ بکثرت استعمال کرتے ہیں، جس سے عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ پرویز کے نزدیک بھی تصورِ خدا وہی ہے جو اہل اسلام کے ہاں ہے۔ حالانکہ حقیقت ِحال اس کے بالکل برعکس ہے۔ مسٹر پرویز کے ہاں اللہ یا خدا سے مراد وہ ذات نہیں ہے جو عرش پر مستوی ہے اور جس پر تمام مسلمانوں کا ایمان ہے، بلکہ انہوں نے عقیدۂ توحید اور ایمان باللہ کے مفہوم کو ایسا مسخ کیا ہے کہ کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا، اور اس پر ان کی تالیف کردہ کتابیں گواہ ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنی کتاب 'سلیم کے نام' میں اپنے متبنّٰی 'سلیم' کو اللہ پر ایمان لانے کا مفہوم سمجھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں نے تمہیں اپنے سابقہ خط میں بتایا تھا کہ خدا پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ جو معاشرہ اس کے قوانین کے مطابق قائم ہو، اسے صفاتِ خداوندی کا مظہر ہونا چاہئے۔" (سلیم کے نام:۱/۲۲۵)

دیکھئے مسٹر پرویز نے خدا پر ایمان کو معاشرہ پر ایمان لانے سے تعبیر کردیا، اور اِس معاشرہ پر ہی صفاتِ خداوندی کو چسپاں کردیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کامل اور بلاکیف مانی جاتی ہیں جبکہ معاشرہ اور مخلوق کی صفات ناقص ہیں اور ان کی کیفیت بھی ہمارے لئے منکشف ہے۔

مسٹر پرویز اپنی اسی کتاب کے دوسرے مقام پر اہل اسلام کے ہاں عقیدۂ خدا کو ردّ کرتے ہوئے اور مارکس کے نظریۂ خدا کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انسانوں کے خودساختہ مذہب کے پیدا کردہ خدا پر ایمان لانے اور اس کے دعاویٰ پر توکل رکھنے سے وہ یقین کسی طرح پیدا نہیں ہوسکتا جو انسان کو احتیاج کی فکر سے بے خوف کردے۔ یہی

وہ خدا تھا جس کے متعلق مارکس نے کہہ دیا تھا کہ اس کا تصور سرمایہ داروں کی مصلحت کوشیوں کا پیدا کردہ ہے، لیکن 'خدا' کے تصور کا ایک مفہوم وہ ہے جسے (بزعم پرویز) خود خدا نے متعین کیا ہے اور جو قرآن کے حروف ونقوش میں جگمگ جگمگ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس تصور کی رو سے ان مقامات پر خدا سے عملاً مفہوم، وہ نظام ہے جو اس کے قوانین کو نافذ کرنے کے لئے متشکل ہوتا ہے اور اس طرح وہ تمام ذمہ داریاں اپنے سر پر لے لیتا ہے، جنہیں خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔''

(سلیم کے نام: از پرویز، ج۱ص۲۹۹)

اس عبارت پر غور کیجئے، مسٹر پرویز مارکس کی تقلید میں اندھا ہوکر کیسے خدا پر ایمان کے اسلامی مفہوم کو بے فائدہ بتا رہا ہے اور خدا پر ایمان سے مراد وہ نظام بتاتا ہے جو اس کے قوانین کا نفاذ کرے، اگرچہ قوانین خداوندی کے نفاذ سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن خدا سے مراد ہی نظام لے لینا بے دین ذہن کی اختراع ہے۔ آپ قرآنی آیت ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (سورۃ طہٰ: ۵) ''رحمٰن جل شانہ عرش پر قائم ہے۔'' کی روشنی میں غور کریں، کیا قرآن کریم کی نصوص اس خدا کا تصور پیش کرتی ہیں جو مارکس یا مسٹر پرویز نے پیش کیا ہے؟ یا اس عقیدۂ توحید کو پیش کرتی ہیں جس کا تعارف ہم نے متذکرۃ الصدر سطور میں کروایا ہے؟ لہٰذا ایسی عبارتوں سے مسٹر پرویز کی ضلالت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور اس سے ان کے کفر کا پردہ چاک ہوجاتا ہے اور اب وہ اپنے متبنّٰی سلیم کو قرآن فہمی کا قانون سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سلیم اگر تم ایک اہم نکتہ کو سمجھ لو تو قرآن فہمی میں تمہاری بہت سی مشکلات کا حل خود بخود نکل آئے گا یعنی ان مقامات میں جہاں قرآن کریم میں لفظ 'اللہ' استعمال ہوا ہے، 'اللہ کی جگہ اگر تم 'اللہ کا قانون' کہہ لیا کرو تو بات بالکل واضح ہوجائے گی۔'' (سلیم کے نام: ج۱ ص۱۷۳)

بزمِ پرویز میں اگر کوئی شخص عقل سے کام لینے والا موجود ہو تو وہ ان حضرات سے پوچھے کہ جب قرآنِ کریم کے دیگر مقامات میں اللہ تعالیٰ کے قوانین اور ان کی پیروی کی اہمیت واضح الفاظ میں ذکر کردی گئی ہے تو 'اللہ' کے اسم گرامی کو قانون کے معنی میں لینے کی ضرورت کیا ہے؟ کیا اللہ اور قانون دونوں مترادف ہیں؟ اور اس کے باوجود اگر آپ لوگ 'اللہ' کو قوانین کے معنی لیتے ہیں تو یہ صرف اس لئے ہے کہ مسلمانوں کے ہاں اللہ تعالیٰ پر ایمان کے عقیدے کو مسخ کردیا جائے اور اہل اسلام کے دلوں سے عظمتِ خدا کے تصور کو ختم کردیا جائے اور مرکزی حکومت کے قوانین کو خدا کے قوانین کا نام دے کر ان کی اہمیت کو دلوں میں راسخ کردیا جائے۔

مسٹر پرویز اپنے مخصوص تمسخرانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (سلیم کے نام: پیش لفظ، ج۲)

''خدا کے متعلق عام تصور یہی ہے کہ وہ کائنات سے باہر، انسانی دنیا سے الگ اپنے عرشِ حکومت پر بیٹھا ہے۔ ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم اس کے اَحکام بجا لاتے رہیں، اس سے وہ خوش ہوجاتا ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو وہ ناراض ہوکر انسانوں کوجہنم میں ڈال دیتا ہے، یہ تصور غیر قانونی ہے۔''

دیکھئے مسٹر پرویز کائنات سے الگ عرش پر مستوی ذاتِ باری تعالیٰ کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، بلکہ وہ ایسے خدا کی تلاش میں سرگرداں ہے جو کسی تنظیم کی شکل میں کائنات کے اندر ہی موجود ہو۔

حالانکہ قرآنی نصوص سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات سے جدا ہے جسے ان دنیاوی آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا، اور ہر چیز سے بڑھ کر اس سے اور اس کی شریعت سے محبت کرنا مسلمانوں کے ایمان کا جز ہے، لیکن پرویز ایسے خدا سے محبت کو محال اور دشوار شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جس قسم کی محبت انسانی محبوب سے کی جاتی ہے، اس قسم کی محبت خدا سے کی ہی نہیں جاسکتی، تم کسی اَن دیکھی چیز سے محبت کر ہی نہیں سکتے۔''

اس سے ذرا آگے چل کر وہ لکھتے ہیں: ''محسوسات کا خوگر انسان کسی غیر مرئی وغیر محسوس حقیقت سے محبت نہیں کرسکتا۔'' (سلیم کے نام: ج۳/ص۸۹)

مسٹر پرویز کا یہ دعویٰ آیت ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾ (البقرہ:۱۶۵) اور اس جیسی دیگر متعدد آیات کے خلاف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا خدا مخلوقات کے اندر ہی تلاش کرنے کی کوشش میں تھے جو محسوس اور مرئی یعنی دنیا میں ہی نظر آنے والا ہو، لہٰذا وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوگئے اور اس نے محسوس اور دنیا میں ہی نظر آنے والا خدا تلاش کرلیا جس کی بشارت وہ اپنے حواریوں کو دیتے ہوئے 'نظامِ ربوبیت' میں صفحہ ۱۵۸ پر لکھتے ہیں:

''ہم اس مقام پر ایک اہم نکتہ کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں، جسے آگے بڑھنے سے پہلے سمجھ لینا ضروری ہے۔ہم نے ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ......﴾ کی آیت میں بھی اور مذکورہ صدر آیت میں بھی 'اللہ' سے مراد لیا ہے ''وہ معاشرہ جو قانونِ خداوندی کو نافذ کرنے کیلئے متشکل ہو۔''

قانونِ خداوندی کا لفظ بھی پرویز صاحب کا تکیہ کلام ہے جسے وہ بکثرت اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں، ورنہ قارئین پر یہ بات مخفی نہیں کہ وہ قانونِ فرنگی کو قانونِ خداوندی کا نام دیتے ہیں، اور مستشرقین وملحدین کے آراء و افکار کو قرآنی آیات کے لبادے میں پیش کرتے ہیں، اور اس ہیرا پھیری میں وہ مہارتِ تامہ رکھتے ہیں۔ان کی اس چابک دستی کا ہم فراخدلی سے اعتراف کرتے ہیں۔ دوسرے مقام میں وہ اسلامی حکومت کے منشور کو 'میثاقِ خداوندی' کا نام دیتے ہوئے اور اپنے حواریوں کو محسوس اور مرئی خدا کا مشاہدہ کرواتے ہوئے رقم طراز ہیں: (سلسبیل، ص۱۲۲)

''چونکہ عمال حکومتِ اسلامیہ کا عہد نامہ ان کے اور حکومت کے اقتدارِ اعلیٰ (یعنی ان کے خدا)

کے مابین ہوگا، اس لئے ہم نے اس کا عنوان 'میثاقِ خداوندی' مناسب سمجھا ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے میثاقِ خداوندی کی تفصیل نقل کی ہے لیکن ان کے سابقہ اقتباس پر غور فرمائیں جس میں انہوں نے اقتدارِ اعلیٰ کو ہی خدا قرار دیا ہے اور اربابِ اقتدار کو عمالِ حکومت کا خدا بنا کر کفر کا ارتکاب کیا ہے اور اپنے اس کفر کو برملا لوگوں پر مسلط کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''قرآن میں جہاں 'اللہ اور رسول' کے الفاظ اکٹھے آتے ہیں، وہاں اس سے مراد کیا ہوتی ہے؟ ......اس سے مراد 'اسلامی نظامِ حکومت' ہے جو خدا کے احکام نافذ کرنے کے لئے متشکل ہوتا ہے۔''
(قرآنی فیصلے، ج۱ص۲۳۷)

اللہ تعالیٰ کے احکام کے نفاذ سے کسی کو انکار نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کسی کو کوئی اعتراض ہوسکتا ہے۔ لیکن 'اللہ' اور 'رسول' کے مقدس کلمات سے نظامِ حکومت مراد لینا مسٹر پرویز کے کفر والحاد اور ان کی منافقت کی غمازی کرتا ہے۔ جس کی جرأت اس سے پہلے کسی مسلمان کو نہیں ہوئی۔

مفسرین قرآن پر اپنی من مانی تعبیر تھوپنے کی جسارت

⊙ مفسر ابن جریر طبری پر بہتان: جھوٹے آدمی کو اپنی بات سچ باور کرانے کے لئے دیگر متعدد جھوٹوں کا سہارا درکار ہوتا ہے جیسا کہ مسٹر پرویز نے 'اللہ و رسول' کے مقدس کلمات کو مرکزی حکومت کے لئے استعمال کرکے کذب بیانی کی، اور اسے سچ بنانے کے لئے دوسرا جھوٹ یہ بولا کہ وہ مفسر ابن جریر طبریؒ کو بھی اس میدان میں کھینچ لائے اور یہ دعویٰ کردیا کہ

''یہ بات کہ قرآنِ کریم میں جہاں اس ضمن میں 'اللہ اور رسول' کے الفاظ آئے ہیں، اس سے مراد 'اسلامی نظام' ہے، ہماری اختراع نہیں؛ یہ خیال متقدمین کا بھی تھا، اور خود ہمارے زمانے کے مفسرین کا بھی ہے، مثلاً قرآنِ کریم کی آیت ہے ﴿يَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ......﴾ اے رسول تم سے پوچھتے ہیں اَنفال (مالِ غنیمت) کے متعلق، کہہ دو کہ اَنفال اللہ اور رسول کے لئے ہے۔''

امام ابن جریر طبریؒ جن کی تفسیر کو اُمّ التفاسیر کہا جاتا ہے، اللہ و رسول کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد اپنا فیصلہ یہ لکھتے ہیں: ''وأولی هذه الأقوالِ بالصَّواب فی معنی الأنفالِ قول من قال هي زیاداتٌ یزیدها الامامُ لبعض الجیشِ أوجمیعِهم''

''انفال کے معنی کے متعلق ان تمام اقوال میں سے قرین صواب ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ اضافے ہیں جو امامِ وقت بعض یا کل فوج کے لئے کرتا ہے۔''

اس کے بعد مسٹر پرویز حق کا خون کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہاں انفال کے معنی سے بحث نہیں، مدعا صرف یہ ہے کہ 'اللہ و رسول' کی تفسیر انہوں نے امامِ

وقت لکھی ہے۔'' (قرآنی فیصلے از پرویز، ج۲/ص۲۲۲)

مستشرقین کے اس ہندی شاگرد نے یہاں ابن جریر طبریؒ کے سر وہ جھوٹ تھوپنے کی کوشش کی ہے جس کا ان کے ذہن میں پوری زندگی تصور بھی نہیں آیا اور نہ ہی انہوں نے اللہ و رسول کے مقدس الفاظ کو امامِ وقت کے لئے استعمال کیا ہے، بلکہ وہ مذکورہ عبارت میں لفظ اَنْفَال کا معنی اور اس کی تفسیر و تشریح بیان کررہے ہیں اوران کے یہ الفاظ وأولی هذه الاقول بالصواب فی معنی الأنفال اس پر دلیل کے لئے کافی ہیں اور اَنفال کے بارہ میں وہ راجح قول یہ ذکر کررہے ہیں کہ اس سے مراد ''وہ اضافی مال ہے جو امامِ لشکر مجاہدین میں سے بعض یا سب کو ان کی کارکردگی کے پیش نظر دیتا ہے'' ......لیکن ان صاحب نے اَنفال کی تشریح میں آنے والے لفظ 'امام' کو 'اللہ و رسول' کی تفسیر بنا دیا اور اِسے ابن جریر طبریؒ کے سر منڈھ دیا ہے، حالانکہ مفسر طبریؒ اپنی مذکورہ عبارت میں 'اللہ و رسول' کی تفسیر نقل نہیں کررہے، بلکہ وہ تو صرف اَنفال کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، اس لئے ان کے کلام کی ابتدا میں یہ لفظ آئے ہیں ''قال أبو جعفر: اختلف أهل التاويل في معنى الأنفال'' (دیکھئے تفسیر طبری: ج۶/ص۱۶۸)

یعنی ابن جریر طبریؒ کے نزدیک اَنفال کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے جسے وہ بیان کررہے ہیں، اوراس بارے میں مختلف اقوال میں سے راجح قول کو ذکر کررہے ہیں اوران کے نزدیک اللہ اور رسول کی مراد میں کسی مسلمان کا اختلاف ہی نہیں جسے ذکر کرنے کی انہیں ضرورت درپیش ہو، اور نہ ہی اللہ و رسول کا مفہوم ان کے نزدیک امامِ وقت یا مرکزی حکومت ہے، لیکن یہ صاحب ان کے قول کی غلط توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ''یہاں اَنفال کے معنی سے بحث نہیں'' حالانکہ امام طبریؒ بحث ہی 'انفال' کے معنی سے کررہے ہیں، اللہ ورسول کا معنی تفسیر طبری میں زیر بحث ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں امتِ مسلمہ کا کبھی اِختلاف ہی واقع نہیں ہوا۔

⊙ مسٹر پرویز کی مثال تو ساون کے اندھے کی سی ہے جسے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے، اس نے اِمامِ وقت یا حکومتِ وقت کو اپنا اللہ اور خدا بنا رکھا ہے، اس لئے جہاں کہیں اسے 'امام' کا لفظ نظر آجاتا ہے وہ اس کی تعبیر اللہ و رسول سے کرنے کے درپے ہوجاتا ہے، جیسا کہ وہ اب امام رازیؒ کو اپنے کفریہ موقف کی تائید میں گھسیٹتے ہوئے لکھتا ہے:

''امام رازی نے آیت ۵/۳۳ ﴿إِنَّمَا جَزاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ کے تحت امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: اِذا قَتَل واَخَذَ المالَ فالإمام مُخَيَّرٌ فيه بين ثلاثةِ اشياءَ﴾ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ''اگر باغی یا ڈاکو نے قتل بھی کیا ہے اور مال بھی لیا ہے تو 'امام' کو اختیار ہے کہ تینوں سزاؤں (قتل، قطع اور صلیب) میں سے جو سزا چاہے، اس کو دے۔''

(قرآنی فیصلے، ج۲ ص۲۲۳)

مسٹر پرویز نے صغریٰ امام رازیؒ سے اور اس کا کبریٰ امام ابوحنیفہؒ سے لے کر یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام رازیؒ کے نزدیک بھی اللہ سے مرادامامِ وقت ہے

ع کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا !!

حالانکہ امام رازیؒ لفظ 'اللہ' کو مخلوقات میں سے کسی دوسرے پر استعمال کرنے کے بالکل خلاف ہیں، اس لئے وہ اپنی کتاب کے آغاز اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تحت لفظ اللّٰہ کی یہ خصوصیت ذکر کرتے ہیں:

اَطبق جميعُ الخلق على أن قولنا 'الله' مخصوص بالله سبحانهٗ وتعالى وكذٰلك قولنا 'الإله' مخصوص بهٖ سبحانه وتعالىٰ (تفسیر رازی:۱/۱۶۳)

''اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق اس بات پر متفق ہے کہ لفظ اللّٰہ ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، ایسے ہی لفظ 'الٰہ' اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔''

تفسیر رازیؒ میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اس وضاحت کے ہوتے ہوئے بھی مسٹر پرویز کا یہ دعویٰ کر دینا کہ امام رازیؒ کے نزدیک 'اللہ' سے مرادامامِ وقت یا وقت کی گورنمنٹ ہے، بہت بڑی جہالت اور حماقت کی بات ہے اور وہ اپنے کفریات کو لوگوں میں رائج کرنے کے لئے علماءِ اسلام کو استعمال کرنا چاہتے ہیں جبکہ امام رازیؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ کلمہ اسلام (جو کفر سے اسلام میں داخل ہونے کے لئے پڑھا جاتا ہے) میں لفظ 'اللہ' کی جگہ اگر باری تعالیٰ کا ہی کوئی دوسرا نام استعمال کیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اس طرح کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہوسکتا ہے، مثال کے طور پر اگر کوئی غیر مسلم ''لا إله إلا الله'' کی بجائے ''لا إله إلا الرحمٰن'' کہے تو امام رازیؒ کے نزدیک ایسا شخص مسلمان نہیں ہوگا۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"الخاصية الثانية أن كلمة الشهادة التى بسببها ينتقل الكافر من الكفر إلى الإسلام لم يحصل فيها إلا بهذا الإسم فلو أن الكافر قال: أشهد أن لا إله إلا الرحمٰن أو إلا الرحيم أو إلا الملك أو إلا القدوس، لم يَخرج من الكفر ولم يَدخل في الاسلام اما إذا قال: أشهد أن لا إله إلا اللّٰه فإنه يخرج من الكفر و يدخل فى الاسلام وذلك يدلّ على اختصاص هٰذا الاسم بهذه الخاصية"

''یعنی کلمہ توحید جسے پڑھ کر کافر اسلام میں داخل ہوتا ہے، وہ کلمہ ''لا إله الا الله '' ہے۔ اگر کوئی شخص لفظ 'اللہ' کی جگہ کوئی دوسرا نام ذکر کرے، اور لا اله إلا الرحمٰن یا لا إله إلا الرحيم وغیرہ پڑھے تو وہ کفر سے نہیں نکلے گا اور نہ ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہوگا۔ کفر سے نکل کر وہ مسلمان

تب ہی کہلائے گا جب "لا إله إلا اللّٰه" پڑھے اور یہ لفظ 'اللہ' کے ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونے کی دلیل ہے۔" (التفسیر الکبیر از امام رازی: ج۱ص۱۶۴)

دیکھئے، امام رازیؒ کلمہ توحید میں لفظ اللّٰه کی جگہ اسماءِ الٰہی سے ہی کوئی دوسرا اسم گرامی استعمال کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے، اور مسٹر پرویز ان سے لفظ 'اللہ' کو امامِ وقت یا حکومتِ وقت پر استعمال کرنے کے جواز کو ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اور اس طرح وہ اپنی ضلالت کی تائید میں امام رازیؒ کو سہارا بنانا چاہتے ہیں۔

⊙ پرویز صاحب امام سیوطیؒ کو بھی اپنے کفریہ موقف کی تائید میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسی آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ الدرّ المنثور میں یہ روایت درج کرتے ہیں:
"عن سعيد بن المسيب والحسن والضحاك في الآية قالوا: الإمام مخيّر في المحارب يصنع به ما شاء" سعید بن مسیّب، حسن بصری اور ضحاک علیہم الرحمہ نے کہا ہے کہ 'محارب' کے معاملہ میں امام کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے۔" (قرآنی فیصلے: ج۲ص۲۲۳)

آخر میں مسٹر پرویز ان مفسرین سے نقل کردہ کلام کا نتیجہ ذکر کرتے ہیں کہ

"ان حضرات کے اَقوال سے دو باتیں ظاہر ہوگئیں، ایک یہ کہ ان کے نزدیک "اللہ اور رسول" سے مراد امامِ وقت ہے اور دوسرے یہ کہ......" (قرآنی فیصلے: ۲۲۴/۲)

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ امام سیوطی کے نزدیک آیت ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ میں اللہ و رسول سے مراد امامِ وقت نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک 'اللہ' سے وحی نازل کرنے والی ذات اور رسول سے وحی قبول کرنے والی شخصیت ہی مراد ہے۔ اور ان کی مذکورہ عبارت میں 'امام' سے مراد امیر المومنین ہے، جسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف بغاوت اختیار کرنے والے مجرم کو آیت ِبالا میں ذکر ہونے والی سزاؤں میں سے کوئی ایک سزا دینے کی اجازت ہے۔

لیکن اگر مسٹر پرویز کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے تو بات بالکل اُلجھ جاتی ہے کیونکہ اس کے نزدیک 'اللہ اور رسول' سے مراد امامِ وقت سے الگ ہستیاں نہیں ہیں بلکہ امامِ وقت ہی اللہ و رسول ہے، تو اس طرح آیتِ بالا کا مفہوم یہ بن جاتا ہے کہ جو مجرم اللہ و رسول (یعنی امامِ وقت) کے خلاف بغاوت اختیار کرے، تو اس کی سزا میں امامِ وقت (یعنی اللہ و رسول) کو اختیار ہے وہ اُسے جو سزا چاہے دے سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ ...... بقول پرویز...... امامِ وقت (اللہ و رسول) اپنے خلاف ہونے والی بغاوت کے مجرم کو خود ہی سزا دے سکتا ہے اور اپنے مقدمہ کا فیصلہ خود ہی کرسکتا ہے کیونکہ بزعم پرویز امامِ وقت سے مراد اللہ و رسول ہے اور اللہ و رسول ہی امامِ وقت ہے۔ گویا مدعی خود ہی قاضی بن کر اپنے کیس کا فیصلہ ثالث کی بجائے خود ہی کرسکتا ہے، بلکہ خود ہی مجرم کو سزا دینے کا اختیار بھی حاصل کر لیتا ہے۔ حالانکہ جس

طرح قاضی اپنے ذاتی کیس کا فیصلہ خود نہیں کرسکتا، اسی طرح امامِ وقت سے بھی لازماً 'اللہ و رسول' مراد نہیں ہوسکتا۔

اللہ اور رسول سے مراد 'مرکزِ ملت' ہے...... پرویز

مسٹر پرویز نے اپنی پوری کوشش ''اللہ و رسول'' کی اطاعت وفرمانبرداری سے لوگوں کو ہٹانے میں صرف کردی، اور ان مقدس کلمات کے مفاہیم کو بگاڑنے میں دن، رات وہ کولہو کے بیل کی طرح جتے رہے اور قرآنِ کریم کی تحریفِ معنوی کرنے کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں جانے دیا۔ قرآنی آیت ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ کے الفاظ پر اپنا کافرانہ موقف مسلط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس آیتِ مقدسہ کا مفہوم بالکل واضح ہے، اس میں 'اللہ و رسول' سے مراد مرکزِ ملت یعنی نظامِ خداوندی (Central Authority) اور اولوالامر سے مفہوم افسرانِ ماتحت ہیں۔''

اس سے ذرا آگے چل کر وہ مزید کھل کر سامنے آتے ہیں

''قرآنِ کریم میں مرکزِ ملت کو 'اللہ اور رسول' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔''

(معراجِ انسانیت از پرویز: ص۳۲۲،۳۲۳)

مسٹر پرویز نے چونکہ مرکزی حکومت کو اپنا اللہ اور رسول بنا لیا تھا، اس لئے قرآنِ کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے وہاں اس کے نزدیک مرکزی حکومت کی اطاعت وفرمانبرداری مراد ہے۔ جیسا کہ اس نے لکھا ہے:

''حکومت کے انتظامی امور کے لئے ایک مرکز ہوگا اور اس مرکز کے ماتحت افسرانِ مجاز، قرآنِ کریم میں اس کے لئے 'خدا اور رسول' کی اصطلاح آئی ہے یعنی وہ نظامِ خداوندی جسے رسول اللہ نے متشکل فرمایا، خدا اور رسول کی اطاعت سے مقصود اسی مرکزِ حکومتِ خداوندی کی اطاعت تھی۔''

(قرآنی قوانین، ص۶)

دوسرے مقام پر لکھتا ہے:

''رسول اللہ کے بعد خلیفۃُ الرسول رسول ُاللہ کی جگہ لے لیتا ہے، اب خدا اور رسول کی اطاعت سے مراد اسی جدید مرکزِ حکومت کی اطاعت ہوتی ہے۔'' (معراجِ انسانیت: ص۳۵۷)

مسٹر پرویز ساری زندگی بے عقلی کی باتیں کرتے رہے اور اپنی کتابوں میں جابجا ایسی باتیں لکھ کر عقل کا منہ چڑاتے رہے، جبکہ ایک عقلمند انسان بشرطیکہ وہ مسلمان بھی ہو بخوبی جانتا ہے کہ اللہ اور رسول کے مقدس کلمات ایسی اصطلاحات نہیں ہیں جنہیں جس پر چاہیں منطبق کردیں، بلکہ لفظ 'اللہ' نام ہے اس ذاتِ مقدس کا جو واجبُ الوجود ہے، عرش پر مستوی اور وحی نازل کرنے والا ہے اور رسول اللہ سے مراد وہ

شخصیت ہے جو وحی کو قبول کرنے والی ہے۔ جدید مرکزی حکومت کو ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس میں اور اللہ و رسول میں کوئی قدرِ مشترک ہے۔ جس کی بنا پر مرکزی حکومت کو 'اللہ و رسول' بنا دیا جائے۔ اگر بقولِ پرویز مرکزی حکومت کو اللہ و رسول تسلیم کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرکزِ حکومت وحی نازل کرنے والا ہے اور خود ہی وحی وصول کرنے والا بھی ہے۔ اگر مسٹر پرویز کی عقل کا دیوالیہ نہ نکل گیا ہوتا تو وہ ضرور سوچتے کہ جب قرآنِ کریم اور حدیثِ نبویؐ میں اُمرا اور مسلمان حکمرانوں کی بات ماننے کا حکم بصراحت موجود ہے تو اللہ و رسول کی اطاعت پر مشتمل آیات سے مرکزی حکومت کی اطاعت مراد لینے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

⊙ مسٹر پرویز اللہ و رسول سے جدید مرکزِ حکومت ہی مراد لیتے اور اپنے اسی موقف پر قائم رہتے تو ہوسکتا تھا کہ انہیں ملحد لوگوں کی دنیا میں عقلمند انسان مان لیا جاتا، مگر تعجب ہے کہ وہ اپنے اس موقف پر بھی قائم نہ رہے، اور مرکزِ حکومت کے علاوہ اللہ و رسول کی دیگر مختلف تعبیرات پیش کرکے وہ ملحد لوگوں کے نزدیک بھی عقل و متانت سے عاری ایک یا وہ گو انسان ہی سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ اب وہ ''اللہ اور رسول'' کی دیگر نئی ہی تعبیریں بیان کرتے ہیں اور آیت ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِيْ الْاَرْضِ اِلاَّ عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ ''یعنی زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو'' کے تحت وہ 'اللہ' سے معاشرہ مراد لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ہم نے (اس آیت میں) اللہ سے مراد لیا ہے وہ معاشرہ جو قانونِ خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے متشکل ہو۔'' (نظامِ ربوبیت از پرویز ص ۱۵۸)

لیکن سوال یہ ہے کہ بزعم پرویز زمین پر چلنے والوں کا رِزق تو معاشرے کے ذمہ ہوگیا، مگر اس معاشرہ کا رزق کس کے ذمہ ہوگا؟ کیونکہ دوسروں کے رزق کی ذمہ داری لینے والے معاشرے کے افراد بھی کھانے، پینے کے سامان سے مستغنی تو نہیں ہیں جنہیں رزق کی ضرورت نہ ہو۔

⊙ دوسرے مقام پر خدا کو ایک قوت بتاتا ہے اور کہتا ہے:

> ''قرآنی تعلیم کی بنیاد خدا کی وحدت پر ہے، یعنی اس حقیقت کے اعتراف پر کہ کائنات میں صرف ایک قوت ہے جس کا اقتدار و اختیار ہے۔'' (لغات القرآن: ج۴/ص ۱۶۹۰)

اللہ تعالیٰ قائم بالذات، واجبُ الوجود ہے، لیکن اگر کہا جائے کہ وہ ایک قوت ہے، جیسے پرویز نے کہا ہے، تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے قائم بالذات ہونے کی نفی ہوجاتی ہے کیونکہ قوت ایک عَرض ہے جو قائم بالغیر ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کو ایک قوت بنانے والا ذاتِ باری تعالیٰ کے وجود سے انکار کرنا چاہتا ہے، اور یہ نظریہ بھی مسٹر پرویز کا اپنا نہیں بلکہ اسے انہوں نے مستشرق میتھیو آرنلڈ سے چرایا ہے جو کہتا ہے:

''خدا اس قوت کا نام ہے جو سب کی مسبّب ہے۔'' (انسان نے کیا سوچا، ص ۳۸۷)

اسلامی تعلیمات کی بنیاد ایمان باللہ پر ہے، اس لئے مسٹر پرویز نے نظریہ خدا کو لوگوں کے دلوں میں سے مسخ کرنے کے لئے سرتوڑ کوشش کی، اور اس بارے میں وہ مختلف تضادات کا شکار ہوئے ہیں، کبھی وہ خدا کو مرکزِ حکومت بناتے ہیں اور کبھی اسے معاشرہ اور کبھی قوت کہتے ہیں۔ لیکن اول الذکر نظریہ اس کے نزدیک راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے اس پر اس نے دلائل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان دلائل کا جائزہ ہم سابقہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں جس سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ مرکزِ ملت یا مرکزِ حکومت کو خدا بنا کر مسٹر پرویز دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں کیونکہ کوئی مسلمان کسی مرکز یا معاشرے کو خدا بنانے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں امام راغب کی المفردات کا اقتباس نقل کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اللہ کو مخلوقات میں سے کسی فرد و معاشرہ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور المفردات راغب وہ کتاب ہے جسے مسٹر پرویز کی طرف سے بھی شرفِ قبولیت حاصل ہو چکا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے:

''مفردات امام راغب کے علاوہ، نظر سے کوئی ایسی کتاب نہیں گزری جسے خالص قرآنی الفاظ کا لغت کہا جا سکے'' (لغات القرآن، ج ا ص ۲۰)

یہی امام راغبؒ 'الہٰ' کے مادہ کے تحت لفظ 'اللہ' کے بارہ میں فرماتے ہیں:

''خُصّ بالباری تعالیٰ ولِتخصّصه به قال تعالیٰ ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾

''لفظ 'اللہ' ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس کی خصوصیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''بھلا تم اس کا کوئی ہم نام پاتے ہو؟'' (المفردات، ص ۲۱)

امام راغبؒ کی طرح تمام اہل اسلام لفظ 'اللہ' کو اس ذاتِ باری تعالیٰ کا ذاتی نام مانتے ہیں جو اپنی مخلوقات سے بلند عرش پر مستوی ہے، اور اس لفظ کو خالق کائنات سے مخصوص سمجھتے ہیں اور اس کا استعمال مخلوق میں سے کسی فرد یا جماعت کے لئے حرام جانتے ہیں، لیکن مسٹر پرویز کا لفظ 'اللہ' کو مخلوق میں سے مرکزِ حکومت یا مرکزِ ملت کے لئے استعمال کرنا، کبھی اس سے معاشرہ اور کبھی قوت مراد لینا ان کی منافقت کی دلیل ہے، چونکہ اس قسم کے نظریات انہوں نے مستشرقین کی تالیفات سے اخذ کئے ہیں جو قرآن اور اسلام کو ان کی تحریفِ معنوی کرنے کے لئے پڑھتے ہیں اور وہ سب کافر و ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، تو ان کے نقش قدم پر چل کر قرآن اور اسلام کی تحریف معنوی کرنے والا غلام احمد پرویز مسلمان کیسے ہوسکتا ہے؟''

مسٹر پرویز نے چونکہ اپنے حواریوں کو جدید مرکزی حکومت کی صورت میں اس دنیا میں ہی خدا دکھا دیا تھا، اس لئے اس کے عقیدت منداس پر بڑے خوش ہوتے اور خط و کتابت کے ذریعے وہ اپنی مسرت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ جیسا کہ ایک عقیدت مند نے تفصیلی خط لکھ کر مسٹر مذکور کے ہاں اپنی خوشی کا اظہار ان الفاظ سے کیا:

''وہ خدا جو وہموں کے پردے میں تھا، آپ کی کتابوں کے مطالعہ سے اب وہ ظاہر ہو چکا ہے۔''
(قرآنی فیصلے، ج۴ ص۱۱۰)

پرویزیوں پر ظاہر ہوجانے والا خدا وہی ہے جسے یہ لوگ جدید مرکزی حکومت یا مرکز ملت سے تعبیر کرتے ہیں، ان کے کفر وارتداد پر اس سے بڑھ کر اور کون سی دلیل درکار ہے؟

2 ایمان بالرسول

تمام مسلمانوں کے ہاں یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ نبوت و رسالت وہبی چیز ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا، اُسے اپنی وحی کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ کوئی شخص اپنی ذاتی محنت و کاوش سے یا عبادت و ریاضت سے منصبِ نبوت و رسالت کو حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے جو اس کے ذاتی اختیار پر منحصر ہے۔ جملہ اہل اسلام کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بے شمار انبیاءِ کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں لیکن اب نبوت ورسالت حضرت محمد ﷺ پر مکمل ہوگئی ہے۔ اب آپ ﷺ ہی نبی اور رسول ہیں، کوئی شخص آپ ﷺ کے بعد نبی یا رسول کا لقب حاصل نہیں کرسکتا۔ قرآنِ کریم کی آیت ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْل﴾ (آلِ عمران:۱۴۴) میں کلمہ حصر اس بات پر فیصلہ کن دلیل ہے کہ رسول صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ اور اُمت میں جو شخص اسلامی نظام کے نفاذ میں انتھک محنت کرنے والا ہو یا عملاً اسے نافذ کر دینے والا ہو، وہ رسول اللہ ﷺ کا ادنیٰ اُمتی ہونے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ اس کے برعکس جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے یا کسی اُمتی کو رسول کا لقب دینے لگے، بلکہ وہ قرآنی آیات جو 'رسول' کے لفظ پر مشتمل ہیں انہیں مرکزِ حکومت پر منطبق کرنے لگے، وہ ختم نبوت کا منکر اور مسلمانوں کے اِجماع کے مطابق وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

اب آئیں دیکھیں، مسٹر پرویز کیسے اس منصبِ رسالت پر ڈاکے ڈالتے رہے اور اُمت کے بعض افراد کو 'رسول' کے مقدس لقب سے نوازتے رہے۔ جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

''قرآن سے فیصلہ انفرادی طور پر نہیں لیا جائے گا، بلکہ اس کے لئے ایک زندہ اور محسوس ثالث

اور حاکم کی ضرورت ہوگی۔ اس فیصلہ کرنے والی اتھارٹی کو قرآن میں 'اللہ اور رسول' کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔'' (سلیم کے نام، ج۲ص ۳۲۸)

دیکھئے پرویز نے 'اللہ و رسول' کو جامع اصطلاح بنا دیا اور اس میں بے شمار افراد کو داخل کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے، حالانکہ کوئی مسلمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی اُمتی کو رسول کا لقب دینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

دوسرے مقام پر وہ رسول کے لفظ سے اپنی مراد کو بیان کرتے ہوئے یوں گویا ہیں:

''اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکزِ نظامِ اسلامی ہے جہاں سے قرآنی احکام نافذ ہوں۔''

(معراجِ انسانیت،ص ۳۱۸)

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ مسٹر پرویز کے ہاں قرآنی احکام سے مراد وہ اَحکام نہیں ہوتے جو قرونِ اولیٰ سے مسلمانوں میں مسلم چلے آرہے ہیں اور جو صحابہ کرامؓ اور رسول اکرم ﷺ کے زیر عمل رہے ہیں، بلکہ مسٹر مذکور کے ہاں اس سے مراد وہ احکامات ہوتے ہیں جنہیں وہ فرنگیوں کے افکار کی روشنی میں گھڑتے ہیں اور پھر انہیں بڑی کھینچا تانی سے قرآنی آیات میں ٹانکنا شروع کردیتے ہیں۔ اس کے بعد انہیں 'مفہومُ القرآن' یا 'مطالبُ الفرقان' کے نام سے منظر عام پر لے آتے ہیں۔ ذہنی لحاظ سے یورپ سے مرعوب لوگ ایسے افکار کو اسلامی اور قرآنی سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور قرآن وسنت کی سمجھ رکھنے والے حضرات جب یہ دیکھتے ہیں کہ متن قرآن میں جن لوگوں کی مذمت ہو رہی ہے، مسٹر پرویز کی مفہوم ُالقرآن یا مطالبُ الفرقان میں انہی کو ہیرو بنا کر پیش کیا جارہا ہے تو وہ ان کی اس ہیرا پھیری پر سر پیٹتے رہ جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کسی جھوٹ کو سچ باور کرانے کے لئے اسے کئی بار بولیں تو سننے والوں کو وہ جھوٹ عین سچ دکھائی دینے لگتا ہے۔ مسٹر پرویز کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے، وہ اپنے متعدد جھوٹوں کو قریباً ہر کتاب میں دہراتے چلے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی تالیفات میں تکرار کی بھرمار ہے اور اس طرح ان کے کذبات اور افتراء ات کو ان کے عقیدت مند سچ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ یہ افکار ملحد مستشرقین کی عقلی غلاظتیں اور ان کی ذہنی نجاستیں ہیں جنہیں مسٹر پرویز اپنی ساری زندگی قرآنی اور اسلامی احکام کے طور پر متعارف کرانے کی حماقت کرتے رہے جیسا کہ وہ اللہ اور رسول سے مرکزِ حکومت اور افسرانِ مجاز جیسی اپنی مراد کو اپنی کتابوں میں لائے ہیں اور لکھتے ہیں:

''حکومت کے انتظامی اُمور کے لئے ایک مرکز ہوگا اور اس مرکز کے ماتحت افسرانِ مجاز، قرآنِ کریم میں اس کے لئے 'خدا اور رسول' کی اصطلاح آئی ہے۔'' (قرآنی قوانین: ص ۶)

لیکن پرویز نے ...... جو مفکرِ قرآن کے لقب سے بھی یاد کئے جاتے ہیں...... ان آیاتِ قرآنیہ پر (جن میں اللہ اور رسول کے مقدس کلمات استعمال ہوئے ہیں) رک کر کبھی یہ سوچنے کی زحمت نہ کی کہ ان قرآنی آیات میں اللہ اور رسول کا لفظ مفرد استعمال ہوا ہے جس سے لامحالہ فردِ واحد ہی مراد ہوسکتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ ہے، لہٰذا رسول کا مفرد لفظ افسرانِ مجاز کے جتھوں کے لئے کیسے استعمال ہوسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کی بجائے اب وہ اپنے خود ساختہ 'خدا ورسول' یعنی افرادِ حکومت کو اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کو کینسل کرنے اور منسوخ بنانے کا اختیار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''(اسلامی نظام) سابقہ اَدوار کے فیصلوں میں خواہ وہ رسول اللہ کے زمانے میں ہی کیوں نہ صادر ہوئے ہوں، ردّ و بدل کرسکتا ہے اور بعض فیصلوں کو منسوخ بھی کرسکتا ہے۔''

(شاہکارِ رسالت، ص۲۸۱)

مسٹر پرویز کی طرف سے منصب ِرسالت پر اس ڈاکہ زنی کا مذکورہ کتاب کے نام (شاہکارِ رسالت) سے جو کھلا ہوا تضاد ہے، اس سے قطع نظر اگر...... بقولِ پرویز...... اسلامی نظام کی علمبردار حکومت اور اس کے افسروں کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے فیصلوں کو تبدیل یا منسوخ کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر وحی کا نزول بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے بلکہ بایں طور تو آپ ﷺ کے فرمودات کا آپ کے کسی اُمتی کے قول وفعل سے بھی کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی طرف سے بعض احکام کا نسخ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہوتا تھا۔ لیکن مسٹر پرویز کے خود ساختہ رسول (اسلامی حکومت) کا ردّوبدل اور نسخ اپنی ہوائے نفس سے ہوگا اور وحی الٰہی کے خلاف بھی۔ مسٹر پرویز کو نجانے ایسے کفریہ عقائد اپنانے اور انہیں لوگوں تک پہنچانے میں کیا لذت آتی تھی کہ وہ ان سے توبہ کرنے کی بجائے اُلٹا انہیں اپنی سب تصنیفات میں دہراتے رہتے تھے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

''قرآن میں جہاں 'اللہ اور رسول' کے الفاظ اکٹھے آتے ہیں، وہاں اس سے مراد اسلامی نظامِ حکومت ہے جو خدا کے احکام نافذ کرنے کے لئے متشکل ہوتا ہے۔'' (قرآنی فیصلے، ج ۱ص ۲۳۷)

اندھی عقیدت سے بالاتر ہوکر پرویزی لٹریچر کا مطالعہ کرنے والے شخص پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسٹر پرویز عام طور پر اپنی تالیفات میں اپنی لفاظی کا جادو دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور لفظی ہیرا پھیری سے وہ عامۃ ُالناس کو اپنے جال میں پھانسنے کی تاک میں رہتے ہیں جیسا کہ وہ مذکورہ اقتباس میں اور اس جیسے دیگر مقامات میں کہا کرتے ہیں کہ

''قرآن میں جہاں 'اللہ اور رسول' کے الفاظ اکٹھے آتے ہیں، وہاں اس سے مراد اسلامی نظامِ حکومت ہوتا ہے۔''

اس سے عام قاری یہی سمجھتا ہے کہ مسٹر پرویز کے ہاں اللہ اور رسول سے اسلامی نظامِ حکومت اسی وقت مراد ہے جبکہ یہ دونوں لفظ اکٹھے آجائیں لیکن یہ الفاظ ایک دوسرے سے جدا ہو کر استعمال ہوں تو پھر شاید اس کے ہاں اللہ سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ اور رسول سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت ہوتی ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے، اور نہ ہی کسی شخص کو اس مغالطہ کا شکار ہونا چاہیے۔ بلکہ مسٹر پرویز کے نزدیک رسول کا لفظ خواہ لفظ اللہ سے مل کر استعمال ہو یا اُس سے جدا ہو کر، بہرحال اس سے ہر دور کی 'مرکزی اتھارٹی' ہی مراد ہوتی ہے جیسا کہ اس نے آیت ﴿ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ...... ﴾ (النساء:۸۳) کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ان کے دعوائے اطاعت کوشی کی یہ کیفیت ہے کہ جب کہیں سے امن یا خوف کی اُڑتی ہوئی سی بات سن پاتے ہیں تو اسے لے دوڑتے ہیں اور خوب پھیلاتے ہیں۔ حالانکہ نظام سے وابستگی اور اطاعت کا تقاضا ہے کہ ایسی باتوں کو رسول (یعنی مرکزی اتھارٹی) یا اپنے افسرانِ ماتحت تک پہنچایا جائے تاکہ وہ لوگ جو بات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیں۔'' (مفہوم القرآن، ج۱ص۲۰۵)

دیکھئے یہاں لفظ 'رسول' کو مسٹر پرویز نے مرکزی اتھارٹی سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ لفظ 'رسول' خواہ لفظ 'اللہ' سے مل کر آئے یا اُس سے جدا ہو کر، دونوں صورتوں میں مسٹر مذکور کے ہاں اس سے مرکزی اتھارٹی یا مرکزِ ملت مراد ہوتا ہے۔ اس کے ہاں ان سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت ہرگز نہیں ہوتی۔

بالکل ویسے ہی جیسے کہ غلام احمد پرویز کو اپنے دادا رحیم بخش کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جائے یا اس سے جدا کر کے، دونوں صورتوں میں اس سے مراد وہی شخص ہوگا جو اپنی پوری زندگی فرنگی اَفکار کو قرآن کے نام پر لوگوں کے سامنے پیش کر کے ان کی عقلوں سے کھیلتا رہا، اور رامتِ مسلمہ کے اَسلاف کو سازشی قرار دے کر خود اسلام کا علمبردار اور اس کا ٹھیکے دار بنتا رہا۔

مسٹر پرویز اگر اپنی کسی کتاب میں محمد رسول اللہ کا نام نامی ذکر بھی کرتے ہیں، تو اس کے ہاں اس سے مراد بھی وہ ذاتِ رسالتمآب نہیں ہوتی جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی بلکہ وہ حضرت محمد ﷺ کو بھی ایک ریفارمر (مصلح) کی حیثیت سے لیتے ہیں، اور آپ ﷺ پر من جانب اللہ وحی کے نزول کے منکر ہیں، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

''دوسری طرف ہمارا مذہب پرست طبقہ ہے۔ وہ بھی حقیقت کو بالعموم جس انداز سے پیش کرتا ہے، اس سے نہ صرف یہ کہ حقیقت کماحقہٗ سامنے نہیں آتی بلکہ ان کے بیان سے جو تصویر ذہن میں مرتسم ہوتی ہے، اس سے رسول کا صحیح مقام نگاہوں کے سامنے نہیں آتا، یہ کہتے ہیں کہ آپ مامور من اللہ تھے جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا، آپ اس کی تعمیل کرتے تھے۔''

(معراجِ انسانیت از پرویز: ص ۱۷۴)

حالانکہ پرویز کے ہاں صحت کے اعتبار سے شرفِ قبولیت حاصل کرنے والی کتاب المفردات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پانے والی شخصیت کو ہی نبی کہا گیا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں:

"النبوة سفارة بين الله وبين ذوي العقول من عباده لإزاحة علتهم في أمر معادهم ومعاشهم" (المفردات: ص ۴۸۲)

''نبی اللہ تعالیٰ اور اس کے اہل عقل بندوں کے درمیان پیغامبر ہوتا جو ان کی دنیا اور آخرت کے معاملات میں واقع ہونے والے فساد کا اِزالہ کرنے کے لئے بھیجا جاتا تھا۔''

اور قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں آپ ﷺ پر وحی کے نزول کی صراحت موجود ہے۔ اس لئے مسٹر پرویز مسلمانوں کے اجماع کے خلاف 'رسول' کے لفظ سے مرکزی اتھارٹی یا مرکزِ ملت مراد لے کر اور آپ ﷺ کے مامور من اللہ ہونے کا انکار کرکے دائرۂ اسلام سے خارج ہوچکے ہیں۔

3 آخرت پر ایمان

اسلامی عقائد میں، 'یومِ آخرت' پر ایمان لانے کو جو اہمیت حاصل ہے، اس سے ہر صاحبِ ایمان شخص بخوبی واقف ہے، اور وہ علی وجہِ البصیرت اس بات کو جانتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد موت ہے اور موت کے بعد قیامت کے دن ہر شخص کو زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا اور ہر مرد وزَن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوکر اچھے یا برے اعمال کا حساب دے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کی کتابوں کے ذریعہ اور انبیاءِ کرام کو مبعوث کرکے اچھے یا برے اَعمال سے لوگوں کو آگاہ کردیا، لہٰذا آخرت کے دن نیک اَعمال سرانجام دینے والے لوگ مقامِ جنت میں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے اور وہ اپنے اچھے عملوں کی جزا دیئے جائیں گے، اور شریعتِ الٰہیہ سے ہٹ کر زندگی گزارنے والے لوگ جہنم رسید کئے جائیں گے اور اپنے بُرے اعمال کی سزا پائیں گے۔ اور قرآن کریم واشگاف الفاظ میں اس بات کی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ جنت اور جہنم دو مقام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نیک اور بدلوگوں کی جزا اور سزا کے لئے تیار کر رکھے ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَأْوٰى وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ

رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى﴾ (النازعات:۳۷ تا ۴۱)

''جس شخص نے سرکشی اور شرارت کی زندگی گذاری اور دنیا کی زندگی کو ہی ترجیح دی تو جہنم اس کا مقام ہوگا، لیکن جو شخص اپنے ربّ کے سامنے حساب دینے سے ڈر کر زندگی بسر کرتا رہا اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے روکتا رہا تو اس کا مقام جنت ہوگا۔''

پرویز کے نزدیک 'جہنم' سے مراد

آپ آئیں دیکھیں، پرویز مسلمانوں کے ہاں مسلمہ عقیدۂ آخرت کی کیسے تحریف کرتا ہے اور جنت وجہنم کے دو مقام ہونے سے انکار کرتا ہے، بلکہ وہ جنت وجہنم کو اپنے قلم کے زور سے دنیا میں ہی کھینچ لانے کے درپے ہے، اور لکھتا ہے:

''جہنم انسان کی قلبی کیفیت کا نام ہے، لیکن قرآنِ کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ غیر محسوس، مجرد حقائق کو محسوس مثالوں سے سمجھاتا ہے۔'' (جہانِ فردا: ص ۲۳۵)

مسٹر پرویز جہنم کو حقیقت سے خالی، غیر محسوس قلبی کیفیت کا نام دیتا ہے، اور اس کے مخصوص مقام کا نام ہونے سے انکار کرتا ہے، اور اس کا یہ نظریہ فرمانِ الٰہی کے خلاف ہے جس میں فاسق و فاجر لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی صراحت پائی جاتی ہے، اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمَ، ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ (المطففین:۱۵ تا ۱۷)

''وہ (مجرم لوگ) اس (قیامت کے) دن اپنے ربّ تعالیٰ (کے دیدار) سے روک دیئے جائیں گے، اس کے بعد وہ جہنم میں داخل ہوں گے پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی جہنم ہے جسے تم (دنیا میں) جھٹلایا کرتے تھے۔''

مسٹر پرویز کو سوچنا چاہئے تھا کہ اگر جہنم غیر محسوس قلبی کیفیت کا نام ہے، جیسا کہ ان کا زعم باطل ہے تو اس میں داخل ہونے کا کیا معنی ہے؟ اور کسی شخص کو قلبی کیفیت میں داخل ہونے کا حکم کیسے دیا جاسکتا ہے؟ قرآنِ کریم میں مجرمین کے جہنم میں داخل ہونے کا فرمان موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جہنم قلبی کیفیت نہیں ہے، بلکہ ایک مقام کا نام ہے، جس میں مجرم لوگ داخل کئے جائیں گے اور داخلہ کسی محسوس مقام میں ہی ہوتا ہے قلبی کیفیت میں نہیں، اور ﴿ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ میں جہنم کے متعلق ﴿هٰذَا﴾ اسم اشارہ کا استعمال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جہنم محسوس چیز کا نام ہے کیونکہ کسی محسوس چیز کی طرف اشارہ کرکے ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہی جہنم ہے جسے تم دنیا میں ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ بنابریں پرویز کا اسے قلبی کیفیت بتانا اور اسے غیر محسوس، حقیقت سے خالی حالت قرار دینا ایسا فکر ہے جو سراسر قرآنی نصوص کے خلاف ہے

پرویز کے نزدیک 'جنت' سے مراد

مسٹر پرویز جہنم کی طرف جنت کے بارہ میں بھی اپنا ایسا ہی باطل نظریہ اپنے حواریوں پر ٹھونستے ہوئے لکھتے ہیں:

''جہنم کی طرح اُخروی جنت بھی کسی مقام کا نام نہیں، کیفیت کا نام ہے۔'' (جہانِ فردا: ص۲۷۰)

ادھر قرآنِ کریم جنت کے متعلق لفظ ہی 'مقام' کا استعمال کرتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾ (الدخان:۵۱،۵۲)

''پرہیزگار لوگ اَمن کے مقام جنت اور اس کے چشموں میں ہوں گے۔''

بلکہ قرآنِ مجید تو جنت کے دروازوں کا ذکر بھی کرتا ہے، سورۂ زمر میں ہے:

﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰى اِذَا جَاءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ (سورۂ زمر:۷۳)

''جو لوگ اپنے ربّ سے ڈر کر زندگی گذارتے رہے، ان کو گروہ در گروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے، جب وہ اسکے پاس پہنچیں گے اور اسکے دروازے کھول دیئے جائیں، تو جنت کے فرشتے ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو، تم بہت اچھے رہے، اب اس جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہوجاؤ۔''

غور کیجئے، دروازے ایسی چیز کے ہوتے ہیں جو جوھر اور قائم بالذات ہو۔ مسٹر پرویز دل کی کیفیت کو جنت بناتے ہیں جو عرض ہے، جس کے لئے دروازوں کا ہونا ناممکن ہے۔ اور وہ چونکہ چور دروازے سے داخل ہوکر مفکر قرآن بنے ہیں، اس لئے ان کے نزدیک ممکن اور ناممکن میں کوئی فرق نہیں تھا، اور وہ محال چیز کو ممکن کہنے سے بھی دریغ نہیں کیا کرتے تھے، یہ بات ان کی تالیفات سے واضح ہے جیسا کہ ایک مقام پر وہ اپنے حجرے میں بیٹھے قلم کے زور سے جنت کو عالم بالا سے دنیا میں کھینچ لانے کی کوشش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''جنت کی آسائشیں اور زیبائشیں وہاں کی فراوانیاں اور خوشحالیاں اس دنیا کی زندگی میں حاصل ہوجاتی ہیں، مرنے کے بعد کی جنت کے سلسلہ میں ان کا بیان تمثیلی ہے۔'' (نظامِ ربوبیت: ص۸۲)

مسٹر پرویز کی دنیاوی جنت چونکہ خود ساختہ ہے اور خلافِ قرآن بھی، اس لئے قرآنِ کریم کی روشنی میں پرویزی جنت پنپ نہیں سکتی، کیونکہ قرآنی جنت تو وہ ہے جو موت کے بعد قیامت کے دن حاصل ہوگی اور اس جنت میں داخل ہونے کے بعد کبھی موت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اور نہ ہی جنتی کو اس سے کبھی نکالا جائے گا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ﴾ (الدخان:۵۶)

''یعنی پہلی (دنیا کی) موت کے بعد اس میں اہل جنت موت کا شکار نہیں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ

انہیں جہنم کے عذاب سے بچالے گا۔"

مسٹر پرویز نے اس جنت کو جو دنیاوی موت ﴿اَلْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی﴾ کے بعد تھی، موت سے پہلے ہی دنیا کی زندگی میں تراشنے کی سعی لاحاصل کی ہے جو قرآنِ کریم کی آیات کے خلاف ہے۔ ان کے دل میں اگر خوفِ خدا کی رمق باقی ہوتی تو وہ ایسا غلط نظریہ پیش کرنے کی جسارت ہرگز نہ کرتے اور غیر قرآنی چیز کو قرآنی بنانے کی کوشش نہ کرتے، اس پر مستزاد یہ کہ مسٹر مذکور نے مرنے کے بعد حاصل ہونے والی جنت کے متعلق قرآنی آیات کو تمثیل قرار دے کر......معاذ اللہ......اللہ تعالیٰ کو ڈرامہ باز بنانے کی حماقت کی ہے کیونکہ عربی لغت میں 'تمثیل' کا معنی ڈرامہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، لہٰذا ایسے شخص کو جو اللہ تعالیٰ کے فرامین کو حقائق پر محمول کرنے کی بجائے انہیں تمثیلی قرار دے، دین اسلام کے بارے میں ہرگز مخلص تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

جنت وجہنم کا خالق کون؟

پرویز چونکہ اپنی خیالی دنیا میں جنت اور جہنم کو اس دنیا میں لے آئے تھے، اس لئے لازم تھا کہ وہ اس جنت اور جہنم کو تیار کرنے والا بھی خود انسان کو بناتے، لہٰذا وہ اس بات کا اعلان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے، جسے خدا نے وہاں اپنے طور پر الگ تیار کررکھا ہے، اس کا مفہوم وہی ہے جسے اوپر بیان کیا گیا ہے، یعنی ہر شخص اپنی جنت یا جہنم زندگی کے ہر سانس میں ساتھ کے ساتھ تیار کرتا رہتا ہے۔" (لغات القرآن: ج۳،ص ۱۱۲۹)

مسٹر مذکور کا یہ نظریہ بھی قرآنی نصوص سے متصادم ہے، قرآن کریم کی وضاحت کے مطابق جنت وجہنم کو تیار کرنے والا کوئی انسان نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ﴾
> "یعنی ان (کامیاب ہونے والوں) کے لئے جنت کے مقامات اللہ تعالیٰ نے خود تیار کئے ہیں، جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ ان کی بڑی کامیابی ہوگی۔" (التوبۃ:۸۹)

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا﴾ (التوبہ:۱۰۰)

> "ان مہاجرین وانصار سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا، اور وہ اس پر راضی ہوئے اور اس (اللہ) نے ان کے لئے جنت کے مقامات تیار کئے ہیں، جن میں نہریں بہتی ہیں، اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔"

اور جہنم کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

> ﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا﴾ (الفتح:٦)

''اور اللہ تعالیٰ ان (منافقوں اور مشرکوں) پر غصہ ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی، اور ان کے لئے جہنم تیار کی ہے، اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔''

ان قرآنی آیات میں اس بات کی صراحت پائی جاتی ہے کہ جنت وجہنم کو تیار کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اس کے برعکس مسٹر پرویز کے مذکورہ اقتباس کو دیکھئے کہ وہ کیسے سینہ زوری سے قرآن کریم کی صریح آیات کی مخالفت کرتے ہیں اور جنت اور جہنم کا خالق اور ان کا تیار کرنے والا انسان کو بنانے کی کوشش میں ہیں۔

جہنم کے حق دار کون؟

مسٹر پرویز اپنی ساری زندگی مسلمانوں کو ہی گمراہ بناتے رہے، اور اہل اسلام کے اسلاف کو سازشی قرار دیتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے جہنم کے حقدار بھی مسلمانوں کو ہی بنا ڈالا جس کا اظہار کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''قرآن کریم نے جو کہا تھا کہ جہنم میں اکثریت ان لوگوں کی ہوگی جو اپنے جرائم کا بوجھ بھی اپنی پیٹھ پر لادے ہوں گے، اور ان لوگوں کے جرائم کا بوجھ بھی جو ان کی وجہ سے غلط راہوں پر چل نکلے تو مجھے تو اس کے مخاطب ہم مسلمان ہی دکھائی دیتے ہیں۔'' (نظام ربوبیت، ص ۲۶۷)

مسٹر پرویز ہمیشہ اسی تگ و دو میں رہتے تھے کہ آیاتِ قرآنیہ کی وعید کو مسلمانوں پر ہی منطبق کر دیں، اور مسلمانوں کو لوگوں کے سامنے مجرم بنا کر پیش کریں، جیسا کہ اس مقام پر آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ دنیاوی زندگی میں کمزور ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو ہی جہنمی بنانے کے درپے ہیں، جس کا سبب یہ ہے کہ ان کے نزدیک دنیا کی آسائشیں اور دنیاوی خوشحالیاں ہی بنیادی چیزیں ہیں جنہیں وہ جنتی زندگی سمجھتے ہیں، لہٰذا جو شخص ان آرائشوں اور زیبائشوں سے محروم ہے، وہ اس کے نزدیک جنت کی نعمتوں سے بھی محروم ہے، اور جہنم کا حقدار بھی ہے۔ لیکن ان کا یہ نظریہ اس وقت خاک میں مل جاتا ہے جب ہم قرآنِ کریم میں سابقہ قوموں کے واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں، انہیں دنیا کی خوشحالیاں حاصل ہونے کے باوجود ان کے جرائم کی وجہ سے عذاب نازل کرکے نیست و نابود اور دنیا سے بے دخل کر دیا گیا، حالانکہ وہ دنیا کی پرویزی جنت میں مزے لے رہے تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی خواہ کتنی ہی خوشحال ہو اسے جنت قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لئے مسٹر پرویز کا یہ کہنا کہ

''آج ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ کسی طرح اس دنیا کی جہنم جنت سے بدل جائے۔''
(لغات القرآن: ج ۱/ص ۴۴۹)

یہ ان کی بے فائدہ کوشش ہے کیونکہ پرویزی جنت سے موت آنے پر بہرحال بے دخل ہونا پڑے

گا، جبکہ وہ جنت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کے لئے آخرت میں تیار کی ہے، اس میں نہ موت ہے اور نہ ہی اس میں جانے والے کو کبھی اس سے بے دخل ہی کیا جائے گا بلکہ وہ ﴿خَالِدِيْنَ فِيْهَا﴾ کے تحت اس میں ہمیشہ رہے گا۔

جنت اور دوزخ، دنیا میں یا آخرت میں؟

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جنت اور دوزخ کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے، اور قرآن وسنت نیز اجماعِ امت سے یہ بات بھی مسلم ہے کہ آخرت کی زندگی قیامت قائم ہونے کے بعد شروع ہوگی اور اس وقت اس دنیا کا سارا سلسلہ درہم برہم کردیا جائے گا، اس کے برعکس پرویز کی جہنم اور جنت اس دنیا کی زندگی سے ہی تعلق رکھتی ہے، بلکہ پرویزیوں کی قیامت اور آخرت بھی اس دنیا سے ہی شروع ہوجاتی ہے، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:

یوم القیامۃ سے مراد ہوگا وہ انقلابی دور جو قرآن کی رو سے سامنے آیا تھا۔''

(جہانِ فردا: ص۱۳۳)

حالانکہ قرآن کی رو سے جو انقلابی دور رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سامنے آیا تھا، اس میں آپس کے دشمن باہمی محبت ومودّت کے رشتے میں منسلک ہوگئے تھے، اور جو پشت در پشت خون کے پیاسے تھے وہ اس انقلاب کے بعد ایک دوسرے کے غمخوار اور غمگسار بن گئے تھے، اور ان میں مثالی مؤاخاۃ اور بھائی چارہ قائم ہوگیا تھا، لہٰذا ایسے دور کو 'یوم القیامۃ' کیسے کہا جاسکتا ہے؟

حالانکہ قیامت کے دن تمام رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے اور ہر ایک کو اپنی جان کی ہی فکر ہوگی، کوئی شخص کسی دوسرے کا پرسانِ حال نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قرآن کریم نے قیامت کا منظر پیش کیا ہے:

﴿اِذْ تَبَرَّأَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابَ﴾

''اس (قیامت کے) دن پیشوا لوگ اپنے پیرووں سے بیزار ہوجائیں گے اور وہ عذابِ الٰہی دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہوجائیں گے۔'' (البقرۃ:۱۶۶)

یومِ قیامت کب؟: بنابریں قرآن کی رو سے سامنے آنے والے انقلابی دور کو یوم القیامۃ نہیں کہا جاسکتا جو خوشحالیوں کا مجموعہ تھا جبکہ قیامت تو بڑی آفتوں پر مشتمل ہوگی۔ بعض قرآنی آیات میں اسی روزِ قیامت کے لئے الساعۃ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، اور پرویز اپنی عادت کے مطابق اس لفظ کی بھی تحریف معنوی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الساعۃ'' سے مراد حق و باطل کی وہ آخری جنگ ہوتی ہے جس میں باطل کی قوتیں شکست کھا کر برباد ہوجاتی ہیں۔'' (لغات القرآن، ج۲،ص۹۱۸)

لیکن پرویز کی اس اختراع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحبِ قرآن ﷺ سے جب الساعة کے بارہ میں پوچھا جاتا تھا تو آپ اس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا کرتے تھے، جیسا کہ سورۂ احزاب میں ہے:

﴿يَسأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللّٰهِ﴾ (الاحزاب:۶۳)

''یعنی لوگ آپ سے الساعة (قیامت) کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دو اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔''

جب قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، تو مسٹر پرویز کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ حق و باطل کے درمیان ہونے والی جنگوں میں سے آخری جنگ ہے جس میں باطل کی قوتیں شکست کھا جائیں گی۔ اس پر مستزاد یہ کہ اہل حق اور اہل باطل تو ہر دور میں موجود رہتے ہیں، اور حق و باطل کی جنگیں بھی ہر زمانہ میں ہوتی رہتی ہیں اور یہ سلسلہ آئندہ بھی چلتا جائے گا، تو مسٹر مذکور نے اسے آخری جنگ کیسے بنا دیا؟ جبکہ یہ جنگی سلسلہ کبھی منقطع ہونے والا نہیں ہے۔

نیز قرآن کریم کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ الساعة (قیامت) کو بپا کرنا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، کسی انسان یا انسانوں کے کسی گروہ کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ قیامت کو قائم کر دے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسـَٔلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّى لَا يُجَلِّيهَا لِوَقتِهَا اِلَّا هُوَ......﴾ (الاعراف:۱۸۷)

''لوگ آپ سے قیامت کے بارہ میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی؟ کہہ دو کہ اس کا علم تو میرے ربّ کو ہے، وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔''

اس کے برعکس مسٹر پرویز نے قیامت کو اہل حق و باطل کے درمیان آخری جنگ قرار دے کر اس کے ظاہر کرنے کا اختیار بجائے اللہ تعالیٰ کے، لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا ہے، ایسے شخص کو مفکرِ قرآن کہنے کی بجائے محرفِ قرآن کہنا چاہئے جس نے اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب کو بازیچہ اطفال بنا رکھا تھا۔

پرویز کی نظر میں آخرت کیا ہے؟

چنانچہ اس محرفِ قرآن نے ساعت اور قیامت کی طرح 'آخرت' کے مفہوم کو بھی مسخ کرنے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ وہ اپنے متبنّٰی سلیم کو آخرت کا مفہوم سمجھاتے ہوئے لکھتا ہے:

''جو فائدہ پوری نوعِ انسانی کے اندر گردش کرتا ہوا افراد تک پہنچتا ہے، اسے مآلِ کار، آخرالامر یا مستقبل کا فائدہ کہا گیا ہے جس کے لئے قرآن میں آخرت (مستقبل) کی اصطلاح آئی ہے۔''

(سلیم کے نام: ج۱ص۲۱۳)

سلیم کو چاہئے تھا کہ وہ پرویز سے پوچھتا کہ یہ آخرت جو آپ نے پیش کی ہے، ان لوگوں کی ہے جو

نوعِ انسانی کو فائدہ پہنچاتے ہیں، لیکن جو لوگ نوعِ انسانی کو راہِ راست سے گمراہ کرکے انہیں نقصان پہنچاتے ہیں ان کی آخرت کون سی ہے؟ کیا ایسے لوگ آخرت سے دوچار نہیں ہوں گے جو کسی بھی طرح لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں؟ چاہیئے تو تھا کہ آخرت کی تعریف ایسی کی جاتی جو نفع اور نقصان پہنچانے والے دونوں قسم کے لوگوں پر صادق آتی اور اہل شر کے انجام کو بھی شامل ہوتی، لیکن مسٹر پرویز نے 'آخرت' کی ناقص بلکہ بھونڈی تعریف پیش کرکے اپنے جہل مرکب میں گرفتار ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

پرویز کے ذہن پر چونکہ دنیاوی مفاد اور دنیاوی خوشحالیاں سوار تھیں اور وہ دنیا کے عیاش لوگوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو للتاڑا کرتے اور ان پر جہنمی ہونے کے فتوے داغا کرتے تھے، اسلئے انہوں نے 'آخرت' کی پہچان کرواتے ہوئے بھی اسکے مفہوم میں دنیا کے ساز وسامان کو داخل کردیا ہے جیسے کہ وہ کہتا ہے:

"سامانِ آخرت سے مقصود ہے وہ متاع جسے (انسان) آنے والی نسلوں کیلئے جمع کرتا ہے۔"

(اسبابِ زوالِ امت: ص۲٦)

اگر قرآن کریم آخرت کی اصطلاح کو...... بقولِ پرویز...... اس متاع وسامان کے لئے استعمال کرتا ہے جسے اس دنیا میں آنے والی نسلوں کے لئے جمع کیا جائے اور وہ پوری نوعِ انسانی میں گردش کرتا ہوا تمام افراد تک پہنچے تو اس نظریہ کی مخالفت کا تصور صاحبِ قرآن ﷺ سے نہیں کیا جاسکتا اور آپ اپنی امت بلکہ اپنے اہل بیت کے لئے مستقبل کے فائدہ (یعنی آخرت) کو چھوڑ کر ان پر مفادِ عاجلہ (یعنی دنیا کا سامان) پیش نہیں کرسکتے تھے، حالانکہ قرآنِ کریم میں یہ صراحت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات نے بنوقریظہ اور بنونضیر کی فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں کے خوشحال ہوجانے کے بعد آپ ﷺ سے نان ونفقہ بڑھانے کا مطالبہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ چونکہ تمام معاملات میں سادگی پسند تھے، اس لئے آپ کو ان کے اس مالی مطالبے پر سخت رنج ہوا اور آپ نے اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کرلی جو ایک مہینے تک جاری رہی۔ تب اللہ نے درپیش مسئلہ کے بارہ میں فیصلہ دیتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ: اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا، وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (الاحزاب: ۲۸،۲۹)

"یعنی اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دو: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب وزینت کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں (دنیا کا) مال دے کر اچھی طرح سے رخصت کردوں، اور اگر تم اللہ اور اس کے پیغمبر اور آخرت کے گھر کی طلبگار ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکوکار عورتوں کے لئے اجرعظیم تیار کررکھا ہے۔"

غور فرمایئے! اگر آخرت سے مراد وہ سامان ہو جو آنے والی نسلوں کے لئے جمع کیا جائے اور جو

ساری نوعِ انسانی میں گردش کرتا ہوا تمام افراد تک پہنچے تو کیا اللہ کے رسول ﷺ جو قرآنی فکر کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، ایسی آخرت کو نظر انداز کرکے اپنی اُمت کے لئے بلکہ اپنی ازواجِ مطہرات کے لئے مفادِ عاجلہ (الحیاۃ الدنیا) کو اختیار کرسکتے تھے؟ اور کیا صاحبِ قرآن ﷺ سے اس بات کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے اہل بیت کے لئے قرآنی آخرت چھوڑ کر اس کے برعکس دنیا کا سامان دینے کے لئے تیار ہوجائیں؟

مسٹر پرویز نے قرآنی اصطلاحات کے مفاہیم کو مسخ کرنے کے لئے ایسی تحریفات کی ہیں، جن کی زد سے خیر القرون کے اہل اسلام بلکہ خود رسول کریم ﷺ بھی نہ بچ سکے، ورنہ آپ ﷺ کے بارے میں یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی ازواج کو مستقبل کا فائدہ (آخرت) چھوڑ کر دنیا کا سامان دینے کے لئے آمادہ ہوجائیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ 'آخرت' کا وہ مفہوم نہیں ہے جو مسٹر پرویز نے گھڑا ہے بلکہ اس سے اُخروی زندگی مراد ہے، جسے ہر دور کے مسلمان بالاتفاق تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں، اور جسے امام راغبؒ نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے:

"ویعبر بالدار الاخرة عن النشأة الثانية كما يعبر بالدار الدنيا عن النشأة الاولىٰ" (المفردات:ص۱۳)

''آخرت کے گھر سے مراد دوسری بار لوگوں کی تخلیق ہے، جیسا کہ ان کی پہلی بار تخلیق کو دارِ دنیا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔''

پرویز اپنے قلم کی سائیڈ مارتے ہوئے میدانِ محشر میں اہل دنیا کے اجتماع سے بھی بائی پاس نکل جانا چاہتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''یہ تصور صحیح نہیں کہ جتنے لوگ مرتے ہیں وہ مرنے کے بعد قبروں میں روک لئے جاتے ہیں، اور پھر ان سب کو ایک دن اکٹھا اٹھایا جائے گا، اسے حشر یا قیامت کا دن کہا جاتا ہے۔'' (جہانِ فردا:ص۱۸۰)

اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے انسان کی ملاقات کو جھٹلاتے ہوئے لکھتا ہے:

''وہ (خدا) ہماری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے، اس لئے اس سے جدا ہوکر دنیا میں آنے اور مرنے کے بعد اس سے پھر جاکر ملنے کا تصور قرآنی نہیں۔'' (جہانِ فردا:ص۳۴)

مسٹر مذکور یہاں بھی قرآنِ کریم کی صریح نص کی مخالفت کررہے ہیں، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو قرآن کے نام سے ہی غیر قرآنی بتلاتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کی صفات ذکر کرتے ہوئے ان کی حسب ذیل خوبی بیان فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلاَقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ (البقرۃ:۴۶)

''وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں یہ یقین ہے کہ وہ اپنے ربّ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

اور مرنے کے بعد قیامت کے دن لوگوں کے اکٹھا کئے جانے کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ (الجاثیہ:۲۶)

''یعنی کہہ دو کہ اللہ ہی تمہیں زندگی بخشتا ہے پھر وہی تمہیں مارتا ہے پھر قیامت کے دن تمہیں اکٹھا کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن بہت سے لوگ اس سے بے علم ہیں۔''

اور قیامت کے دن میدانِ محشر میں جمع کئے جانے سے متعلق فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوۡمَ نُسَيِّرُ الۡجِبَالَ وَتَرَى الۡاَرۡضَ بَارِزَةً وَّحَشَرۡنٰهُمۡ فَلَمۡ نُغَادِرۡ مِنۡهُمۡ اَحَدًا﴾ (الکہف:۴۷)

''اس دن ہم پہاڑوں کو (اپنی جگہ سے) چلا دیں گے اور آپ زمین کو صاف میدان دیکھو گے، اور سب لوگوں کو ہم اکٹھا کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی پیچھے نہیں چھوڑیں گے۔''

اس مقام پر ذکر ہونے والی آیات کو آخر تک پڑھا جائے تو ایک سچے مسلمان کو یقین ہوتا چلا جاتا ہے کہ قیامت کا دن برحق ہے اور مرنے کے بعد لوگ میدانِ محشر میں اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے، اور اپنی زندگی کے اعمال کا حساب دیں گے اور مجرمانہ زندگی گذارنے والے لوگ اپنے نامہ اعمال کو دیکھ کر خوف زدہ ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ فَتَرَى الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا فِيۡهِ وَيَقُوۡلُوۡنَ يٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰٮهَا‌ ۚ وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا‌ ؕ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ (الکہف:۴۹)

''عملوں کا دفتر کھول کر سامنے رکھ دیا جائے گا، آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوگا، اسے دیکھ کر خوف زدہ ہو رہے ہوں گے، اور کہیں گے: ہائے شامت! یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے اور نہ ہی بڑی بات کو، ہمارے ہر عمل کو ہی اس کتاب نے لکھ رکھا ہے، اور انہوں نے جو عمل کئے ہوں گے، اپنے سامنے پائیں گے، اور آپکا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔''

اور مسٹر پرویز کے ہاں مسلمہ لغات 'المفردات' میں ہے:

وسمی یوم القیامة یوم الحشر کما سمی یوم البعث ویوم النشر (ص۱۲۰)

''قیامت کے دن کو ہی حشر کا دن کہا جاتا ہے، جیسا کہ اسے بعث ونشور کے دن سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔''

اور قیامت کے دن حساب و کتاب کے برحق ہونے کے متعلق امام راغبؒ فرماتے ہیں:

الساعة الكبرىٰ وهي بعث الناس للمحاسبة (المفردات: ص ۲۴۸)

''یعنی قیامتِ کبریٰ سے مراد لوگوں کا حساب و کتاب کے لئے اٹھایا جانا ہے۔''

مسٹر پرویز کی گمراہی اور ضلالت کی وجہ دراصل مستشرقین کے آراء و افکار ہیں جنہیں وہ اَبدی حقیقت مان کر قرآنِ کریم کی نصوص کی تحریف کیا کرتے تھے، اور قرآنی آیات کو مستشرقین کے افکار کے مطابق ڈھالنے میں مصروف رہا کرتے تھے، ان کے حشر و نشر اور اُخروی جنت و جہنم نیز یوم الحساب سے انکار کا سبب بھی درحقیقت مستشرقین کے افکار ہیں جیسا کہ وہ یوم الحساب کی تاویل 'وہائٹ ہائڈ' سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یوم الحساب تو ہر آن ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے۔'' (انسان نے کیا سوچا؟: ص ۴۱۳)

پرویز اگر اسلام کے ساتھ مخلص ہوتے تو قرآنی آیات کو بنیاد بنا کر ان کے خلاف آنے والے اہل استشراق کے آراء و افکار کو ردّ کرنے کی جرأت کرتے، اس کے برعکس انہوں نے خلاف قرآن ان افکار و اقوال کو اصل بنا لیا اور قرآنی آیات کی معنوی تحریف کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے، اور گمراہ لوگوں کو اپنا پیشوا بنا کر غلامانہ ذہنیت کا ثبوت دیا ہے۔

4 فرشتوں پر ایمان

فرشتوں پر ایمان لانا بھی مسلمانوں کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ اور قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اس بات کی صراحت موجود ہے کہ فرشتے اپنا خارجی وجود اور ذاتی تشخص رکھتے ہیں۔ وہ غیبی مخلوق ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، کی روایت کے مطابق فرشتے نور سے تخلیق کئے گئے ہیں، لہٰذا ان پر ایمان لانا ایمان بالغیب کا ایک جز ہے۔ سب فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں، اور ان میں سے کسی میں بھی خدائی صفات نہیں پائی جاتیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طاعت اور فرمانبرداری کے لئے پیدا فرمایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں، اور کسی بات میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے، بلکہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان رہتے ہیں۔

وہ آسمان سے نیچے بھی اُترتے ہیں، اور زمین سے اوپر آسمان کو بھی چڑھتے ہیں، جبرئیلؑ اور میکائیلؑ انہی میں سے ہیں۔ پھر کچھ فرشتے دو دو، تین تین، چار چار پروں والے بھی ہیں، فرشتوں نے بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں کی نصرت بھی کی تھی۔ یہ سب چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ فرشتوں کا خارجی وجود ہے، لیکن چونکہ وہ محسوسات اور مشاہدات کی زَد سے باہر ہیں، اس لئے بعض لوگ ان کے خارجی وجود کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں جیسا کہ فرشتوں کے خارجی وجود سے

انکار کرتے ہوئے پرویز لکھتے ہیں:

''ملائکہ ہماری اپنی داخلی قوتیں ہیں یعنی ہمارے اعمال کے وہ اثرات جو ہماری ذات پر مرتب ہوتے رہتے ہیں۔'' (ابلیس وآدم از پرویز: ص۱۶۲)

پرویز کے نزدیک 'فرشتے' کیا ہیں؟

مسٹر پرویز کے بقول ملائکہ (فرشتے) انسانوں سے الگ مخلوق نہیں ہیں، بلکہ انسان کی اندرونی قوتوں اور نفسیاتی توانائیوں کو ہی ملائکہ کہا گیا ہے، اس کے برعکس قرآنِ کریم میں انسانوں سے بالکل الگ تھلگ مخلوق کو 'ملائکہ' سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (الاحزاب:۵۶)

''یعنی اے جماعتِ مؤمنین! دیکھو خدا اور اس کے فرشتے سب نبی پر درود وسلام بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی پیغمبر پر درود وسلام بھیجا کرو۔''

بنابریں اگر ملائکہ (فرشتوں) سے مراد ہماری داخلی قوتیں ہوتیں جیسا کہ مسٹر پرویز کا دعویٰ ہے تو آیتِ مذکورہ میں ملائکہ (فرشتوں) کو مسلمانوں کے ساتھ خطاب سے الگ ذکر کرنے اور ان کے درود کو مسلمانوں کے درود سے جدا بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اہل اسلام کے درود بھیجنے کے حکم میں ان کی داخلی قوتیں...... جنہیں پرویز صاحب ملائکہ اور فرشتے سمجھتے ہیں ...... بھی شامل تھیں، اس کے برعکس ملائکہ کو اہل ایمان سے الگ ذکر کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ملائکہ (فرشتے) انسان کی داخلی قوتوں کا نام نہیں بلکہ انسانوں سے الگ نورانی مخلوق ہے جس کا وجود انسانی وجود سے بالکل جداگانہ ہے۔

مسٹر پرویز کا ذہن چونکہ مادّی تھا، اس لئے وہ کسی ایسی ذات کو ماننے کے لئے ذہنی طور پر آمادہ نہیں تھے جو غیر مرئی ہو اور ان کی یہ جسارت یہاں تک جا پہنچی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی ایک مرئی اور محسوس پیرائے میں پیش کرنے کی تگ ودو کرتے رہے جیسا کہ ایک مقام پر وہ کہتے ہیں:

''اللہ سے مراد وہ معاشرہ جو قانونِ خداوندی کو نافذ کرنے کیلئے متشکل ہو'' (نظام ربوبیت: ص۱۵۸)

غور فرمائیں؛ جس شخص کی ذہنی آوارگی سے اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات محفوظ نہیں رہ سکی، لفظ 'ملائکہ' اس کی ذہنی اُپج سے کیسے بچ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ ملائکہ کی بھی ایسی ہی مادّی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ملائکہ یعنی کائنات کی قوتیں جن سے رِزق پیدا ہوتا ہے، انسان کے تابع فرمان ہیں۔''

('ابلیس وآدم' از پرویز: ص۵۲)

اس طرح نبی کریم کو بھی فرشتہ ہونا چاہئے!

لیکن اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعی ملائکہ سے مراد رزق پیدا کرنے والی قوتیں ہیں اور

'ابلیس و آدمؑ کے سابقہ اقتباس کے مطابق یہ انسان کی داخلی قوتیں ہیں اور بقول پرویز یہ ملائکہ کا قرآنی مفہوم بھی ہے تو صاحب ِقرآن ﷺ کو اس قرآنی مفہوم کے ساتھ بدرجہ اَتم متصف ہونا چاہئے تھا، کم ازکم آپ کو تو اپنے مَلك (فرشتہ) از ملائکہ ہونے کی نفی نہیں کرنا چاہئے تھی کیونکہ آپ ﷺ عملی میدان میں قرآنی مفاہیم و مطالب کی چلتی پھرتی تصویر تھے اور جب رِزق پیدا کرنے والی قوتیں (ملائکہ) آپ میں مکمل طور پر موجود تھیں تو آپ ﷺ خواہ مخواہ 'ملک' از ملائکہ قرار پاتے ہیں۔ مگر اس کے برعکس قرآنِ کریم میں یہ وضاحت موجود ہے کہ رسول کریم ﷺ بابانگِ دہل اپنے ملک از ملائکہ ہونے کی نفی کرتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ، اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَایُوْحیٰ اِلَیَّ ...... ﴾ (الانعام:۵۰)

''اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں، اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ میں 'ملک' ہوں، میری حیثیت تو فقط یہ ہے کہ اس بات پر چلتا ہوں جو خدا کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔''

پھر ملائکہ کی دوسری تعبیر

مسٹر پرویز اندھیرے میں تیر چلانے اور نادانوں کی طرح ٹامک ٹوئیاں مارنے کے بہت عادی تھے اسی وجہ سے ان کی تصنیفات، تضادات کا پلندہ ہیں۔ ان کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے کو ان میں ایک خواب کی مختلف تعبیروں سے واسطہ پڑتا ہے، ہوسکتا ہے ایسے موقع پر پرویز صاحب کا کوئی عقیدت منداور ان کا تقلید پسند تفنن کے نام سے اسے بخوشی قبول کرنے پر آمادہ ہوجائے، لیکن ایک حقیقت پسند شخص اس کے تضادات کو دیکھ کر حیران ہوجاتا ہے کہ وہ ان کی کس بات کا اعتبار کرے اور ان کی کس رائے کو حتمی قرار دے۔ یہی کام انہوں نے ملائکہ کی تعبیر سے متعلق دکھایا ہے۔ پہلے تو وہ انہیں انسان کی داخلی قوتیں بناتے رہے جن سے رزق پیدا ہوتا ہے، لیکن اب وہ اسکے برخلاف انہیں خارجی قوتیں بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فرشتے 'ملائکہ' وہ کائناتی قوتیں ہیں جو مشیت ِخداوندی کے پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے زمانے کے تقاضوں کی شکل میں سامنے آتی ہیں۔'' ('اقبال اور قرآن' از پرویز: ص۱۶۵)

لیکن متعدد قرآنی آیات سے نظریۂ پرویز کی تردید ہوتی ہے اور ان سے ملائکہ کو کائناتی قوتیں بنانے کا عقیدہ باطل قرار پاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْحَمْدُ للهِ فَاطِرِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِکَةِ رُسُلاً أُولِی أَجْنِحَةٍ مَّثْنیٰ وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یَزِیدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَاءُ إِنَّ اللهَ عَلَیٰ کُلِّ شَیْئٍ قَدِیرٌ﴾ (سورۃ الفاطر:۱)

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزا وار ہیں جو آسمانوں و زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور

فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جن کے دو دو اور کسی کے تین تین اور کسی کے چار چار پرَ ہیں اور وہ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس آیت میں آنے والے لفظ اَجنحة کے متعلق مسٹر پرویز لکھتے ہیں:

''سورۃ فاطر میں 'ملائکہ' کے متعلق کہا ہے أولی اجنحة (۱/۳۵)...... اس کے لفظی معنی ہیں بازوؤں (پروں) والے۔'' (لغات القرآن: ج۱/ص۴۴۳)

اگرچہ اس کے بعد مسٹر پرویز نے اس لفظ کا مجازی معنی گھڑ کر ڈنڈی مارنے کی کوشش کی ہے لیکن ہمیں اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اہل اصول کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ حقیقی معنی کے ہوتے ہوئے مجاز کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سورۂ زخرف میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَجَعَلُوا الْمَلٰئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا﴾ (زخرف:۱۹)

''یعنی انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اس کی بیٹیاں بنا ڈالا۔''

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ (السجدۃ:۱۱)

''یعنی اے نبی! بتا دیں کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، تمہیں فوت کرتا ہے، اس کے بعد تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاتے ہو۔''

پرویز نے اس آیت میں 'ملک' کا معنی کائناتی قوتوں سے کیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ 'ملک' کا لفظ واحد ہے جو قرآنِ کریم میں ہے، اور کائناتی قوتیں 'جمع' ہے جو پرویز صاحب نے اس کا مفہوم بتایا ہے۔ تو کیا مسٹر پرویز یہ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ سے ملائکہ کی بجائے لفظ 'ملک' لانے میں ذہول ہو گیا ہے یا مسٹر پرویز ہی 'مفہوم القرآن' کے نام سے لوگوں کو گمراہ کرنے کے درپے ہیں۔

من مانے مفہوم کی دلیل لانے کی ایک ناکام کوشش

جس شخص کا عقیدہ اور عمل قرآن وسنت کے ٹھوس دلائل پر مبنی ہوتا ہے، وہ اسے علیٰ وجہ البصیرت اختیار کرتا ہے اور بادِ مخالف اس کے اس نظریہ میں کسی قسم کا تزلزل پیدا نہیں کر سکتی، لیکن جس شخص کے نظریات خود ساختہ ہوں جنہیں اہل علم وعقل آسانی سے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تو اسے اپنے اعتقادات ونظریات کو لوگوں میں مقبول بنانے کے لئے خارجی سہاروں کی ضرورت پیش آتی ہے، جیسا کہ مسٹر پرویز نے ملائکہ کے بارہ میں اپنے خود ساختہ نظریہ کو لوگوں سے منوانے کے لئے مفتی محمد عبدہٗ کا سہارا لیا ہے اور کہا:

''مفتی محمد عبدہٗ نے اپنی تفاسیر 'المنار' میں لکھا ہے کہ یہ امر ثابت ہے کہ کائنات کی ہر شئی کے اندر ایک قوت ایسی ہے، جس پر اس چیز کا دارومدار ہے اور جس کے ساتھ اس شے کا قوام و نظام قائم

ہے۔ جو لوگ وحی پر ایمان نہیں رکھتے وہ ان قوتوں کو طبعی قوتیں کہتے ہیں اور شریعت کی زبان میں انہیں ملائکہ کہا جاتا ہے، لیکن انہیں ملائکہ کہئے یا کائناتی قوتیں، حقیقت ایک ہی ہے۔''

(لغات القرآن: ج۱ ص۲۴۲)

تفسیر 'المنار' میں 'ملائکہ' کے بارہ میں مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں، اور مذکورہ بالا قول اس تفسیر کے ص ۲٦٨ سے نقل کیا گیا ہے، اور مفتی محمد عبدہٗ صاحب نے یہ قول صرف مادّہ پرست لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے پیش کیا ہے، جیسا کہ ان کے شاگرد رشید محمد رشید رضا ...... جو اس تفسیر کے مرتب ہیں...... ان سے اس قول کو ذکر کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أراد بهذا أن يحتج على المادّيين و يقنعهم بصحة ما جاء به الوحى من طريق علمهم المسلم عندهم كما صرح به فيما مرفى صفحة٢٦٨" (تفسیر المنار: ج۱ ص۲۷۴)

''صفحہ ۲٦٨ پر نقل ہونے والے اقتباس سے مفتی صاحب کا مقصد صرف یہ ہے کہ مادّہ پرست لوگوں پر حجت قائم کردی جائے اور انہیں اس بارہ میں مطمئن کیا جائے کہ (فرشتوں کے بارہ میں) جو کچھ وحی الٰہی میں ثابت شدہ امر ہے، وہ اس کے ہاں مسلمہ علمی طریقے کے بھی مطابق ہے۔''

اس نظریہ کو ذکر کرنے سے مفتی صاحب کا مقصد اس کی تائید کرنا نہیں ہے، بلکہ اسے وحی الٰہی کے قریب کرنا مقصود ہے بایں طور کہ مادّہ پرست حضرات اگرچہ ملائکہ کے وجود سے انکار کرتے ہیں لیکن دوسری طرف وہ ان کا نام 'کائناتی قوتیں' رکھ کر اسے ماننے پر بھی مجبور ہیں، جیسا کہ سید رشید رضا اپنے استاد کے اس اقتباس پر اپنے ریمارکس دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"هذا ما كتبه شيخنا فى توضيح كلامهٖ فيما يفهمه علماء الكائنات من لفظ القوىٰ إلى ما يفهمه علماء الشرع من لفظ الملائكة" (تفسیر المنار: ج۱ ص۲۷۳)

''ہمارے استاذ نے یہ کلام اس لئے درج کیا ہے، تاکہ علماءِ سائنس کے ہاں فرشتوں کے لئے جو لفظ (قوتوں کا) استعمال کیا جاتا ہے، اسے لفظ 'ملائکہ' کے قریب کردیا جائے جو علماءِ شریعت کے ہاں متعارف ہے۔''

ملائکہ کی بابت مفتی محمد عبدہٗ صاحب اپنا سلفی عقیدہ اس سے چند صفحات قبل آیت نمبر ۳۰ کے تحت ذکر کر آئے ہیں جسے نقل نہ کرنے میں پرویز صاحب نے اپنی عافیت سمجھی ہے، مفتی صاحب فرماتے ہیں:

"أما الملئكة فيقول السلف فيهم أنهم خلق أخبرنا الله تعالىٰ بوجودهم وببعض عملهم فيجب علينا الايمان بهم ولايتوقف ذلك على معرفة حقيقتهم فنفوض علمها إلى الله تعالىٰ فإذ ورد أن لهم اجنحة نؤمن بذلك ولكننا نقول أنها ليست أجنحة من الريش ونحوه كأجنحة الطير" (تفسیر المنار: ج۱ ص۲۵۴)

''فرشتوں کے بارہ میں سلف صالحین کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ بھی (اللہ تعالیٰ کی) مخلوق ہیں۔ اللہ

تعالیٰ نے ہمیں ان کے موجود ہونے اور بعض ایسے کاموں کے بارہ میں بتا دیا ہے جنہیں وہ سرانجام دیتے ہیں، لہٰذا ہم پر فرض ہے کہ ان پر ایمان لائیں اور یہ ضروری نہیں کہ ان کی اصل حقیقت معلوم کرکے ہی ان پر ایمان لایا جائے ، بنابریں فرشتوں کے متعلق (قرآن میں) أجنحة (پروں) کا ذکر آیا ہے تو ہم اسے مانتے ہیں، لیکن یہ نہیں کہتے کہ فرشتوں کے پر پرندوں کے پروں کے مشابہ ہیں۔''

غور فرمائیں؛ مفتی محمد عبدہٗ رحمہ اللہ نے فرشتوں کا جو تعارف پیش کیا ہے، بالکل وہی ہے جسے اہل اسلام ہمیشہ سے تسلیم کرتے آرہے ہیں، اور یہاں انہوں نے ملائکہ کو کائناتی قوتیں قرار دینے کے خود ساختہ نظریہ کو ذکر تک نہیں کیا، جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ مفتی صاحب اپنی تفسیر میں ملائکہ سے متعلق دیگر نظریات کو ذکر کرنے کے باوجود ان کے حامی نہیں ہیں۔ فرشتوں کے بارہ میں ان کا عقیدہ بھی وہی ہے، جو دیگر مسلمانوں کے ہاں مسلم ہے، اور جس سے خروج اختیار کرکے مسٹر پرویز اسلام کی نظریاتی سرحدوں سے ہی خارج ہوگئے ہیں۔

5 ایمان بالقرآن

پرویزی لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر پرویز قرآنِ کریم کو ایک محفوظ کتاب تسلیم کرتے ہیں جو وحی پر مشتمل ہے۔ اس حقیقت سے وہ انکار نہیں کرسکے اور اس کے اصول کو بھی وہ ابدی مانتے ہیں۔ لیکن مسٹر پرویز چونکہ مطلبی آدمی تھے، لہٰذا انہوں نے قرآنِ کریم کو اگر وحی الٰہی تسلیم کیا ہے تو اس سے اپنا مطلب نکالنے کے لئے ہی تسلیم کیا ہے اور مستشرقین کے افکار کو قرآن کے نام سے مسلمانوں میں پھیلانے کے لئے اسے 'وحی' مانا ہے اور اس پر ان کا پورا لٹریچر خاص طور پر ان کی 'مفہوم القرآن' جیسی کتابیں شاہد ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسٹر پرویز کی پوری زندگی کی تگ و دو کا محور صرف یہ تھا کہ وہ یورپین مفکرین اور مستشرقین کے نظریات سے کشید کردہ افکار کو قرآن کے نام سے اسلامی معاشرے میں پھیلانے کے لئے سرگرم رہے اور چند حدود کے اندر کھلی آزادی کو قرآنی نظام باور کراتے رہے، وہ خود اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن کریم نے صرف اُصولی احکام دیئے ہیں اور یہ چیز انسانوں☆ پر چھوڑ دی ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ان اُصولوں کی روشنی میں جزئی قوانین ایک نظام کے تابع خود مرتب کریں۔'' (لغات القرآن: ج۲/ص۴۷۹)

جبکہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کا ایمان اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم جیسی مقدس

☆ مسٹر پرویز کا یہاں 'مسلمانوں' کی بجائے 'انسانوں' کا لفظ لانا بھی ایک سوالیہ نشان ہے۔

کتاب نازل کرنے کے لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو منتخب فرمایا ہے اور اس کی تبیین وتوضیح کا فریضہ آپ کو تفویض کیا ہے، اور اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپ ﷺ قرآنی آیات سے مرادِ الٰہی کو بخوبی جانتے تھے، اور آپ ﷺ کے بیان کردہ مفاہیم قرآن اور مطالبِ فرقان بلاریب منشاے الٰہی کے عین مطابق تھے اور آپ کا کوئی قول وفعل تقاضاے الٰہی کے خلاف نہ تھا، کیونکہ آپ کی ذات پر وحی خداوندی کا پہرہ ہر وقت موجود رہتا تھا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ﴾ (الحاقہ:۴۴ تا ۴۷)

''اگر یہ رسول ﷺ اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر اسے ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اسے دائیں ہاتھ کی محکم گرفت سے پکڑ لیتے پھر ہم اس کی رگِ گردن کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی ہمیں اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔''

اس قسم کی متعدد قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال وافعال اور آپ کی ہمہ تقریرات مرادِ الٰہی کے عین مطابق تھیں جن پر وحی خداوندی کی نگرانی ہر وقت موجود رہتی تھی، اور یہ امتیاز صرف صاحبِ قرآن ﷺ کو ہی حاصل تھا۔ انسانوں میں سے کوئی شخص بھی آپ کے ساتھ اس وصف میں شامل نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ قرآنِ کریم کی تعبیر وتشریح سے متعلق اقوال وافعال ......عام انسانوں کی طرح...... آپ کی ذاتی آرا تھیں جن کا وحی الٰہی سے کوئی تعلق نہ تھا تو اس طرح آپ کے فرمودات کا، آپ کسی اُمتی کے قول وفعل سے کوئی فرق باقی نہیں رہتا، بلکہ بایں طور تو آپ کے زمانہ قبل از نبوت کے اقوال وافعال نیز نبوی دور کے فرامین میں بھی کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا، جبکہ اس قسم کا تصور رکھنا مقامِ نبوت سے انکار کے مترادف ہے۔

پرویز قرآنی آیات کی تعبیر وتشریح کا حق مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کو دینے پر کمربستہ ہیں اور وہ اصولِ قرآن کو سمجھانے کے لئے کسی مامور من اللہ (نبی یا رسول) کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے، جیسا کہ ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں:

''قرآن کے اصول مکمل غیر متبدل اور ابدی ہیں، اس لئے اب کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ باقی رہا یہ تصور کہ ان اصولوں کو سمجھانے کے لئے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے جو خدا کی طرف سے ان اُصولوں کو سمجھنے کا علم حاصل کرے اور انہیں پھر دوسرے انسانوں کو سمجھائے تو یہ تصور یکسر غیر قرآنی ہے۔ قرآن کریم نے کہیں یہ نہیں کہا کہ میری تعلیم کو سمجھانے کے لئے بھی کسی مامور من اللہ یا مُلھم ربّانی کی ضرورت ہے۔'' (قرآنی فیصلے: ج۳ رص ۲۶۰)

''قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ تو کہا ہے کہ اس کتاب کا بیان اور اس کے اُصولوں کی توضیح کی

ذمہ داری بھی ہماری ہے۔''   (القیامہ:۱۹)

اور نزولِ قرآن کے لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کا انتخاب بھی اسی لئے کیا گیا تاکہ آپ اپنی عملی زندگی کے ذریعہ سے اُمت کے لئے قرآنِ کریم پر چلنے کا ایک راستہ متعین فرما دیں اور قرآنی مفاہیم و مطالب کو کھول کر لوگوں کے سامنے رکھ دیں، گویا آپ ﷺ کی ذاتِ مقدس روئے زمین پر چلتا پھرتا قرآن تھا جس کا ہر قول و عمل قرآن کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، اور یہ بات بھی بلاشبہ مسلم ہے کہ مامور من اللہ ہی کو نبی ﷺ کہتے ہیں، جسے اس کتاب کی تفسیر وتشریح کے لئے منتخب کیا گا تھا جو اس پر نازل ہونے والی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (النحل:۴۴)

''اور ہم نے آپ پر یہ نصیحت نامہ (کتاب) اس لئے اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کی طرف نازل شدہ کتاب کو ان کے لئے کھول کر بیان کردیں اور تاکہ وہ سب اس پر غوروفکر کریں۔''

منزل من اللہ کتاب کی تبیین وتوضیح نبی ﷺ کا ہی وظیفہ ہے کیونکہ اسے براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دی جاتی تھی اور بذریعہ وحی اسے علومِ الٰہیہ سے آراستہ کیا جاتا تھا جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ (النساء:۱۱۳)

''اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب وحکمت نازل فرمائی ہے، اور اس نے آپ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ سے علم وحی کا حاصل کرنا اور اس کی مراد ومرضی کے کاموں سے براہِ راست باخبر ہونا صرف نبی اور رسول کی ہی خصوصیت ہے جو مامور من اللہ ہے۔ اور ایسے نبوی منہج سے ہٹ کر جو شخص بھی مفکرِ قرآن بننے کی کوشش کرے گا تو بدیہی بات ہے کہ وہ قرآن کے نام سے ایسے آراء وافکار پیش کرے گا جن کا مرادِ الٰہی ہونا حتمی نہیں کیونکہ اس کے افکار پر وحی الٰہی کی نگرانی نہیں جس کے ذریعے سے ان کے صحیح اور درست ہونے کا فیصلہ کیا جاسکے اس کے برعکس نبی ﷺ اور رسول کے تمام اقوال وافعال مرادِ الٰہی ہیں۔ لہٰذا وہ دین میں حجت ہیں بلکہ عین دین ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسٹر پرویز اور ان کے فرقے کے ہاں سند اور حجت اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم بھی نہیں ہے، اگرچہ پروپیگنڈے کی حد تک وہ یہی کہتے ہیں کہ قرآن محفوظ کتاب ہے اور اسے خالی الذہن ہوکر سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن دوسری طرف مسٹر پرویز کی تالیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عملی میدان میں اپنے اس دعوے پر قائم نہیں رہے، اور انہوں نے خود ہی بہت سی غیر قرآنی چیزوں کو ذہن میں رکھ کر قرآنِ کریم کو ان غیر اسلامی اشیا کا محتاج بنائے رکھا، جیسا کہ وہ قرآنِ مجید کے ایک مقام کو اناجیل محرفہ سے حل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن کریم تک آنے سے پیشتر ہمیں ایک بار پھر اناجیل پر غور کر لینا چاہئے، اناجیل جیسی کچھ بھی آج ہیں، بہرحال انہی کے بیانات کو سامنے رکھا جائے گا۔اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے؟''
(شعلہ مستور: ص ۹۸)

اگر ان لوگوں کے ہاں قرآن فہمی کے لئے ان اناجیل کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، جو صرف منسوخ ہی نہیں بلکہ تحریف شدہ بھی ہیں تو مسلمانوں کے ہاں صاحب ِقرآن ﷺ کی ہدایات اور تعلیمات کی روشنی میں قرآن مجید کو سمجھنے سے چین بجبیں ہونا غیر معقول ہے۔

دوسرے مقام پر وہ قرآنی الفاظ کو جاہلی کلام کا محتاج بناتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بہرحال شعراءِ جاہلیہ کے کلام کا بیشتر حصہ اپنے اصل الفاظ میں عربی ادب کی کتابوں میں مدوّن اور محفوظ ہوگیا......اس لئے ان اشعار کی مدد سے ان الفاظ کا وہ مفہوم بھی متعین کیا جاسکتا ہے جو ان سے زمانۂ نزولِ قرآن میں لیا جاتا تھا۔'' (لغات القرآن: ج۱ ص۱۲)

اگر زمانۂ جاہلیت کا کلام عربی ادب کی کتابوں میں آج تک محفوظ رہ سکتا ہے اور وہ جاہلیت جسے قرآن مٹانے کے لئے نازل ہوا ہے، اس کے کلام سے قرآن کے مفاہیم متعین کئے جاسکتے ہیں تو تعلیماتِ نبویہ اور احادیثِ رسول ﷺ آج تک محفوظ کیوں نہیں رہ سکتیں اور ان سے قرآنی مطالب متعین کرنے پر اعتراض کیوں ہے۔ اگر اب بھی کسی کو اصرار ہے کہ پرویز خالی الذہن ہوکر ہی قرآن میں غوروفکر کرتے رہے ہیں تو ہمیں بتایا جائے یہ کیا ہوتا رہا ہے کہ

''حقیقت یہ ہے کہ جس قوم پر صدیوں سے سوچنا حرام ہو چکا ہو اور تقلیدِ کُہن زندگی کی محمود روش قرار پاچکی ہو، ان میں فکری صلاحیتیں بہت کم باقی رہ جاتی ہیں، لہٰذا ہمیں اس مقصد کے لئے بھی مغرب کے محققین کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا۔'' (سلیم کے نام: ج۳ ص۱۵۱)

بتایئے: کیا یہ حسبنا کتاب الله پر عمل ہوتا رہا ہے؟

کیا حدیثِ نبوی کی بجائے اناجیل محرفہ اور مغرب کے محققین کے افکار قرآن فہمی کے لئے ناگزیر ہیں؟ فرض کیا ہمارے ہاں مغربی طرز کی بعض تحقیقات نہیں ہوئیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ چابک دستی سے مغربی افکار کو قرآنی آیات میں ٹانکنا شروع کردیا جائے۔اگر پرویز اور ان کے حواریوں کے ہاں کافرانہ افکار کے بغیر چارہ نہیں تو وہ بڑی خوشی سے انہیں اختیار کریں، لیکن دھوکہ اور فریب سے انہیں مسلمانوں پر مسلط کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

یہ ہیں وہ چند عقائد و نظریات جنہیں اختیار کرنے کی وجہ سے مسٹر پرویز پر ایک ہزار علما نے ان کی زندگی میں ہی ان پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا، اور ایسے باطل نظریات کے پیش نظر سعودی عرب کے مفتی اعظم اور امامِ کعبہ نے انہیں اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ ⊙⊙

کتاب وحکمت

پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی☆

اختلافِ تعبیرِ قرآن اور منکرینِ حدیث

''اجی، چھوڑیئے، احادیث کو۔ ان میں اختلافات ہیں، لہٰذا وہ اسلامی آئین کے لئے بنیاد اور مسائل حیات کے لئے دلیل وسند کیوں کر ہوسکتی ہیں۔''

یہ ہیں وہ الفاظ، جو اکثر و بیشتر منکرین حدیث کی زبان پر جاری وساری رہتے ہیں، لیکن جب اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ ایسا اختلافِ تعبیر قرآن میں بھی ممکن ہے......تو یہ جواب، ان کے لئے، سانپ کے منہ میں چھچھوندر والا معاملہ پیدا کردیتا ہے، جسے نہ ہی اُگلے بنے اور نہ ہی نگلے بنے۔ اُگلا جائے تب بھی مصیبت، اور نگلا جائے تب بھی کوفت۔ اسلم جیراجپوری صاحب نے تو بہرحال، جس طرح بھی بن پڑا، اسے اُگل کر یہ اعتراف کرلیا کہ واقعی قرآن میں اختلاف ہے، چنانچہ انہوں نے آیاتِ قرآنیہ میں ازالہ اختلاف اور رفع تضاد کے پیش نظر، اپنی کتاب 'نوادرات' میں 'وہم تعارض' کے زیرعنوان تقریباً بیس آیات میں تطبیق وتوافق کی کوشش کی ہے۔ لیکن پرویز صاحب آخر تک تردّد اور تذبذب کے گردوغبار میں کھڑے ہوکر متضاد اور متناقض باتیں کرتے رہے ہیں، کبھی قرآن میں عدمِ اختلاف کا اعلان کیا اور کبھی 'بظاہر تعارض' کا اعتراف کرتے ہی بنی، نہ صرف اعتراف بلکہ 'رفع تعارض' کے لئے عملاً تطبیق کی کوشش بھی کی۔ ایک وقت تھا جب وہ کہا کرتے تھے کہ

''قرآن کی تعلیم بڑی واضح، بین اور تضاد وتعارض سے پاک ہے۔'' (مئی ۵۲ء،ص۴۲)*

''قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ یعنی اگر قرآن خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے۔ بالفاظِ دیگر، قرآن نے اپنے من جانب اللہ ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں، پھر اس نے یہ بھی کہا کہ میری تعلیم صاف اور واضح ہے اس میں کوئی پیچیدگی نہیں، ابہام نہیں، التباس نہیں، رَیب نہیں، تشکیک نہیں۔'' (اپریل ۵۹ء، ص ۸)

بلکہ پرویز صاحب تو یہاں تک کہا کرتے تھے کہ قرآن کی کسی آیت سے متعدد تعبیروں کے نکلنے کا خیال ہی، قرآن کریم کی تعلیم سے ناواقفیت کی دلیل ہے:

* یہ اور اسطرح کے دیگر حوالہ جات ماہنامہ طلوعِ اسلام کے ہیں۔ مئی ۵۲ء، طلوع اسلام کا شمارہ ہے جس کا صفحہ نمبر ۴۲ ہے۔

☆ گورنمنٹ کالج سمن آباد، فیصل آباد

''یہ سمجھنا کہ زندگی کے عملی مسائل سے متعلق جو کچھ قرآن میں آیا ہے، اسکی متعدد تعبیریں کی جاسکتی ہیں، قرآن کی تعلیم سے ناواقفیت کی دلیل ہے یا اس پر پردہ پوشی کی کوشش ہے۔'' (اپریل ۵۹ء: ص ۹)

پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ پرویز صاحب کو ماننا پڑا کہ قرآن میں اختلاف ہے:

''قرآنِ کریم کی تعلیم کا ایک حصہ وہ ہے جس میں اس نے انسانی زندگی کے لئے راہنمائی دی ہے (اور یہی حصہ اس کے بنیادی مقصد سے متعلق ہے)، انہیں اُصولِ حیات یا مستقل اقدار کہا جاتا ہے۔ یہ اصول و اقدار بالکل واضح اور متعین ہیں اور ان کے سمجھنے میں کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوسکتا، اُمورِ مملکت کا تعلق اسی گوشہ سے ہے...... قرآنی تعلیم کا دوسرا گوشہ وہ ہے جس کا تعلق، حقائق کائنات اور مابعد الطّبعیاتی (Meta-Physics) مسائل سے ہے۔ ان حقائق کے سمجھنے کا مدار انفرادی فکر اور بہ ہیئتِ مجموعی انسانی علم کی سطح پر ہے۔ جوں جوں انسانی علم کی سطح بلند ہوتی جائے گی، یہ حقائق بے نقاب ہوتے جائیں گے اور کوئی شخص جس قدر زیادہ غور وفکر سے کام لے گا، وہ انہیں اسی قدر زیادہ عمدگی سے سمجھ سکے گا۔'' (مارچ ۸۵ء: ص ۶)

''قرآنِ کریم میں جو مابعد الطّبیعاتی مسائل آئے ہیں، ان کے سمجھنے میں تو انسانی فکر میں اختلاف ہوسکتا ہے لیکن جن اُمور کا تعلق انسانی راہنمائی سے ہے (یہی قرآن کا بنیادی مقصد ہے)، ان میں وہ بالکل واضح اور متعین تعلیم پیش کرتا ہے، جس کی مختلف تعبیریں ہو نہیں سکتیں۔ بشرطیکہ قرآن کو خود اس کے اپنے تجویز فرمودہ طریق سے سمجھا جائے۔'' (اگست ۷۳ء: ص ۳۵)

جواب طلب دو سوالات

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں: اوّلاً یہ کہ قرآن کریم کی آیات میں، مابعد الطّبیعاتی مسائل سے متعلقہ آیات اور احکام وقوانین سے متعلقہ آیات میں جو تفریق کی گئی ہے اور پھر اس تفریق کی بنیاد پر ایک حصہ میں اختلاف کا موجود ہونا اور دوسرے میں معدوم ہونا جو تسلیم کیا گیا ہے، آخر اس کی قرآنی دلیل کیا ہے؟...... اگر ناسخ ومنسوخ کی بحث میں، آپ کی طرف سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیتِ ناسخہ کے ناسخہ ہونے کی اور آیتِ منسوخہ کے منسوخہ ہونے کی 'قرآنی دلیل' کیا ہے تو یہاں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآنی متن میں دو حصے کرنا، اور پھر ایک حصے کا حکم، دوسرے سے الگ کرنے کی قرآنی دلیل کیا ہے؟ یا یہ تقسیم بھی ویسی ہی من گھڑت ہے، جیسی یہ تقسیم کہ 'قرآن کی بعض آیات 'عبوری دور' سے متعلق ہیں اور بعض انتہائی اور تکمیلی دور سے...... حالانکہ قرآن میں یہ تقسیم بھی کہیں مذکور نہیں ہے۔

ثانیاً، یہ کہ مابعد الطّبیعاتی حصہ قرآن کی حد تک تو آپ نے قرآن میں وجودِ اختلاف کو تسلیم کرلیا، اس طرح آپ کا یہ نظریہ ﴿لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ والی آیت سے ٹکرا نہیں جاتا؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟

رہا 'منکرینِ قرآن' کا یہ فرمان کہ احکام وقوانین سے متعلقہ آیات میں اختلاف نہیں ہے۔ تو یہ بھی محض ایک دعویٰ بلا دلیل ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کی آیات میں تعبیر اختلاف کی گنجائش ہے۔ قرآن میں جس اختلاف کی نفی کی گئی ہے، وہ مطلق اختلاف نہیں ہے بلکہ ایسا اختلاف ہے جو ناقابل توجیہ ہے۔ قابل توجیہ اختلاف تو پرویز صاحب کے مزعومہ، دونوں حصوں میں موجود ہے۔ احکام وقوانین سے متعلقہ حصہ میں تعبیر کا اختلاف تو ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے اور یہ اختلاف نیک نیتی کے باوجود بھی ہوسکتا ہے اور بدنیتی کے نتیجہ میں بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ البتہ پرویز صاحب جب بھی مسلمانوں میں اختلاف کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اِن مختلف وجوہِ اختلاف کو فرقوں سے وابستہ افراد کی بدنیتی ہی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک اس اختلاف کی بہت سی وجوہ ہیں، جو درج ذیل اقتباسات سے واضح ہیں :

> ''آیاتِ قرآنی کی تعبیریں اس لئے مختلف ہوتی ہیں کہ ہر فرقہ، اس آیت کی تعبیر، اس روایت کی رُو سے کرتا ہے جسے وہ صحیح سمجھتا ہے اور چونکہ ہر فرقہ کی روایات مختلف ہیں، اس لئے ان کی رو سے قرآنی آیات کی تعبیر میں اختلاف ہوتا ہے۔'' (فروری ٦٢ء: ص١٣)

> ''تعبیرات کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ہر فرقہ اپنے معتقدات اور مسلک کو اوپر رکھتا ہے اور ان کے تابع قرآن کا مفہوم متعین کرتا ہے۔'' (اگست ٦٢ء: ص١٠)

> ''بات یہ ہے کہ مختلف فرقے، اپنے اپنے ہاں کے احکام کو محکم مانتے ہیں اور قرآن کو کھینچ تان کر ان کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کا نام رکھتے ہیں 'قرآن کی تعبیرات' ...... اگر قرآن کو محکم مان لیا جائے تو اس کے احکام کی مختلف تعبیریں ہو نہیں سکتیں۔'' (دسمبر ٦٢ء: ص١٩)

جہاں کسی اللہ کے بندے نے قرآن کی تعبیرات میں اختلاف کا ذکر کیا۔ منکرین حدیث کی طرف سے فوراً اس پر یہ فتویٰ رسید کردیا گیا کہ ''تم قرآن کا اتباع کرنا ہی نہیں چاہتے بلکہ اتباعِ قرآن سے گریز کے لئے، تعبیراتی اختلاف کو بطورِ بہانہ کے پیش کرتے ہو۔'' :

> ''عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن کی بھی مختلف تعبیریں ہوسکتی ہیں۔ اس لئے غلط اور صحیح کے پرکھنے میں، قرآنی معیار کے نتائج میں بھی فرق ہوسکتا ہے۔ اس قسم کے اعتراضات، درحقیقت قرآن کو سند وحجت تسلیم نہ کرنے کے لئے گریز کی راہیں ہیں۔'' (اگست ٧٣ء: ص٣٥)

اور اگر کسی کی حق گوئی، اس پر غالب آ گئی اور اس کی شامت نے اسے دھکا دے کر یہ کہنے پر مجبور کردیا کہ ...... ''حضور! قرآن، جس اختلاف کی نفی کرتا ہے، وہ ناقابل توجیہ اختلاف ہے، ورنہ قابل توجیہ اختلاف تو فی الواقع قرآن میں موجود ہے اور علماءِ امت کا غوروفکر ایسے اختلاف کو رفع کرتا رہا ہے۔'' ......

تو قائل کی بات کو اَن سنی کرتے ہوئے اور اسے ڈانٹ پلاتے ہوئے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ

> ''قرآن کریم اپنے منجانب اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ دیتا ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات

نہیں۔قرآن کے اس دعویٰ کے بعد یہ تسلیم کرنا کہ یہ مختلف فرقوں کو ایسے قوانین دیتا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف اور باہم دِگر متضاد ہیں، قرآن کے منجانب اللہ ہونے سے انکار کے مترادف ہے اور کھلا ہوا کفر۔'' (مارچ ۷۸ء:ص ۴۰)

ان بلند بانگ دعاویٰ کے بعد کہ وجہِ اختلاف، قرآن نہیں بلکہ مختلف فرقوں کے اپنے مسالک وعقائد اوران کی روایات/احادیث ہیں، رفعِ اختلاف کا انہوں نے یہ حل پیش کیا ہے :

''اگر خالص قرآن کو اتھارٹی تسلیم کرلیا جائے تو کوئی اختلاف پیدا ہی نہیں ہوسکتا'' (اگست ۸۴ء:ص ۱۴)

لیکن بارگاہِ قرآن میں آنے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے جس کے بغیر قرآن سے استہداء (ہدایت پانا) ممکن نہیں ہے :

''قرآن سے صحیح راہنمائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خالی الذہن ہوکر اس کی طرف آئے اور اس کے ہاں سے جو کچھ ملے، اسے من وعن قبول کرے، خواہ یہ اس کے ذاتی خیالات، رجحانات، معتقدات اور معمولات کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو۔'' (اگست ۶۱ء:ص ۴۷)

باقی مسلمانوں کو تو خیر چھوڑ یئے، کم از کم 'اہل قرآن' کے جملہ طبقوں سے تو یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ سب احزاب اہل قرآن کے تعبیری اختلافات سے خالی الذہن ہوکر بارگاہِ قرآن میں آئیں گے اور وہ نتیجتاً وحدتِ فکر وعمل میں یکتا ہوں گے لیکن ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شد!

ایک طرف، پرویز صاحب اوران کے متبعین اور دوسری طرف دیگر 'اہل قرآن' حضرات کو ہم دیکھتے ہیں تو ان میں بھی ہمیں ویسا ہی اختلاف وافتراق اور انتشار وشقاق نظر آتا ہے۔ چلو مان لیا کہ 'ملا' تو بیچارہ روایات میں اُلجھ کر 'رستہ کھو بیٹھا' مگر حیرت ہے کہ یہ مسٹر لوگ بھی قرآن، قرآن کے بلند بانگ دعووں کے باوجود باہم متحد اور متفق ہونے کی بجائے ایک دوسرے کی تضلیل وتفسیق میں ہی 'مصروفِ جہاد' ہیں۔ خود پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ فرقہ اہل قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ خالص قرآن سے احکام متعین کرتے ہیں لیکن ان میں بھی باہمی اختلاف ہے۔ ایسا کہنے والوں کو دراصل اس کا علم نہیں کہ فرقہ اہل قرآن نے کون سی باتیں، قرآن سے متعین کرنے کی کوشش کی اوران میں باہمی اختلاف ہوا؟ قرآن نے جن اُمور کو اصولی طور پر بیان کیا ہے، یہ فرقہ ان کی جزئیات کو بھی قرآن سے متعین کرنے لگ گیا۔ اب ظاہر ہے کہ جو باتیں قرآن میں ہوں ہی نہ، اگر کوئی انہیں بھی قرآن سے متعین کرنے بیٹھ جائے تو ان میں اختلاف نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا؟ جو لوگ یہ بھی قرآن سے متعین کرنا چاہیں کہ نماز میں ہاتھ کہاں باندھنے چاہئیں، ان میں اختلاف کے سوا اور کیا ہوگا؟ فرقہ اہل قرآن کی یہی بنیادی غلطی تھی جس کی وجہ سے وہ خود ناکام رہا اور اس کی وجہ سے قرآن بدنام ہوگیا۔'' (اپریل ۶۷ء:ص ۳۴)

آخر یہ لوگ، قرآن سے جزئیات کیوں متعین کرنا چاہتے تھے، ان کا دعویٰ اور دلیل کیا تھی، خود پرویز صاحب ہی لکھتے ہیں:

''دعویٰ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے تمام احکام کی جملہ تفصیلات و جزئیات خود قرآن میں موجود ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے سب سے پہلے نماز کی جزئیات کو لیا۔ میں کسی لمبی چوڑی بحث میں پڑے بغیر صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ ان کی اس سعیٔ نامشکور کا نتیجہ کیا نکلا۔ اس فرقہ کے بانی تھے مولانا عبداللہ چکڑالوی (مرحوم) اور ان کے متبعین کا ایک گروہ لاہور میں مقیم ہے۔ ان دونوں نے نماز کی جزئیات اپنے دعوے کے مطابق قرآن کریم سے متعین کی ہیں اور ان کی دریافت کردہ جزئیات کی کیفیت یہ ہے:

مولانا چکڑالوی	لاہوری فرقہ
۱۔ پانچ وقت کی نماز	۱۔ تین وقت کی نماز
۲۔ نماز میں دو تین چار رکعتیں	۲۔ نماز کی صرف دو رکعتیں
۳۔ ہر رکعت میں صرف دو سجدے	۳۔ ہر رکعت میں صرف ایک سجدہ

جہاں تک اذکارِ صلوۃ کا تعلق ہے، وہ بھی بالکل نرالے ہیں، اگرچہ وہ مشتمل ہیں قرآنی آیات ہی پر۔ اب اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جس قرآن کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں نماز کی جزئیات تک میں اس قدر اختلاف ہے تو اسے منزل من اللہ کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے تو سوچئے کہ اس کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے؟ اور اگر یہ دونوں گروہ (مقتدی اور مقتدیٰ) آپس میں جھگڑنے لگ جائیں اور ایک دوسرے پر الزام دھریں کہ اس نے قرآن کو صحیح نہیں سمجھا تو اس سے ایک اور اعتراض وارد ہوگا جو پہلے اعتراض سے زیادہ نہیں تو کم سنگین بھی نہیں ہوگا۔ معترض کہے گا کہ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ کتابِ مبین (روشن کتاب) ہے اور اپنی ہر بات کو نہایت وضاحت سے بیان کرتی ہے لیکن عملاً اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے حکم میں تعداد تک کو بھی غیر مبہم انداز میں بیان نہیں کرسکا، وہ جس انداز سے تعداد بتاتا ہے اس سے ایک شخص پانچ وقت سمجھتا ہے اور دوسرا تین وقت، کوئی دو تین چار رکعتیں سمجھتا ہے تو کوئی صرف دو رکعت، کوئی دو سجدے سمجھتا ہے تو کوئی ایک۔ بسیط حقائق (Abstract Realities) کے متعلق تو انسانوں کا فکری اختلاف، قابل فہم ہوتا ہے کیونکہ انہیں تشبیہی انداز میں بیان کیا جاتا ہے، لیکن جس کتاب کا متعین احکام وقوانین کے متعلق یہ انداز ہو، اسے خدا کی کتاب سمجھنا تو درکنار (معاذ اللہ) انسانی تصانیف میں بھی کوئی قابل قدر مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اس سے قرآن کریم پر کتنی بڑی زَد پڑتی ہے۔ انتہائی صدمہ اور دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کا نام لے کر قرآن کے ساتھ کس قدر دشمنی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے خصوصیت سے ان کے نظریہ اور مسلک کی تردید کرنی پڑی ہے۔''

(تفسیر مطالب الفرقان: جلد اوّل، ص ۱۳۵ تا ۱۳۶)

یہ حال ہے ان لوگوں کی اختلاف جزئیات کا، جو سنت سے ہاتھ دھو کر محض قرآن پر اکتفا کرنے کے دعویدار ہیں۔ جمعہ، جمعہ آٹھ دن، دورِ حاضر میں یہ سب گروہ کل کی پیداوار ہیں اور پرویزی فرقہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے جو قرآن کو نیزوں پر لٹکا کر منصۂ شہود پر آیا ہے۔ نماز اور دیگر اُمور کی جزئیات کے اختلاف میں اس فرقہ نے نہ تو کوئی کمی کی ہے اور نہ ہی ان میں توفیق و تطبیق کے لئے کوئی حل پیش کیا ہے۔ بلکہ اپنے وجود سے اہل قرآن کے گروہوں میں ایک کا اور اضافہ کردیا ہے۔ قرآن کی اساس پر طلوعِ اسلام کی لابی نے ازالہ اختلاف نہیں بلکہ امالہ اختلاف کیا ہے۔ یعنی ان جزئیات اور ان کے اختلاف کو کسی 'آنے والے' (مرکزِ ملت) پر چھوڑ دیا ہے۔

غور فرمایئے کہ یہ سب لوگ، ابھی حریم قرآن میں داخل نہیں ہوئے، وہ ابھی اس کی دہلیز پر ہی ہیں کہ اس سوال نے ان میں اختلاف وانتشار پیدا کردیا کہ...... ''قرآن نے صرف کلیات و اُصول ہی بیان کئے ہیں؟ یا اس میں کلیات و جزئیات اور اصول و فروع سب کچھ مذکور ہیں'' ...... حالانکہ تَفْصِيْلَ الْكِتَابِ اور تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْئٍ جیسے قرآنی الفاظ کی یہ سب خیر سے تلاوت کرنے والے ہیں۔

طلوعِ اسلام، اپنے سوا دیگر اہل قرآن گروہوں کی ضلالت کی وضاحت کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ

> ''جب آج سے کچھ عرصہ پہلے فرقہ اہل قرآن کی اسی طرح مخالفت ہوئی ہے تو ہم نے سمجھا تھا کہ مخالفت، ان کی اس غلط روش کی بنا پر ہے جو فی الواقع غلط تھی۔ وہ اپنے غلو اور تشدد میں، رسول اللہ ﷺ کی صحیح حیثیت ہی کو بھلا بیٹھے اور انہوں نے حضورؐ کا منصب صرف اس قدر سمجھا کہ آپ نے معاذ اللہ ایک چٹھی رساں کی طرح اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچا دیا یا آج کی اصطلاح میں یوں سمجھئے کہ ان کے نزدیک رسولؐ کی حیثیت معاذ اللہ ایک ریڈیو سیٹ (آلہ ابلاغ) کی سی ہے کہ محطۂ نشر الصوت (Broadcasting Station) میں جو کچھ نشر ہو، وہ آواز اس کے ذریعہ سننے والوں تک آ پہنچی، یہ غلطی تھی۔'' (جنوری ۴۲ء: ص ۱۱)

ٹھیک آج یہی گمراہی وابستگانِ طلوعِ اسلام نے بھی اختیار کر رکھی ہے، کیونکہ انکارِ حدیث کا یہ لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔ یہ لوگ بھی آج نبیؐ کو صرف اتنی حیثیت ہی دیتے ہیں کہ وہ ڈاکیا کی طرح محض قرآن پہنچا دینے کی حد تک ہی مامور من اللہ ہیں۔ اس کام کے بعد، پیغمبرؐ نے جو کچھ بھی کیا یا کہا ہے۔ وہ بطورِ نبیؐ اور رسولؐ کے نہیں بلکہ بطور ایک فرد بشر کے کیا ہے۔ پیغمبر آخر الزمان ﷺ نے وحی کی اساس پر جو معاشرہ تشکیل دیا تھا، اگرچہ اس میں آپؐ کے حسنِ تدبر اور سیرت و کردار کا مثالی نمونہ تھا مگر یہ سب کچھ کارنامہ رسول نہ تھا بلکہ محض فردِ بشر کی کارگزاری تھی۔ بزمِ طلوع اسلام کے ایک نمایاں فرد جناب ڈاکٹر عبدالودود صاحب (پٹھہ چوہدری غلام احمد پرویز) نے ٹھیک یہی بات 'سنت کی دستوری اہمیت' پر مولانا مودودیؒ سے قلمی مناظرہ کے دوران کہی تھی:

''آپ کا اگلا سوال یہ ہے کہ جو کام حضورؐ نے تیئس سال پیغمبرانہ زندگی میں سرانجام دیئے، ان میں آنحضرتؐ کی پوزیشن کیا تھی؟ میرا (یعنی ڈاکٹر عبدالودود کا) جواب یہ ہے کہ حضورؐ نے جو کچھ کرکے دکھایا، وہ ایک بشری حیثیت سے لیکن 'ما اَنزل اللہ' کے مطابق کرکے دکھایا۔''

(ترجمان القرآن، منصبِ رسالت نمبر: ستمبر ۱۹۶۱ء، ص ۵۵)

خود پرویز کی تحریروں میں منصبِ نبوت کا یہ تصور موجود ہے، صرف ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

''رسول کا فریضہ، وحی خداوندی کو دوسروں تک پہنچا دینا ہی نہیں ہوتا، وہ اس پر خود عمل کرتا ہے اور ایک ایسا معاشرہ متشکل کرتا ہے جس میں وحی کی یہ تعلیم ایک عملی نظام بن کر سامنے آتی ہے۔ اس کے لئے اسے سخت ترین مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بیسیوں لڑائیاں لڑنی پڑتی ہیں۔ پھر جب یہ نظام متشکل ہوجاتا ہے تو اُسے وہ تمام امور سرانجام دینے ہوتے ہیں جو ایک مملکت کے سربراہ کے فرائض کہلاتے ہیں۔ وہ یہ تمام اُمور ایک انسان کی حیثیت سے سرانجام دیتا ہے اور اس میں اپنے حسن تدبر اور سیرت و کردار کا ایسا مثالی نمونہ پیش کرتا ہے جسے شرفِ انسانی کی معراجِ کبریٰ کہا جائے۔'' (ستمبر ۷۸ء: ص ۲۶)

حقیقت یہ ہے کہ 'اہل قرآن' کے جملہ گروہ بشمول پرویزی فرقہ، اگر قرآن کے ساتھ حامل قرآنؐ اور مہبطِ وحی ﷺ کو بھی وہی حیثیت دیں جو خود قرآن نے انہیں دے رکھی ہے تو ان پر یہ امر واضح ہوجاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو شارع (Law Giver) کا مقام بھی دیا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ

﴿يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (۱۵۷/۷)

''وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور اُن پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے ہیں اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے ہیں۔''

منکرین حدیث اگر خود شارع بننے کی بجائے، نبی ہی کو شارع قرار دیتے اور اپنی تشریح کرنے کی بجائے نبی ہی کی تشریحات کو قبول کرتے تو وہ کبھی اس گمراہی میں نہ پڑتے، جس کا الزام طلوعِ اسلام نے دوسرے 'اہل قرآن' گروہوں پر عائد کیا ہے۔ حالانکہ وہ خود بھی آج اسی گمراہی میں مبتلا ہے۔

سورۃ النحل کی اس آیت کے حاشیہ میں صاحبِ تفہیم القرآن نے جو کچھ لکھا ہے، وہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے:

''یہ آیت جس طرح ان منکرین نبوت کی حجت کے لئے قاطع تھی جو خدا کا 'ذِکر' بشر کے ذریعہ آنے کو نہیں مانتے تھے، اسی طرح آج یہ ان منکرین حدیث کی حجت کے لئے بھی قاطع ہے جو نبی کی تشریح و توضیح کے بغیر صرف 'ذکر' کو لے لینا چاہتے ہیں۔ وہ خود اس بات کے قائل ہوں کہ نبی

نے تشریح وتوضیح کچھ بھی نہیں کی تھی، صرف ذکر پیش کیا تھا یا اس بات کے قائل ہوں کہ ماننے کے لائق صرف ذکر ہے، نہ کہ نبی کی تشریح یا اس کے قائل ہوں کہ اب ہمارے لئے صرف 'ذکر' ہی کافی ہے، نبی کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں یا اس بات کے قائل ہوں کہ اب صرف 'ذکر' ہی قابل اعتماد حالت میں باقی رہ گیا ہے، نبی کی تشریح یا تو باقی ہی نہیں رہی، یا باقی ہے بھی تو بھروسے کے قابل نہیں ہے۔ غرض ان چاروں باتوں میں سے، جس بات کے بھی وہ قائل ہوں، ان کا مسلک بہرحال قرآن کی اس آیت سے ٹکراتا ہے" ......

"وہ پہلی بات کے قائل ہوں تو اس کا معنی یہ ہے کہ نبی نے اس منشا ہی کو فوت کردیا جس کی خاطر 'ذکر' کو فرشتوں کے ہاتھ بھیجنے یا براہِ راست لوگوں تک پہنچا دینے کی بجائے، اسے واسطہ تبلیغ بنایا گیا۔" ......

"اور اگر وہ دوسری یا تیسری بات کے قائل ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میاں نے معاذ اللہ، یہ فضول حرکت کی ہے کہ اپنا 'ذکر' ایک نبی کے ذریعہ بھیجا کیونکہ نبی کی آمد کا حاصل بھی وہی ہے جو نبی کے بغیر صرف 'ذکر' کے مطبوعہ شکل میں نازل کرنے کا ہوسکتا تھا۔"

"اور اگر وہ چوتھی بات کے قائل ہیں تو دراصل یہ قرآن اور نبوت محمدی، دونوں کے نسخ کا اعلان ہے جس کے بعد، اگر کوئی مسلک معقول باقی رہ جاتا ہے تو وہ صرف ان لوگوں کا مسلک ہے جو ایک نئی نبوت اور نئی وحی کے قائل ہیں، اس لئے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید کے مقصد نزول کی تکمیل کے لئے نبی کی تشریح کو ناگزیر ٹھہرا رہا ہے اور نبی کی ضرورت ہی اس طرح ثابت کر رہا ہے کہ وہ 'ذکر' کے منشا کی توضیح کرے۔ اب اگر منکرین حدیث کا یہ قول صحیح ہے کہ نبی کی تشریح وتوضیح دنیا میں باقی نہیں رہی تو اس کے دو کھلے ہوئے نتیجے ہیں، پہلا نتیجہ یہ کہ نمونہ اتباع کی حیثیت سے نبوت محمدی ختم ہوگئی اور اب ہمارا تعلق محمد ﷺ کے ساتھ صرف اس طرح کا رہ گیا جیسا ہودؑ، صالح اور شعیب علیہم السلام کے ساتھ ہے کہ ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں، مگر ان کا کوئی اسوہ ہمارے پاس نہیں ہے جس کا ہم اتباع کریں، یہ چیز آپ سے آپ، نئی نبوت کی ضرورت ثابت کردیتی ہے۔ صرف ایک بیوقوف ہی اس کے بعد ختم نبوت پر اصرار کرسکتا ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ کہ اکیلا قرآن، نبی کی تشریح وتبیین کے بغیر خود اپنے بھیجنے والے کے قول کے مطابق ہدایت کے لئے ناکافی ہے۔ اس لئے قرآن کے ماننے والے، خواہ کتنے ہی زور سے چیخ چیخ کر اسے بجائے خود کافی قرار دیں، مدعی سست کی حمایت میں گواہان چست کی بات، ہرگز نہیں چل سکتی اور ایک نئی کتاب کے نزول کی ضرورت، آپ سے آپ، خود قرآن کی رو سے ثابت ہو جاتی ہے۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ، اس طرح یہ لوگ حقیقت میں انکارِ حدیث کے ذریعہ دین کی جڑ کھود رہے ہیں۔"

(تفہیم القرآن، جلد دوم، ص۵۴۳ تا ۵۴۵)

تنہا قرآن کا نعرہ بلند کرنے والے، آج پاکستان میں کچھ وہ لوگ ہیں جو حلقہ 'طلوعِ اسلام' میں ہیں

اور کچھ وہ ہیں جو ادارہ 'بلاغ القرآن' سے وابستہ ہیں۔ دونوں مخالفِ سنت اور ساتھ ساتھ ہی تمسک بالقرآن کے دعویدار ہیں اور دونوں اس امر کے مُعلن ہیں کہ تنہا قرآن کے ساتھ وابستگی ہی باہمی اختلافات کا ازالہ اور فرقوں کا خاتمہ کرسکتی ہے۔قرآن کے بغیر تعبیرات کا اختلاف ختم نہیں ہوسکتا۔سوال یہ ہے کہ کیا واقعی قرآن کی بنیاد پر 'طلوعِ اسلام' اور 'بلاغ القرآن' والے اکٹھے ہوچکے ہیں؟ اور کیا ان دونوں کے تعبیرات کے اختلافات دَم توڑ چکے ہیں؟ اوران سے وابستہ افراد اپنے باہمی فروق و امتیازات کو ختم کرکے باہم دِگر متحد و متفق ہوچکے ہیں۔

طلوعِ اسلام اور بلاغ القرآن کے تعبیری اختلافات

یہ بات پہلے بیان ہوچکی ہے کہ تنہا قرآن کی بارگاہ میں آنے کا قصد کرتے ہی سب سے پہلے اس اختلاف سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ ''آیا قرآن، اصول وفروعات اور کلیات و جزئیات پر مشتمل ہے یا صرف اُصول وکلیات پر؟''......طلوعِ اسلام کے مخالفین پہلی بات کے قائل ہیں جیسا کہ چکڑالوی اور لاہوری فرقوں سے متعلقہ اقتباس میں ہم دیکھ چکے ہیں اورخود وابستگانِ طلوعِ اسلام دوسری بات کے قائل ہیں۔اس اختلاف کی موجودگی میں ایک گروہ قرآن سے جزئیات وفروعات بھی اخذ کرے گا اور دوسرا گروہ کسی 'آنے والے' (مرکزِ ملت) کی راہ دیکھے گا اور یہ ایسا شدید اختلاف ہے جس کے باعث ایک طرف دونوں گروہ مرتے دم تک متحد نہیں ہوسکتے اور دوسری طرف؛ یہ اتنا سنگین اختلاف ہے کہ بقولِ پرویز

''اس سے قرآن بدنام ہوتا ہے اور ایسا کرنے والے ناکام و نامراد ٹھہرتے ہیں۔''

تاہم قرآن کے مشتمل بر کلیات و جزئیات ہونے یا نہ ہونے کے اَمر کو نظرانداز کرتے ہوئے جب بارگاہِ قرآن میں داخل ہوکر تشریح وتفسیر کا موقع آتا ہے تو یہاں قدم قدم پر اختلاف واقع ہوتا ہے، حالانکہ دونوں گروہ، نیک نیتی سے تمسک بالقرآن کے دعویدار ہیں۔

آیئے! ہم چند اُمور میں یہ دیکھیں کہ بلاغ القرآن اور طلوعِ اسلام نے جب قرآن کو حَکَم بنایا تو کیا ان میں تعبیرات کا اختلاف ختم ہوگیا، یا باقی و برقرار رہا؟

پہلی مثال

آیت البقرۃ:۱۷۳ میں ان اشیا کی فہرست دی گئی ہے جنہیں حرام کیا گیا ہے، ان اشیا میں لحم خنزیر بھی شامل ہے۔جس کا مفہوم بلاغ القرآن کے ہاں سوٴر کا گوشت نہیں بلکہ 'غدود کا گوشت' ہے۔اصل عبارت درج ذیل ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۷۳)

''سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ تمہارے لئے حلال جانوروں کا (بهيمة الانعام۵/۱) کا مردہ

خون، غدود کا گوشت اور وہ جانور یا گوشت جو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے، حرام کیا گیا ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں 'لحم خنزیر' کی وضاحت بایں الفاظ کی گئی ہے :

''لحم خنزیر کا معنی لکھا گیا ہے 'غدود کا گوشت' حالانکہ تمام مترجمین نے اس کا معنی 'سور کا گوشت' لیا ہے۔ پہلے نمبر پر سور کا گوشت مراد لینا، اس لئے غلط ہے کہ آیت مجیدہ میں اِنّما کے حصر کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ مردہ، خون، لحم خنزیر اور غیر اللہ کی طرف منسوب حرام ہیں۔ اس حصر کو قائم رکھتے ہوئے، جانوروں میں سے صرف سور ہی حرام ٹھہرتا ہے اور باقی سب جانور کتا، بلا، بجو، ریچھ وغیرہ حلال ٹھہرتے ہیں اور قرآن مجید میں نقیض پیدا ہوتی ہے کہ ایک طرف ۵/۱ میں صرف بهيمة الانعام حلال ٹھہرائے جاتے ہیں اور دوسری طرف صرف سور کو حرام قرار دیا گیا ہے، گویا چار پایوں میں سے صرف سور حرام ہے۔''

(تفسیر القرآن بالقرآن : جلد اوّل، ص ۱۳۶، ادارہ بلاغ القرآن، ۱۱/۱ این سمن آباد، لاہور)

اسی آیت کا مفہوم، طلوعِ اسلام کے جناب پرویز ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں :

''......اب سن لو! کہ خدا نے حرام کس کس چیز کو قرار دیا ہے: مردار، بہتا ہوا خون (۱۴۶/۶) خنزیر کا گوشت اور ہر وہ شئے جسے اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر دیا جائے۔''

(مفہوم القرآن، ص ۶۲)

لغات القرآن میں خود پرویز نے 'خنزیر' کا معنی 'سوٴر' ہی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو لغات القرآن، ص ۶۲۱۔

تعبیر کا یہ اختلاف ملاحظہ فرمائیے، کہ لحم خنزیر سے مراد، ایک کے ہاں 'غدود کا گوشت' ہے اور دوسرے کے ہاں 'سوٴر کا گوشت' اور دونوں خالی الذہن ہو کر سوئے قرآن آئے ہیں، مگر نتیجہ پھر وہی ڈھاک کے تین پات !!

میں نے خنزیر بمعنی غدود کی تحقیق نہیں کی، ممکن ہے کہ بلاغ القرآن کے دعویٰ کے مطابق لغاتِ عربیہ میں کہیں سے اس کی تائید ہو جائے۔ لیکن اس سے یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اگر کسی لفظ کے ایک سے زیادہ معانی ہوں اور قرآنی تشریح کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو قرآن بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گا، کوئی کچھ معانی کرے گا اور کوئی کچھ، اور اختلافات کا سیلابِ عظیم ہوگا اور اُمت کا فرقوں میں بٹ جانا ناگزیر ہوگا، لیکن اگر اس بات کی طرف رجوع کیا جائے جس پر خود یہ قرآن نازل ہوا ہے تو پھر یہ ممکن ہے کہ اس خطرے کا سدباب ہو جائے، کیونکہ مہبطِ وحی ہونے کی وجہ سے وہی مرضاتِ الٰہیہ کا نمائندہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمسک بالسنۃ کی وجہ سے چودہ صدیوں میں آج تک لحم خنزیر کا مفہوم متفق علیہ رہا ہے۔

دوسری مثال

قرآنِ کریم میں وضو اور غسل کے ضمن میں ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ کے الفاظ آئے

ہیں۔ جن کا ترجمہ بالعموم یہ کیا جاتا ہے کہ ''اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو (نہا کر) پاک ہو جاؤ۔'' ...... حالت جنابت کیا ہے؟ اور جُنُبًا سے کون لوگ مراد ہیں؟ بلاغ القرآن والوں کے نزدیک جنب کے معنی ہیں 'بدخوابی'۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن بالقرآن، جلد سوم ص ۲۷

جبکہ پرویز صاحب کے ہاں، اس کے معنی وہی ہیں جو علماء اُمت میں معروف و متداول ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''سورۂ مائدہ میں ہے ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا﴾ (۶/۵) اس کے معنی حالتِ جنابت کے ہیں (ہم آغوشی کی رعایت سے)۔'' (لغات القرآن: ص ۴۴۲)

یہاں بھی تعبیر کا اختلاف واضح ہے اور دونوں گروہ الفاظِ قرآن پر متفق ہونے کے باوجود معنیٔ قرآن پر باہم مختلف ہیں۔

تیسری مثال

قرآن کریم کی درج ذیل آیت ملاحظہ فرمائیے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ﴾ (۲/۲۴۰)

''تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں، ان کو چاہئے کہ اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ سال بھر تک گھر سے نکالے بغیر ان کو خرچہ دیا جائے۔''

اس آیت کا ترجمہ 'بلاغ القرآن' والوں کے نزدیک یہ ہے:

''اور تم میں سے جو لوگ روک لئے جائیں (یعنی لاپتہ ہو جائیں) اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں، ان کی بیویوں کے لئے حکم ہے کہ انہیں ایک سال تک ضروریاتِ زندگی مہیا کی جائیں اور انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالا جائے۔''

ترجمہ کے بعد، اب آیت کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیے:

''واضح رہے کہ لاپتہ شوہر کی بیوی، ایک سال تک شوہر کے مال سے نان و نفقہ حاصل کرے گی، لیکن اگر شوہر کا مال کوئی نہ ہو، تو شوہر کے ورثا ایک سال کا بوجھ اٹھائیں گے اور اگر وارث کوئی نہ ہو، یا وہ بوجھ اُٹھانے کے قابل نہ ہوں تو اس ایک سال کا نان و نفقہ حکومت کے ذمہ ہوگا، غرض یہ کہ لاپتہ شوہر کی بیوی کے لئے ایک سال کا انتظار فرض ہے۔''

(تفسیر القرآن بالقرآن: جلد اوّل، ص ۱۹۶ تا ۱۹۷)

طلوعِ اسلام والوں کے ہاں، آیت کا مفہوم یہ ہے:

''تم میں سے جو لوگ بیوہ عورتیں چھوڑ کر مر جائیں، انہیں چاہئے کہ اپنی بیویوں کے متعلق وصیت

کر جائیں کہ سال بھر انہیں گھر سے نہ نکالا جائے اور انہیں سامانِ زندگی دیا جائے'' (مفہوم القرآن، ص۹۲)

اوّل الذکر گروہ کی تعبیر کے مطابق، آیت کا تعلق لا پتہ شوہر کی بیوی کے نان ونفقہ سے ہے اور مؤخر الذکر طائفے کے ہاں، تعبیر آیت یہ ہے کہ شوہر اپنی وفات کے وقت یہ وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک اس کی بیوی کو گھر سے نکالے بغیر اسے خرچہ دیا جائے۔

یہ تینوں مثالیں اس امر کو واضح کر دیتی ہیں کہ احادیثِ رسول کو نظر انداز کر کے کوئی شخص خواہ کتنی ہی نیک نیتی کے دعووں کے ساتھ بارگاہِ قرآن میں آئے، وہ اختلاف تعبیرات سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔ ان تینوں آیات کا مفہوم احادیثِ رسول ﷺ کی روشنی میں بعثتِ نبوی سے لے کر تا حال علمائِ اُمت میں متفق علیہ رہا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سنتِ نبویہ کو نظر انداز کر کے تنہا قرآن کی بنیاد پر نہ صرف یہ کہ تعبیرات کا اختلاف ختم نہیں ہوگا بلکہ چودہ صدیوں میں جن مسائل پر اتفاق پایا جاتا ہے، وہ بھی اختلاف و انتشار کا شکار ہو جائیں گے۔

بلاغ القرآن والے ہوں یا طلوعِ اسلام والے، نیاز فتح پوری کے ہم مسلک ہوں یا عنایت اللہ مشرقی کے ہم مشرب، 'اُمتِ مسلمہ، امرتسر' کے وابستگان ہوں یا اسلم جیراجپوری کے متعلقین، ان سب کے ہاں قدرِ مشترک، صرف 'اسم قرآن' یا 'الفاظ قرآن' ہیں اور عملاً جو چیز درکار رہے وہ 'الفاظِ قرآن' نہیں، بلکہ 'مفہومِ قرآن' یا 'تعبیر قرآن' ہے؛ اور یہ 'اہل قرآن' کے ہر گروہ کی الگ الگ ہے، ان تمام احزاب کو 'اسم قرآن' پر جمع کر بھی دیا جائے۔ تو اپنی اپنی 'تعبیر قرآن' اس تضادات کے گٹھے کو تا دیر بندھا نہیں رکھ سکتی۔ ان سب کو اکٹھا کرنا، تناقضات کو جمع کرنے کے مترادف ہے۔

....

'مفکرِ قرآن' کے تعبیری تضادات

لیکن یہ مختلف گروہ ہیں جو تعبیر قرآن میں باہم مختلف ہیں، کیا ان میں سے کوئی فرقہ بھی قرآن کی کسی ایک اور حتمی تعبیر پر برقرار رہا ہے؟ ہرگز نہیں۔ غلام احمد پرویز کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ان کا پورا لٹریچر تضادات سے اَٹا پڑا ہے۔ ہر گردشِ زمانہ کے ساتھ ان کی تعبیرات بدلتی رہی ہیں، لیکن بڑے تسلسل اور تواتر کے ساتھ وہ نام، قرآن ہی کا لیتے رہے ہیں۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

مثالِ اوّل

قرآن عائلی زندگی میں جو اَحکام و ہدایات دیتا ہے، ان میں آیت (۴/۳۴) کا یہ حصہ بھی شامل ہے

﴿وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا﴾ (النساء:۳۴)

''جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو، انہیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں ان سے الگ رہو اور مارو۔ پھر اگر وہ مطیع فرماں ہوجائیں تو ان پر زیادتی کی راہ نہ تلاش کرو۔''

اس آیت میں بصورتِ نشوز عورتوں کی بابت تین احکام ہیں:

۱۔انہیں سمجھاؤ، نصیحت کرو فَعِظُوْهُنَّ

۲۔خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ

۳۔انہیں مارو پیٹو وَاضْرِبُوْهُنَّ

سوال یہ ہے کہ ان تینوں احکام کے مخاطب کون ہیں؟ پرویز صاحب نے اس کے مختلف اوقات میں مختلف جوابات دیئے ہیں۔ جنوری ۱۹۴۹ء میں، ان تینوں احکام کا مخاطب شوہروں کو قرار دیا گیا:

''سورۃ النساء میں ﴿وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ﴾ ''جن بیویوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو'' تو ان کے متعلق کیا کرو؟ یہ نہیں کہ محض اس اندیشہ کی بنا پر (یا ان کی کسی حرکت سے غصہ میں آکر) فوری تعلقات منقطع کرلو بلکہ "فَعِظُوْهُنَّ" انہیں نرمی اور محبت سے سمجھاؤ، اگر وہ اس پر بھی سرکشی سے باز نہ آئیں تو "وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ" ''خوابگاہوں میں ان سے الگ رہنے لگو۔'' ذرا غور کرو، سلیم! اگر عورت نیک سرشت اور شریف النفس ہوگی تو اس کے لئے یہ تنبیہ بہت کافی ہوگی۔ لیکن اگر حالات ایسے پیدا ہوجائیں کہ وہ اس پر بھی سرکشی سے نہ رکے، تو اس کی بھی اجازت ہے کہ ان پر سختی کی جائے۔ واضربوهن (تم انہیں مار بھی سکتے ہو)۔'' (جنوری ۴۹ء: ص ۶۷)

قرآن کی یہ تعبیر جنوری ۱۹۴۹ء کی ہے۔ لیکن اسی سال اکتوبر میں قرآن کی یہی تعبیر محتاج ترمیم قرار پاتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں اب شوہر، بیوی کو صرف وعظ و نصیحت ہی کرسکتا ہے لہٰذا وہ صرف فَعِظُوْهُنَّ ہی کے حکم کا مخاطب ہے۔ رہے باقی دو احکام (بیویوں کو خوابگاہوں میں چھوڑ دینا اور انہیں مارنا پیٹنا) تو اب ان کا اختیار شوہر کو نہیں رہا، بلکہ وہ حکامِ عدالت کی طرف منتقل ہوگیا۔

﴿وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ (۴/۳۴) ''جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا ڈر ہو، تو اس کے لئے تو سب سے پہلے باہمی افہام و تفہیم سے صلح صفائی کی کوشش کرنی چاہئے۔ لیکن اگر معاملہ اس سے نہ سلجھے تو پھر بات حکام تک جائے گی، اب فیصلہ وہاں سے صادر ہوگا۔ عورت کا جرم ثابت ہوگیا تو ہلکی سزا تو یہ ہے کہ اسے ایک معینہ مدت کے لئے خاوند سے الگ کردیا جائے اور انتہائی صورت میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اسے بدنی سزا دی جائے۔'' (اکتوبر ۴۹ء: ص ۹۲)

۱۹۵۷ء میں اس آیت کی ایک ایسی جدید تعبیر سامنے آتی ہے، جس کے نتیجے میں ان تینوں احکام

میں سے کسی ایک حکم کا مخاطب بھی شوہر نہیں رہتا اور تینوں اُمور کے کلی اختیارات 'معاشرہ' کو حاصل ہوجاتے ہیں اور یوں قرآن کی 'اسلامی تہذیب' اور مغرب کی مادّی مدنیت باہم گلے مل جاتی ہیں:

''آپ نے غور فرمایا کہ اس پہلے مرحلہ میں بھی قرآنِ کریم نے معاشرہ کے لئے تین مرحلے رکھے ہیں: اول انہیں چاہئے کہ وہ نصیحت اور سمجھا بجھا کر حالات کی اصلاح کی کوشش کریں۔ اگر اس کے بعد بھی حالات درست نہ ہوں تو پھر شوہر کو وہ ہدایت کریں کہ وہ اپنی بیوی کو خواب گاہ میں تنہا چھوڑ دے اور اس سے الگ الگ رہے، اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو تو پھر عدالت اگر ضروری سمجھے تو بیوی کو جسمانی سزا بھی دے سکتی ہے۔ اگر اس کے بعد وہ راہ پر آجائیں تو پھر ان میں مزید کسی زیادتی کی ضرورت نہیں ہے۔'' (فروری ۷۵ء:ص۴۳)

یہ ہیں طلوعِ اسلام کی قرآنی تعبیرات جو وقتاً فوقتاً مگر زندگی بھر بدلتی رہی ہیں۔ بہرحال پرویز صاحب تھے تو سوچنے والے شخص، فضائے دماغ میں خیال کا ایک نیا جھونکا آیا تو 'قرآنی تعبیر' بھی مرغ بادنما کی طرح بدل گئی۔ اس تغیر وتبدل کی رفتار کبھی سست ہوجاتی اور کبھی تیز، اتنی تیز کہ دو ٹکے کی جنتری تو سال بعد بدلتی ہے، مگر 'مفکر قرآن' کی تعبیر قرآن سال میں دو مرتبہ بھی تبدیل ہوجاتی۔

مثالِ ثانی

سورۃ العنکبوت کی درج ذیل آیت مع ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

﴿اَوَلَمۡ يَكۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ﴾ (۲۹/۵۱)

''اور کیا ان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔''

اس آیت کی ایک تعبیر وتشریح، جناب پرویز صاحب نے ان الفاظ میں پیش کی ہے:

''کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے معجزے کیوں نہیں نازل ہوتے۔ کہہ دو کہ معجزے تو خدا کے پاس ہیں، میں تو صرف تمہیں تمہاری غلط روش سے کھلم کھلا آگاہ کرنے والا ہوں، کیا یہ قرآن بذاتِ خود معجزہ نہیں جو تم اور معجزے مانگتے ہو: ﴿اَوَلَمۡ يَكۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ﴾ (۲۹/۵۱) ''کیا ان لوگوں کے لئے کافی نہیں کہ تم پر کتاب نازل کی گئی ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔'' (اگست ۶۶ء:ص۴۰)

اس تعبیر کے مطابق قرآن کے کافی ہونے کو بطورِ معجزہ اور نشانی کے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اگلے ہی سال پرویز صاحب ایک نئی تعبیر پیش کرتے ہیں جس کے مطابق قرآن کی کفایت بطورِ معجزہ اور نشانی ہونے کی بجائے بطورِ ضابطہ حیات اور سرچشمہ قانون ہونا قرار پاتی ہے اور یہ نئی تعبیر حدیث وسنت سے جان چھڑانے کے لئے گھڑی گئی۔ سیاق وسباق کے اعتبار سے یہ نئی تعبیر قطعی بے جوڑ ہے جبکہ پہلی تعبیر

سیاق وسباق کے بالکل مطابق ہے:

''دنیا میں اسلامی حکومت وہی صاحبِ عزیمت قائم کرسکے گا جس میں یہ کہنے کی جرأت ہو کہ ''ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے۔'' یہی وہ جواب تھا جو خدا کی طرف سے اسلامی نظام کے مخالفین کو دیا گیا جب اس نے کہا تھا ﴿اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ ''کیا یہ بات ان کے لئے کافی نہیں کہ ہم نے (اے رسولؐ) تجھ پر کتاب نازل کی جسے ان پر پیش کیا جارہا ہے۔'' (جون ۶۷ء:ص۲۱)

ایک اور مقام پر اسی تعبیر کو مزید وضاحت کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے:

''اپریل ۱۹۴۳ء کا ذکر ہے کہ صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائداعظم سے ایک پیغام کے لئے درخواست کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ''تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں پیغام دوں، میں تمہیں کیا پیغام دوں جبکہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے، جو ہماری رہنمائی اور بصیرت افروزی کے لئے کافی ہے، وہ پیغام ہے خدا کی عظیم کتاب قرآنِ کریم (تقاریر، جلد اول،ص ۵۱۶) ...... یہ پیغام خود خدا نے حضور نبی اکرمﷺ کی لسانِ مبارک سے دیا تھا جب کہا تھا کہ ﴿اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ (۲۹/۵۱)

''کیا یہ چیز ان کے لئے کافی نہیں کہ ہم نے تیری طرف اس کتاب کو نازل کیا ہے جسے ان کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔'' (اپریل ۷۷ء:ص۱۶)

۱۹۶۷ء تک آیت کی تعبیر یہ تھی کہ وہ کفار کے مطالبہ معجزہ کے جواب میں انہیں یہ اعلان کررہی تھی کہ ''کیا یہ کتاب جو تم پر پڑھ کر سنائی جارہی ہے، بطورِ معجزہ تمہارے لئے کافی نہیں ہے۔'' لیکن پھر اس کے بعد تعبیر آیت یہ ٹھہری کہ حدیث وسنت اور اُسوۂ رسول کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہدایت و رہنمائی کے لئے یہی کتاب کافی ہے۔

یہ نت نئی بدلتی تعبیریں، اس قرآن سے پیش کی جاتی ہیں جسے بڑی بلند آہنگی کے ساتھ، رافع اختلاف اور مزیل انتشار قرار دیا جاتا ہے؛ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کے معاملہ میں ذہنِ پرویز مداری کی ایسی پٹاری ہے، جس سے جب جیسی اور جو چاہی تعبیر نکال کر پیش کردی۔

مثالِ ثالث

قرآنِ کریم نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق سورۃ العنکبوت کی آیت ۱۴ میں بیان کیا ہے کہ

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا﴾

''ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے درمیان پچاس کم ایک ہزار سال رہا۔''

اس آیت کے متعلق پرویز صاحب عمر نوحؑ کے متعلق لکھتے ہیں:

''دورِ حاضر کے انسان کے لئے جو سوسوا سو سال کے عمر کے آدمیوں کو دور دور سے دیکھنے کے لئے آتا ہے اور نہایت حیرت و استعجاب سے ان سے اس درازیٔ عمر کے راز دریافت کرتا ہے، اتنی لمبی عمر بمشکل باور کئے جانے کے قابل ہے (اس وجہ سے بعض حضرات عامًا 'سال' سے مراد 'مہینے' لینے پر مجبور ہو رہے ہیں)۔لیکن حضرت نوحؑ، آدمؑ سے دسویں پشت میں آئے ہیں اور ان کے تمام اسلاف کی عمریں، آٹھ آٹھ، نو نو سو سال کی لکھی ہیں۔

لہٰذا ایک ایسے بعید ترین زمانے میں جب ہنوز انسان کے اعصاب دورِ حاضر کی برق آگیں تمدن اور رعد آمیز فضا کے مہلک اثرات کا شکار نہیں ہوئے تھے اور اسے ارضی وسماوی آفات کے مقابلے کے لئے قوی ہیکل جسم اور فولادی عضلات عطا کئے گئے تھے، اتنی لمبی لمبی عمریں کچھ باعثِ تعجب نہیں ہوسکتیں۔'' (معارف القرآن: جلد دوم، ص ۳۷۶)

''چین کے مشہور مذہب (Taoism) ''جس کا تفصیلی تعارف، دیگر مذاہبِ عالم کے سلسلہ میں جلد سوم، بابِ ظہر الفساد میں کیا جائے گا۔'' کا ایک بہت بڑا مبلغ اور رشی (Kwang) (جس کی پیدائش چوتھی صدی ق م کی ہے) اپنی چوتھی کتاب میں سمجھاتا ہے کہ عمر بڑھانے کا طریقہ کیا ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ ''میں بارہ سو سال سے اسی طریق کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہوں اور اس پر بھی میرا جسم روبہ انحطاط نہیں۔'' (Sacred Books of the East, (Taoism) Translated by James Legge. (p.225)

(معارف القرآن، جلد دوم، حاشیہ ص ۳۷۷)

لیکن جب معارف القرآن جلد دوم کو 'جوئے نور' میں تبدیل کیا گیا تو اس آیت کی تعبیر بھی بدل گئی، لغت کے اس قارون کی طول طویل لغوی موشگافیوں اور دور خیز سخن سازیوں کے نتیجہ میں 'عمر نوحؑ' بڑی مختصر ہوگئی...... کیسے؟ ملاحظہ فرمائیے:

''عربی لغت میں سَنَةً کا اطلاق 'فصل' پر بھی ہوتا ہے جو سال میں چار ہوتی ہیں یعنی چار فصلوں کا ایک سال ہوتا ہے۔اس اعتبار سے أَلْفَ سَنَةٍ کے معنی ہوں گے کہ، اڑھائی سو سال اور عَام پورے سال کو کہتے ہیں۔اس لئے اگر خَمْسِيْنَ عَامًا کو اس میں سے منہا کردیا جائے تو باقی دوسو سال رہ جاتے ہیں اور اتنی عمر کچھ ایسی مستبعد نہیں۔'' (جوئے نور، ص ۳۴)

غور فرمائیے، پرویز صاحب کی آج کی اور کل کی تعبیر میں کتنا فرق ہے۔کل ان کے لئے ساڑھے نو سو سال کی عمر باعثِ تعجب نہ تھی، بلکہ وہ بارہ بارہ سو سال کی عمر کے لوگوں کے حوالے تلاش کرکے لوگوں کے حیرت و استعجاب کا ازالہ کیا کرتے تھے، لیکن آج دماغ کا رنگ بدلا، تو ساتھ ہی 'تعبیر قرآن' بدل گئی۔ یہ ہے وہ طریقہ جس کے ذریعہ پرویز صاحب کو ہر بات کا جواب قرآن سے مل جایا کرتا تھا، سچی بات ہے کہ

''جب کوئی قرآن کو مسخ کرنے پر اُتر آئے تو اُسے اس سے اپنی کون سی مصلحت کی سند نہیں مل سکتی......؟'' (اکتوبر ۷۹ء: ص ۱۳)

مثالِ رابع

قرآنِ کریم میں قومِ نوح کا انجام بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے

﴿ فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ﴾ (الاعراف:۶۴)

''پس انہوں نے اسے جھٹلا دیا تو ہم نے اسے اور جو کشتی میں اس کے ساتھ تھے، ان سب کو بچا لیا اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، انہیں ہم نے غرق کردیا۔ یہ تھے ہی اندھی قوم۔''

اب سوال پیدا ہوتا کہ قومِ نوح کا یہ انجام ان کے تکذیبِ حق اور غلط اخلاقی اعمال کا نتیجہ تھا؟ یا محض طبعی حوادث کا؟ ...... ۱۹۴۵ء کو ان کا موقف یہ تھا:

''قومِ نوح کی غرقابی کے واقعہ پر سرسری مؤرخانہ نگاہ صرف اتنا بتا سکے گی کہ پانی کا بلا انگیز طوفان آیا اور (سوائے ان لوگوں کے جو کشتی میں سوار تھے) سب غرق ہوگئے۔ ان کی بستیاں نذرِ سیلاب ہوگئیں۔ سارے علاقے میں کوئی متنفس باقی نہ رہا۔ جہاں اس شدت کا سیلاب آتا ہے ایسا ہی ہوتا ہے ......لیکن قرآنِ کریم زاویۂ فکرونظر کو کسی اور طرف بدل دیتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ قومِ نوح نے دعوتِ حق وصداقت کی تکذیب کی اور ان کے جرائم کی پاداش میں ان کا استہلاک ہوا۔'' (معارف القرآن: جلد دوم، ص۳۷۰)

یہ 'تعبیر قرآن' قبل از قیامِ پاکستان تھی، قیامِ پاکستان کے بعد 'نئے تقاضوں' کے لئے ظاہر تھا کہ 'نئی تعبیر' درکار تھی۔ چنانچہ آزاد فضاؤں میں قومِ نوح کا انجام بھی اخلاقی عنصر سے آزاد ہوگیا:

''یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ حوادث ان کی بداعمالیوں کا نتیجہ تھے یا انہیں ان کی تباہی کا موجب بنا دیا گیا تھا؟ اس کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ آج بھی زلزلے آتے ہیں، آتش فشاں پہاڑ پھٹتے ہیں، سیلاب بڑے بڑے ملکوں کو تباہ کردیتے ہیں، آندھیوں کے طوفان چلتی ہوئی ریل گاڑیوں کو اُٹھا کر دریاؤں میں پھینک دیتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ یہ حوادث کسی قوم کی بدعملیوں کا نتیجہ نہیں ہوتے۔'' (جوئے نور، ص۲۹)

''یہ حوادث، نہ تو کسی قوم کے غلط اخلاقی اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ان سے صرف بداعمال لوگ تباہ ہوتے ہیں۔'' (جوئے نور، ص۲۹)

اس نئی تعبیر کا ایک ایک لفظ قرآن کی بیان کردہ حقیقت سے ٹکراتا ہے۔ محولہ بالا آیت، اس امر کو واضح کردیتی ہے کہ قومِ نوح کی غرقابی تکذیبِ حق کا نتیجہ تھی۔ ﴿أَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ کے الفاظ واضح کرتے ہیں کہ عذابِ خداوندی کا نشانہ وہی لوگ بنے تھے جنہوں نے حق کی نشانیوں کو جھٹلا دیا تھا۔ اب رہے وہ لوگ جو قبولِ حق کرچکے تھے، تو اُنہیں اللہ تعالیٰ نے بچا لیا: ﴿فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ﴾۔ یہاں چوہدری غلام احمد پرویز کو اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہوگیا ہے اور بے چارہ قاری حیران

وپریشان کھڑا سوچ رہا ہے کہ وہ کس کی بات مانے؟ مُنَزِّلِ قرآن کی؟ یا مفکرِ قرآن کی؟

مثالِ خامس

قرآنِ کریم میں حضرت داوٴدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے تذکارِ جلیلہ میں یہ آیت بھی وارد ہوئی ہے:

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ (النمل:١٦)

''حضرت سلیمان (علیہ السلام) حضرت داوٴد (علیہ السلام) کے وارث بنے اور کہا:

''اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔''

یہ ترجمہ بھی پرویز صاحب ہی کا دیا گیا ہے، جو معارف القرآن جلد سوم ص۴۰۵ پر درج ہے۔ اس میں ﴿عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ کی تعبیر یہ کی گئی ہے کہ ''ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔''

انہی الفاظ کا ترجمہ، برقِ طور ص۲۵۳ پر بایں الفاظ کیا گیا ہے ......''لوگو! ہمیں مَنْطِقَ الطَّيْر سکھایا گیا ہے۔'' آگے چل کر مَنْطِقَ الطَّيْر کی تشریح کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ

''مَنْطِقَ الطَّيْرِ کے معنی 'پرندوں کی بولی' نہیں، جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں (یعنی 'برقِ طور' ہی میں...... قاسمی) طَیر سے مراد گھوڑوں کا لشکر ہے (جو حضرت داوٴدؑ اور سلیمانؑ کے زمانہ میں بیشتر قبیلہ طیر کے افراد پر مشتمل تھا) اور مَنطق کے معنی اس قبیلہ کے قواعد وضوابط ہیں۔ لہٰذا اس سے مطلب ہے: ''گھوڑوں کے رسالہ کے متعلق علم'' یہ اس زمانہ میں بہت بڑی چیز تھی۔''

(برقِ طور: ص۲۵۳ تا ۲۵۴)

معارف القرآن کی محولہ بالا عبارت میں مَنْطِقَ الطَّيْر کا معنی 'پرندوں کی بولی' ہے اور برق میں ٹھیک اسی معنی کی نفی کی گئی ہے اور جو جدید معنی پیش کیا گیا ہے، اس کا لغوی طور پر قرآن سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ طلوعِ اسلام کی ٹکسال میں مختلف اور متضاد معانی کے سکے وقتاً فوقتاً کس طرح ڈھالے گئے......!!

مثالِ سادس

سورۃ الاعراف کے آخری رکوع میں 'آدابِ تبلیغ' کے ضمن میں یہ الفاظ آئے ہیں:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ (الاعراف:١٩٩)

(اے نبیؐ!) درگزر کرتا رہ، معروف کی تلقین کئے جا اور جاہلوں سے نہ اُلجھ۔''

خُذِ الْعَفْوَ کا مفہوم کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیے:

''(بہرحال، تم ان کی ان باتوں کی وجہ سے اپنے پروگرام میں رُکو نہیں) تم ان سے درگزر کرتے ہوئے آگے بڑھتے جاوٴ۔'' (مفہوم القرآن: ص۳۹۰)

اس کے بعد تفسیر مطالب الفرقان میں خُذِ العَفْوَ پر بحث کرتے ہوئے اس کی تعبیر کو یکسر بدل دیا اور اس بات کا قطعاً خیال نہ کیا کہ یہ مکی دور کی وحی ہے، جس میں اسلامی حکومت کی داغ بیل پڑی ہی نہ تھی اور اہل ایمان جو پہلے ہی زیادہ تر مفلس اور خستہ حال لوگوں پر مشتمل تھے، معاشی طور پر کفار کے ہاتھوں ظلم وستم کا نشانہ بن رہے تھے، ایسے حالات میں یہ نئی تعبیر قطعاً موزوں نہیں بیٹھتی۔ لیکن 'مفکر قرآن' کو اس سے کیا، انہیں تو اپنے پندار علم کا مظاہرہ کرنا ہے، تاکہ یہ نت نئی تعبیرات، اندھے معتقدین کے قلوب واذہان پر ان کی 'تبحر علمی' کی دھاک بٹھا دیں۔ لکھتے ہیں:

''العفو کا لفظ آیت (۲/۲۱۹) میں آیا ہے جہاں بالبداہت 'زائد از ضرورت' معنی ہی موزوں ہیں۔ چنانچہ میں نے مفہوم القرآن میں یہی معانی لکھے اور مطالب الفرقان جلد سوم ص ۳۲۶ پر بھی، اس کے مطابق وضاحت کی۔ اس کے بعد یہ لفظ زیر نظر آیت (۷/۱۹۹) میں آیا تو مجھے اپنی بصیرت کی رو سے، اس کا دوسرا مفہوم یعنی 'درگزر کرنا' موزوں دکھائی دیا۔ چنانچہ میں نے یہی ترجمہ مفہوم القرآن میں دے دیا (اس کا عام طور پر یہی ترجمہ کیا جاتا ہے)۔ اس کے بعد ایک بحث کے دوران میں نے محسوس کیا کہ یہ مفہوم مزید تحقیق کا متقاضی ہے۔ بالخصوص لفظ خُذْ کے پیش نظر جس کے معنی 'وصول کرنے یا لینے' کے ہیں، اس سلسلہ میں سورۂ توبہ کی آیت (۹/۱۰۳) ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ اس کی مؤید تھی۔ اس غور وفکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ آیت (۷/۱۹۹) میں بھی العفو کا وہی مفہوم زیادہ موزوں ہے، جو آیت (۲/۲۱۹) میں دیا گیا ہے یعنی 'زائد از ضرورت مال'۔ اس آیت میں اسلامی نظام (یا اس کے سربراہ حضور نبی اکرم ﷺ) سے کہا گیا ہے کہ جماعت مؤمنین کا زائد از ضرورت مال اپنی تحویل میں لے لیا کرو تاکہ اس طرح اجتماعی طور پر قرآن کا معاشی نظام قائم رہے۔ مفہوم القرآن (آیت ۷/۱۹۹) کے مفہوم میں ترمیم، اس کے نئے ایڈیشن میں کردی جائے گی۔ البتہ اس دوران میں، تبویب القرآن میں 'عفو' کے عنوان کے تابع یہ مفہوم دے دیا گیا ہے۔'' (تفسیر مطالب الفرقان: ج۶، ص۵۵)

عفو کا معنی 'زائد از ضرورت مال' صرف وہاں لینے کی گنجائش ہوتی ہے، جہاں اس کا مالی خرچ یا مال سے متعلق ہونے کا کوئی قرینہ موجود ہو، جیسا کہ آیت (۲/۲۱۹) میں لفظ یُنفقون میں یہ قرینہ موجود ہے۔ لیکن آیت زیر بحث میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے لیکن مفکرِ قرآن کو ان اُمور سے کیا سروکار؟ ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان رہے!

مثالِ سابع

قرآن کی درجہ ذیل آیت مع ترجمہ از پرویز صاحب ملاحظہ فرمائیے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (۱۰۰/۲)

''لٰہذا اپنے پروردگار کے لئے نماز قائم کرو اور قربانی کرو۔'' (معارف القرآن:۳۶۹/۴)

لیکن جب پرویز صاحب کا ذہن قربانی سے متعلق معکوس ہوگیا تو اب وَانْحَرْ کا مفہوم بھی کچھ اور ہی ہوگیا:

''اب تیرے لئے ضروری ہے کہ تو اس کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ پھیلائے، اس کے لئے تو اپنے پروگرام کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف رہ۔ خدا کے نظامِ ربوبیت کے قیام کے لئے اپنے فرائض منصبی کو پوری طرح ادا کر، ان پر علم وعقل اور تجربہ ومشاہدہ سے پوری طرح حاوی ہو، اور اس کے ساتھ ہی اپنی جماعت کے لوگوں کے کھانے پینے کا بھی انتظام کر۔'' (مفہوم القرآن، ص۱۴۸۸)

یاد رہے کہ خط کشیدہ الفاظ وَانْحَرْ کے مفہوم کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ اسی صفحہ پر نیچے حاشیہ میں یہ عبارت بھی موجود ہے: 'نَــهــر اونٹ ذبح کرنے کو کہتے ہیں۔''

اب اس 'مفکر قرآن' کو کون سمجھائے کہ یہ لفظ نهر نہیں بلکہ نَحر ہے۔ کیا ستم ظریفی ہے کہ وقت کی آندھیوں نے 'مفکر قرآن' کا بوجھ کس جاہل کے سر پر لا پھینکا ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوْا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ (الجمعہ:۵)

مثالِ ثامن

آیتِ قصاص بھی، ان آیات میں سے ایک ہے جن کی 'تعبیر' پرویز صاحب کے انقلابِ ذہن کے ساتھ ہی منقلب ہوگئی۔ اس آیت کی ایک تعبیر وہ ہے جو معارف القرآن جلد اوّل، ص۱۴۰ پر موجود ہے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر قصاص کا معنی 'قتل کا بدلہ قتل' نیز قتل عمد میں دیت اور عفو کا اختیار بھی اولیاءِ مقتول کے ہاں برقرار رہتا ہے۔ پرویز صاحب نے زیر عنوان 'شریعت میں خدا کی طرف سے آسانیاں' لکھا ہے:

''پھر شریعت میں ایسی آسانیاں مل جانا جن سے قوانین ممکن العمل ہوجائیں، رحمتِ خداوندی ہے مثلاً قانونِ قصاص کی رو سے قتل کا بدلہ قتل ہے، لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ شَيْئٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ، ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ ''اگر (قاتل کو) اس کے بھائی (مدعی) کی طرف سے معافی مل جائے تو (اس کے لئے) معقول طریقہ پر خون بہا کا مطالبہ ہے اور (قاتل کے لئے) خوبی کے ساتھ اس کا ادا کرنا۔ یہ (قانون دیت وعفو) تمہارے پروردگار کی طرف سے سختیوں کا کم کردینا اور ترحم (خسروانہ) ہے......'' (معارف القرآن، جلد اوّل، ص۱۴۰)

لیکن جب تہذیبِ مغرب کی فکری یلغار نے ذہنِ پرویز کو مسخر کیا اور وہ مغرب کے تمدنی قوانین سے مرعوب ہوئے تو (۱) قصاص کے معنی بھی بدل گئے اور (۲) قتل عمد میں دیت اور عفو کا اختیار بھی، اولیاءِ

مقتول سے سلب ہوگیا، کیونکہ مغربی حکومتوں میں سے کسی میں بھی قتل عمد میں دیت وعفو کی رعایت نہیں ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ قرآنی قانون میں وہ 'سقم' باقی رہ جاتا، جو دانشورانِ مغرب کی نگاہ میں اسلام کے ماتھے پر بدنما داغ ہے۔ 'قرآنی حمیت'، 'مفکرِ قرآن' پر غالب آئی تو انہوں نے نئی جدید تعبیر کی رو سے قرآنی قوانین سے اس 'عیب' کو دور کرڈالا جو خود خدا کے اپنے الفاظ سے پیدا ہوگیا تھا (معاذ اللہ) ملاحظہ فرمایئے تعبیر جدید کو......

> ''قصاص: اس کے معنی 'جرم کی سزا' دینا نہیں، اس کے معنی ہیں 'مجرم کا اس طرح پیچھا کرنا کہ وہ بلا گرفت نہ رہ جائے' یعنی قرآنی نظام میں کسی جرم کو Untraced نہیں رہنا چاہئے، وہ اس قسم کے محکم نظامِ تفتیش میں حیاتِ اجتماعیہ کا راز بتاتا ہے۔'' (اگست ۶۵ء:ص۱۲)
>
> ﴿وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يّٰأُولِىْ الْاَلْبَابِ﴾ (البقرة:۱۷۹)

اس کے بعد آیتِ قصاص (البقرۃ:۱۷۸) کی تشریح کو الفاظِ آیت تک محدود رکھنے کی بجائے، آیتِ قتل خطا کے ساتھ خلطِ مبحث کیا جاتا ہے اور نتیجہ یہ کشید کیا جاتا ہے کہ قتل عمد میں عفو و دیت ہے ہی نہیں، اس میں اگر ایسا ذکر ہوا ہے تو وہ قتل خطا کے ساتھ متعلق ہے:

> ''جرمِ قتل: قرآن نے قتل عمد (بالارادہ) اور قتل خطا (سہواً) میں فرق کیا ہے۔ قتل خطا کی سزا (یا یوں کہئے کہ کفارہ یا جرمانہ) ایک مؤمن غلام کا آزاد کرنا اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کرنا ہے۔ وہ اس خون بہا کو معاف کرسکتے ہیں۔(۹۲/۴،۹۳) واضح رہے کہ 'غلام آزاد کرنا' اس زمانے کی بات ہے جب عربوں کے ہاں غلام چلے آرہے تھے، اسلام نے غلامی کا دروازہ بند کردیا ہے۔ لہٰذا یہ نظام معاشرہ تجویز کرے گا کہ اس کی جگہ کیا کفارہ ادا کیا جائے گا۔
>
> قتل عمد کے لئے دیت (خون بہا) نہیں، اس کی سزا بڑی سخت ہے۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کی سزا جہنم ہے اور اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اور بہت بڑی سزا (۴/۹۳)۔ میں اس وقت ان مختلف سزاؤں کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، لیکن یہ واضح رہے کہ قتل عمد کی بھی مختلف نوعیتیں ہیں۔ ایک قتل سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہوتا ہے اور ایک وقتی جوش میں آکر وقتی طور پر (وغیرہ وغیرہ) اس اعتبار سے جرم کی سزا میں بھی فرق ہوسکتا ہے۔ قرآن کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عدل کے تقاضے کی رو سے جرمِ قتل عمد کے لئے موت کی سزا بھی تجویز کرتا ہے۔ (مثلاً ۲/۱۷۸، ۵/۳۵، ۱۷/۳۳) "قتل نفس بالحق" سے مراد قانونِ خداوندی کے مطابق کسی کی جان لینا۔''
>
> (ماہنامہ طلوعِ اسلام: اگست ۶۵ء، ص۱۴)

سیدھی سی بات ہے کہ قرآن نے قتل عمد میں قصاص (قتل کا بدلہ قتل) کے علاوہ، دیت اور عفو کی رعایات بھی رکھی ہیں اور قتل خطا میں قصاص ہے ہی نہیں۔ اس میں کیا اُلجھن ہے؟

تری ہر اَدا میں بل ہے، تری ہر نگاہ میں اُلجھن
مری آرزو میں لیکن ، کوئی پیچ ہے نہ خم ہے!

لیکن پرویز صاحب نے قتل خطا اور قتل عمد کی آیات میں خلطِ مبحث سے جو نتیجہ برآمد کیا ہے، اس میں قتل عمد میں صرف قصاص کی سزا باقی رہ جاتی ہے، تخفیفات ختم ہو جاتی ہیں اور قصاص کا مفہوم بھی 'قتل کا بدلہ قتل' نہیں رہتا بلکہ صرف 'مجرم کا پیچھا کرنا' رہ جاتا ہے۔ اگر مجرم کراچی پہنچ کر سمندر پار کر جائے اور اس کی گرفتاری کیلئے اگر آپ نے کراچی تک 'اس کا پیچھا کر ڈالا' تو قصاص کا تقاضا پورا ہو گیا۔ اللہ اللہ خیر صلا!

اُمت ِمسلمہ پر 'مفکر ِقرآن' کا کس قدر احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل عمد میں دیت اور عفو کے جو 'اِغلال واَصر' مسلمانوں پر ڈال رکھے تھے، انہوں نے اُتار پھینکے ہیں اور قرآنی قانون کو 'دورِ حاضر کے تقاضوں' سے ہم آہنگ کر دیا۔

مثالِ تاسع

قرآن میں قانونِ غنیمت سے متعلقہ آیت، پرویز صاحب کے ترجمہ ہی کے ساتھ ملاحظہ فرمایئے :

﴿وَاعْلَمُوْ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْئٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعَانِ، وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ﴾ (الانفال:۴۱)

''اور جان رکھو کہ جو تمہیں مالِ غنیمت میں ملے، اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے، رسولؐ کے لئے، (رسول کے) قرابت داروں کے لئے، یتیموں کے لئے، مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے نکالنا چاہئے (اور بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جاسکتے ہیں)، اگر تم اللہ اور اس (غیبی امداد) پر یقین رکھتے ہو، جو ہم نے فیصلہ کر دینے والے دن، اپنے بندے پر نازل کی تھی، جبکہ دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے (تو چاہئے کہ اس تقسیم پر کاربند رہو، اور یاد رکھو) اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں۔'' (معارف القرآن، جلد چہارم، ص۶۲۴)

''غنیمت اور فے ، دو اصطلاحات ہیں: مالِ غنیمت وہ جو مخالفین سے جنگ کے بعد حاصل ہو، اور مالِ فے ، وہ جسے مخالفین جنگ کئے بغیر چھوڑ جائیں۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ، بیت المال میں جمع ہوگا اور باقی چار حصے سپاہیوں کو تقسیم ہوں گے، مال فے پورے کا پورا بیت المال میں جمع ہوگا۔'' (معارف القرآن: جلد چہارم، حاشیہ ص ۶۲۴)

مالِ غنیمت کے متعلق یہی وہ اُصولی تعلیم ہے جو دورِ نزولِ قرآن سے لے کر آج تک علماءِ امت، فقہاءِ ملت، مفسرین ومحدثین، اصحابِ سیر اور مؤرخین تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ گویا پرویز صاحب کی زبان میں یہ 'عجمی اسلام' ہے جو ہزار برس سے چلا آرہا ہے۔ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ پرویز صاحب 'خالص

عربی نژاد ہو کر اس 'عجمی اسلام' پر برقرار رہتے۔ چنانچہ انہوں نے بعد میں جس 'عربی قانونِ غنیمت' کو قرآن کی اسی آیت میں سے نچوڑا، اس کے مطابق اب 'خمس' میں مسافروں، مسکینوں، یتیموں اور ذوی القربیٰ کا حصہ ختم ہوگیا اور خمس صرف 'خدا اور رسول' کیلئے مخصوص ہوگیا۔ اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اللہ اور رسولؐ کے الفاظ اگر قرآن میں اکٹھے آجائیں تو اس سے پرویزیوں کے نزدیک مراد 'مرکزِ ملت' ہوتا ہے.

توجہ فرمایئے؛ اگر مجرد 'اللہ' کا لفظ بولا جائے تو اس سے خالق کائنات ہی کی ذات مراد ہوگی اور اگر صرف 'رسول' کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد وہ مامور من اللہ شخصیت ہوگی جو اہل ایمان کے لئے اُسوۂ حسنہ ہے۔ لیکن جب 'اللہ اور رسول' کے الفاظ (معطوف اور معطوف علیہ کی صورت میں) اکٹھے بولے جائیں تو اب 'اللہ' ہی اپنی اُلوہیت سے اور 'رسول' اپنے منصبِ رسالت سے معزول ہوگیا۔ پھر جب اس طرح اللہ کی اُلوہیت اور نبی کی حیثیتِ نبوت (معاذ اللہ) ختم ہوگئی تو اس عدم سے 'مرکزِ ملت' وجود میں آگیا۔ گویا یہ اُلوہیت اور نبوت کے مسائل نہ ہوئے بلکہ سائنس کی لیبارٹری کے مسائل ہوئے کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کو جب ایک خاص ترکیب سے جمع کیا جاتا ہے تو جہاں آکسیجن کی تحریقی خاصیت ختم ہوجاتی ہے، وہاں ہائیڈروجن سے اس کی احتراق پذیری کی صفت منفک ہوجاتی ہے اور 'پانی' نام کی اسی طرح ایک نئی چیز معرضِ وجود میں آجاتی ہے؛ جس طرح ادارہ طلوعِ اسلام کی قرآنی لیبارٹری میں 'اللہ اور رسول' کے مجموعے سے 'مرکزِ ملت' معرض وجود میں آجاتا ہے ؎

یزداں کے تصور میں تراشا تھا جو پتھر
اس میں سے بھی ابلیس کا پیکر نکل آیا

بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو یونہی نوکِ قلم پر آگیا۔

پرویز صاحب کی تعبیر جدید کا دوسرا جزو یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں سے ایک خمس کو 'مرکزِ ملت' کے لئے الگ کر لینے کے بعد بقیہ چار اخماس، لڑنے والے مجاہدین کو نہیں، بلکہ ان کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں میں تقسیم کئے جائیں گے۔ اب 'عجمی اسلام' کی وہ تعبیر ختم ہوگئی جس کے تحت مالِ غنیمت کا ۴/۵ حصہ مجاہدین میں تقسیم ہوا کرتا تھا۔ ملاحظہ فرمایئے، کہ آیتِ غنیمت کے پہاڑ میں سے کس طرح مفکر قرآن نے 'تعبیر جدید' کا چوہا کھود نکالا۔ آیت کے تقریباً ۴۵/الفاظ ہیں اور اس کا تشریحی مفہوم تقریباً ۳۱۰ الفاظ پر مشتمل پیراگراف میں بیان کیا گیا ہے اور آیت بھی اسی قرآن مجید میں ہے جس کے متعلق یہ مسلسل ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ قرآن واضح ہے، مبین ہے، نور ہے؛ جو اپنے مفہوم کی وضاحت کیلئے کسی کا محتاج نہیں۔ لیکن دسیوں الفاظِ قرآن کی تشریح، سینکڑوں الفاظ میں کی گئی ہے، ملاحظہ فرمایئے :

''جنگ کے سلسلہ میں اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھو کہ اس سے پہلے تمہارا دستور یہ تھا کہ جنگ میں جو کسی کے ہاتھ آجائے، وہ اسی کا ہوا۔ یہی لوٹ کا مال وہ بنیادی جذبہ تھا جس کے لئے تم میدانِ جنگ میں جایا کرتے تھے۔لیکن اب جنگ ظلم کو روکنے یا نظامِ عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے ہوگی، اس لئے اس میں جذبہ محرکہ لوٹ کا مال حاصل کرنا نہیں ہوگا۔ یاد رکھو، میدانِ جنگ میں جو مالِ غنیمت بھی ملے گا، اس میں سے پانچواں حصہ 'خدا و رسول' یعنی مملکت کی انتظامی ضروریات کے لئے رکھ کر، باقی ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے میں صرف کیا جائے گا۔ مثلاً (میدانِ جنگ میں جانے اور کام آجانے والوں کے) اقربا کے لئے، یتیموں اور معاشرہ میں بے یارومددگار، تنہا رہ جانے والوں کے لئے، ان کے لئے جن کا چلتا ہوا کاروبار رُک گیا ہو یا جو کسی حادثے کی وجہ سے کام کاج کے قابل نہ رہے ہوں۔ نیز ان مسافروں کے لئے جو مدد کے محتاج ہوں۔

ہم جانتے ہیں کہ اس طرح ہاتھ آنے والے مال سے یوں دست کش ہوجانا، کچھ آسان کام نہیں، لیکن اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور ان احکام پر جو ہم نے اپنے بندے پر، اس دن نازل کئے تھے جب دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل آئے تھے اور جب حق و باطل نکھر کر سامنے آگیا تھا (تو تمہارے لئے ایسا کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ مستقل اقدار پر ایمان، اس قسم کی تمام جاذبیتوں کو ٹھکرا سکتا ہے)۔ اسے اچھی طرح یاد رکھو کہ اللہ نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں اور ان پر اس کا پورا پورا کنٹرول ہے (اس لئے اس کے قانون پر عمل پیرا ہونے سے تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوگا۔'' (مفہوم القرآن: ص۴۰۴ تا ۴۰۵)

الفاظ کے اس ہجوم پر بار بار نگاہ ڈالئے، شاید آپکے مقدر سیدھے ہوئے تو بات آپکے پلے پڑ جائے۔

مثالِ عاشر

اب آخر میں، میں ایک ایسی مثال پیش کر رہا ہوں جس کے ضمن میں ایسی بہت سی آیات آپ کے سامنے آئیں گی جن کی تعبیر کو 'نظریۂ ضرورت' کے تحت بدلنا پڑا ہے اور یہ بات واضح ہوجائے گی کہ پورا قرآن 'مفکر قرآن' کے مصلحتی محور کے گرد ہی گردش کرتا رہا۔

پرویز صاحب کے سابقہ معاشی تصورات: ایک زمانہ تھا، جب پرویز صاحب ابھی کارل مارکس کی ترتیب دی ہوئی معاشی فکر، سوشلزم یا کمیونزم کے اسیرِ زلف نہیں ہوئے تھے۔ وہ اگر قرآن پر غور بھی کرتے تھے تو ان کی آنکھوں پر بہرحال اشتراکیت کی عینک نہیں تھی۔ اس لئے وہ قرآنی آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے ان 'ذہنی تحفظات' کا خیال نہیں کیا کرتے تھے جو بعد میں اشتراکیت کے رنگ میں مصبوغ ہونے کے بعد، اب ان کے قلب و ذہن میں راسخ ہوگئے تھے اور جن کا لحاظ کرنا ان کی مجبوری بن گیا تھا۔ نظامِ

ربوبیت کا نقشہ، ذہن پرویز کی کارگاہ میں، بہت بعد میں تراشا گیا۔ ۱۹۴۷ء سے قبل پرویز صاحب کو اگر ان کی تحریروں کے آئینے میں دیکھا جائے تو وہ واضح طور پر مال و دولت اور زمین کی شخصی ملکیت کے قائل تھے۔ پھر ہر شخص کے معاشی حالات کے تنوع اور ان کی اکتسابی صلاحیتوں میں تفاوت کی بنا پر وہ تفاضل فی الرزق کے بھی قائل تھے۔ بالا و پست معاشی طبقات میں وہ اہل ثروت پر اسلام کی طرف سے عائد ہونے والی ڈھائی فیصد زکوۃ کے بھی معترف بلکہ مُعلن تھے۔ صدقہ و خیرات اور قانونِ میراث کے متعلق بھی وہ اس بات کے مقر تھے کہ یہ دائمی اور مستقل احکام ہیں نہ کہ عبوری دور کے احکام ہیں جو وقتی یا ہنگامی صورتحال میں دیئے گئے ہوں۔ قُلِ الْعَفْوَ کے دو الفاظ کی بنیاد پر آج اشتراکیت پر قرآن کا ٹھپہ لگا کر جس 'نظام ربوبیت' کا کریملین تعمیر کیا گیا ہے، ان دنوں ان الفاظ کا مفہوم، آج کے مفہوم سے قطعی مختلف تھا، چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

اشتراکیت اور اسلام کا موازنہ کرتے ہوئے کبھی پرویز صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ

''اشتراکیت، ذاتی اور انفرادی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتی، لیکن اسلام ہر شخص کی کمائی کو اس کی ذاتی ملکیت قرار دیتا ہے۔ زمانۂ ظہورِ اسلام میں جائیداد و املاک عموماً مویشیوں کی شکل میں تھیں، ان کے متعلق فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُوْنَ﴾ ''کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لئے دستِ قدرت سے مویشی پیدا کئے ہیں جن کے یہ لوگ مالک ہیں'' ...... جب خدا کی بنائی ہوئی چیزیں، انسان کی ملکیت ہوسکتی ہیں تو انسان کی اپنی کمائی اور مصنوعات تو یقیناً اس کی ملکیت ہوں گی، ارشاد ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾

''جو مرد کمائیں، وہ مردوں کا حصہ ہے اور جو عورتیں کمائیں، وہ عورتوں کا حصہ ہے۔''

اشتراکیت کے اُصولِ نفی ملکیت سے اسلام کا معاشی، تمدنی اور عمرانی ہر قسم کا نظام منہدم ہوجاتا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾ ''قرابت دار کو اس کا حق دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی، مال کو بے موقع نہ اڑانا۔''

ظاہر ہے کہ ان حقوق کی ادائیگی، اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب کوئی چیز کسی کی ملکیت میں ہو اگر ہر چیز غیر کی ملکیت میں ہو اور کمانے والے کو صرف اس کی ضرورت کے مطابق حصہ ملے تو وہ دوسروں کے حقوق کیسے ادا کرسکتا ہے۔

یہی حال، ترکہ اور وراثت کے احکام کا ہے جس پر ذاتی ملکیت کی [غیر] موجودگی میں عمل ہو ہی نہیں سکتا، حکم ہے: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾ ''ہر ایسے مال کے لئے جسے والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں ہم

نے وارث مقرر کردیئے ہیں اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں، ان کو ان کا حصہ دو۔'' (ماہنامہ طلوعِ اسلام: جولائی ۳۹ء، ص ۵۹ تا ۵۷)

''﴿اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ (۲/۲۶۷) 'اپنی کمائی میں سے عمدہ چیز کو خرچ کرو' میں مَا كَسَبْتُمْ سے مطلب ہی یہی ہے کہ جو کچھ تم کھاتے ہو، وہ تمہاری ملکیت ہے۔'' (جولائی ۳۹ء، ص ۶۰)

سورۂ توبہ میں ہے: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ اس آیت میں صدقہ سے کیا مراد ہے؟ علما کے نزدیک مراد 'زکوٰۃ' ہے۔ آج 'مفکرِ قرآن' جناب پرویز صاحب، اس کی تردید کرتے ہیں، مگر ایک زمانہ تھا کہ وہ خود بھی اس سے زکوٰۃ ہی مراد لیا کرتے تھے:

''اشتراکیت کے حامی کہہ سکتے ہیں کہ جب کسی کا سرمایہ جائیداد، کمائی، وِرثہ سب کچھ حکومت لے لے، تو یہ انفاق کی وہ حد ہے جس سے بڑھ کر قربانی اور ایثار کی کوئی مثال نہیں ہوسکتی، لیکن اسلامی انفاق، جو (تقویٰ پر مبنی ہے) اور اس قسم کے جبر میں بڑا فرق ہے، اسلام نے بھی ایک ٹیکس (زکوٰۃ) مقرر کیا ہے جو بہرحال وصول کیا جاتا ہے: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ (۹/۱۰۳) ''ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے کہ اس سے یہ ظاہر و باطن میں پاک ہوجائیں گے اور پھر ان کے لئے دعا کیجئے۔'' (جولائی ۳۹ء: ص ۶۱)

اس زمانہ میں قُلِ الْعَفْوَ کے معنی وہ نہیں تھے جو آج بیان کئے جاتے ہیں۔ آج تو اس کا مفہوم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ''زائد از ضرورت' سب مال کا انفاق کر ڈالو'' لیکن اُس زمانہ، سارا مال خرچ کرنا کیا معنی، انفاق کا سرے سے یہ معنی ہی نہ تھا جو آج کیا جاتا ہے، یعنی 'کھلا رکھنا'۔ دنیا میں ایسی ڈکشنری، اس وقت شائع ہی نہ ہوئی تھی، جو انفاق بمعنی 'کھلا رکھنا' واضح کرے:

''لیکن ساتھ ہی، اس نے خیرات کا حکم بھی دیا ہے جس میں جبر و اکراہ کو دخل نہیں: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ، قُلِ الْعَفْوَ﴾ (۲/۲۱۹) ''آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے کہ جتنا آسان ہو۔'' (جولائی ۳۹ء: ص ۶۱)

جمع شدہ یا بچی ہوئی رقم پر، ڈھائی فیصد زکوٰۃ جس کا آج پرویز صاحب مذاق اُڑاتے ہیں، کسی زمانے میں وہ خود نہ صرف یہ کہ اس کے معترف تھے، بلکہ جزیہ پر اعتراض کرنے والے غیر مسلموں کو وہ زکوٰۃ ہی کے حوالے سے جواب دیا کرتے تھے:

''سب سے بڑا الزام جزیہ کے متعلق عائد کیا جاتا ہے اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ غیر مسلم رعایا سے یہ 'جرمانہ' ان کے مسلمان نہ ہونے کے جرم کی بنا پر وصول کیا جاتا تھا حالانکہ اس کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے۔ مسلمانوں کو اپنی آمدنی (آمدنی نہیں بلکہ بچت ...... قاسمی) کا چالیسواں حصہ حکومت کو ادا کرنا پڑتا تھا اور اس کے علاوہ ہر قسم کی فوجی خدمت بھی ان کے ذمہ تھی۔ غیر مسلم رعایا جو ان کے زیرِ حکومت رہتی تھی، ان کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمان حکومت پر لازم تھی، وہ فوجی خدمت

سے مستثنیٰ تھے۔ اگر ان سے اس حفاظت کے اخراجات کی مد میں کچھ وصول کر لیا جائے جو مسلمانوں کی زکوٰۃ سے بھی کم تھا تو اس میں اندھیر کیا ہے؟ عورتیں، بچے، بوڑھے، اپاہج اور مذہبی رہنما اس سے مستثنیٰ تھے۔

اور پھر اس جزیہ کی مقدار کتنی تھی؟ معمولی حیثیت والے سے ۳عے سالانہ، متوسط درجے والے سے ۸عے اور اس سے آگے خواہ کوئی کروڑ پتی ہو، زیادہ سے زیادہ ۱۲/ روپے سالانہ، حالانکہ ایک کروڑ پتی مسلمان سے کم از کم اڑھائی لاکھ روپے سالانہ بطورِ زکوۃ وصول کیا جائے گا۔ صدقات وخیرات اس کے علاوہ ہوں گے اور اس مالی قربانی کے ساتھ ساتھ جب ضرورت لاحق ہوگی تو یہ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں بھی شریک ہوگا اور ذِمی رعایا کے مال، جان، مذہب، معابد کی حفاظت کرے گا یعنی ایک ذِمی رئیس، بارہ روپیہ ادا کرکے نہایت اطمینان سے اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا اور اسی حیثیت کا ایک مسلمان اڑھائی لاکھ روپیہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اسی ذِمی کے محافظ کی حیثیت سے میدانِ کارزار میں دشمن کی شمشیر وسناں کا مقابلہ بھی کرے گا۔ دشمن کی گولیاں ہوں گی اور مسلمانوں کا سینہ جو غیر مسلم رعایا کی حفاظت کے لئے سپر کا کام دے گا۔

مسلمانوں سے پیشتر ساسانیوں نے عیسائی رعایا پر جو ٹیکس لگا رکھا تھا، وہ ساسانی رعایا سے دگنا تھا اور اس کے جواز میں شاہ ساپردوم نے کہا تھا کہ لڑائی ہمیں لڑنی پڑتی ہے اور یہ مزے میں بیٹھے رہتے ہیں۔ دُگنا کیوں نہ دیں۔'' (جون ۳۹ء:ص ۴۸)

ذاتی ملکیت کا اُصول، جب افرادِ معاشرہ کی متفاوت اکتسابی صلاحیتوں کے ساتھ مقرون ہوتا ہے تو تفاضل فی الرزق ایک لازمی نتیجہ کے طور پر واقع ہوتا ہے۔ یہ حقیقت بھی، کسی زمانہ میں پرویز صاحب کو مسلم تھی، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''قرآن کی رو سے ایک دوسرے پر رزق میں فضیلت جائز ہے: ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِیْ الرِّزْقِ﴾ (۱۶/۷۱) ''اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر باعتبارِ رزق فضیلت دی ہے'' اور وہ غلام اور آزاد میں یہی فرق بتاتا ہے کہ آزاد اپنی محنت کے ماحصل کا مالک ہوتا ہے، غلام کو اس پر کوئی اختیار نہیں ہوتا: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْئٍ وَمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا﴾ ''اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے، ایک غلام ہے، دوسرے کی ملک؛ وہ خود کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا، اور ایک دوسرا آدمی ہے جسے ہم نے اپنے فضل سے نہایت عمدہ روزی دے رکھی ہے۔ وہ ظاہر پوشیدہ جس طرح چاہتا ہے، اسے خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟'' ...... رزق میں مختلف مدارج اسلئے ضروری ہیں کہ دنیا کا کاروبار چل ہی اس انداز سے سکتا ہے، تقسیم عمل کے لئے اختلافِ مدارج لاینفک ہے: ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِیْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ ''دنیاوی زندگی میں ان کی روزی ہم ہی تقسیم کرتے ہیں اور

ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔''
(معارف القرآن، جلد اول، ص۱۲۱)

قرآنی تعلیمات کی اساس پر صحابہ کا جو اوّلین معاشرہ وجود میں آیا، خود اس معاشرے میں بھی افراد کے درمیان معاشی تفاوت موجود تھا، اس پر پرویز صاحب کی بہت سی تحریریں گواہ ہیں:

''مالی تفوق کے اعتبار سے خود دورِ صحابہ میں بھی مختلف طبقات موجود تھے۔ حضرت زبیر بن العوامؓ کے کاروبار میں ایک ہزار مزدور روزانہ کام کرتے تھے۔ حضرت طلحہؓ کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی تجارتی ترقی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار ان کا قافلہ مدینہ میں آیا تو اس میں سات سو اونٹوں پر صرف اشیاءِ خوردنی لد رہی تھیں، لیکن مسلمانوں میں ان ہستیوں کا نام اگر آج تک صلوٰۃ و سلام کے ساتھ لیا جاتا ہے تو اس کی وجہ ان کی دولت وثروت نہیں، بلکہ ان کا وہ ایمان، تقویٰ، اعمالِ صالحہ، ایثار وقربانی ہیں جو آنے والی نسلوں کے لئے انہوں نے بطورِ نمونہ کے یادگار چھوڑا ہے۔ انہی متمول صحابہ کے ساتھ ساتھ اصحابِ صفہ جیسے مفلوک الحال حضرات کا نام بھی آج تک مسلمانوں کیلئے باعثِ افزائشِ ایمان وعمل ہے۔'' (جولائی ۳۹ء: ص ۶۹)

غزوۂ تبوک کے موقع پر صحابہ کے جیش العُسرۃ کی تیاری میں، ان کے معاشی تفاوت و تفاضل کی کیفیت بالکل اُجاگر ہوجاتی ہے:

''یہ معرکہ، اخلاص ومنافقت کی امتحان گاہ تھا چنانچہ ایک طرف صحابہ کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ کسی کے پاس تھا، لے کر حاضر ہوگیا۔ حضرت عثمانؓ نے نو سو اونٹ، ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے چالیس ہزار درہم دیئے۔ حضرت عمرؓ کئی ہزار روپے کا نقد و جنس لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے گھر میں اللہ اور رسولؐ کی محبت کے سوا کچھ بھی چھوڑ کر نہ آئے۔ حضرت ابوعقیل انصاریؓ نے دو سیر چھوہارے لاکر حاضر کردیئے اور عرض کیا کہ رات بھر کسی کے کھیت پر مزدوری کرکے چار سیر چھوہارے حاصل کئے تھے، دو سیر بال بچوں کو دے آیا ہوں اور دو سیر خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں۔'' (معارف القرآن: جلد چہارم، ص۵۸۰)

ذہنی تغیر کا دورِ پرویز: ان سب اُمور کے اعتراف کے بعد پرویز صاحب پر ایک دوسرا دور بھی آیا جب وہ شاہراہِ اسلام پر سے پھسل کر اشتراکیت کے گڑھے میں گرتے ہیں، تو اس گندے کیڑے کی طرح جو غلاظت میں پلنے اور نشوونما پانے کے باعث، تعفن اور بدبو ہی کو اپنی فطری فضا سمجھ لیتا ہے، اب وہ اسی اشتراکیت پر قرآن کا ٹھپہ لگا کر 'نظامِ ربوبیت' کے نام سے پیش کرتے ہیں جسے کبھی وہ اسلام کے منافی قرار دیا کرتے تھے۔ اب قرآن کی ہر آیت کا مفہوم بدلنا شروع ہوجاتا ہے اور ہر اصطلاحِ قرآن بلحاظِ مفہوم متغیر ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ الغرض اشتراکیت کی عینک جب 'مفکرِ قرآن' کے کانوں کو اپنی گرفت میں لے کر ان کی ناک پر سوار ہوجاتی ہے تو قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخ کی ہر چیز ایک دوسرے ہی

رنگ میں نظر آتی ہے۔ اشتراکیت کے بچھڑے کی محبت، جب قلب و دماغ میں رَچ بس جاتی ہے تو محاورۂ عرب کے نام پر قرآنی مفردات میں کس طرح نئے مفاہیم ٹھونسے جاتے ہیں اور آیات اللہ میں کس طرح نئی تعبیرات گھسیڑی جاتی ہیں اور تاریخ کے مسلمہ واقعات کو کس طرح پایۂ حقارت سے ٹھکرایا جاتا ہے، اسے درج ذیل اقتباسات میں ملاحظہ فرمائیے:

> ''صحیح نظامِ زندگی یہ ہے کہ تم اکتسابِ رزق کے لئے زیادہ سے زیادہ محنت کرو، اور اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق رکھ لو اور باقی سب دوسروں کی پرورش کے لئے عام کردو۔''
>
> ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (۲/۲۱۹) ''تم سے پوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر دوسروں کے لئے 'کھلا رکھیں'؟ ان سے کہہ دو کہ جس قدر تمہاری ضرورت سے زائد ہے، سب کا سب۔'' ('اسلام کیا ہے؟' ص ۱۴۵)

پرویز صاحب کے ذہنی پلٹاؤ کے ساتھ ہی دنیا میں پہلی ڈکشنری چھپ گئی جس میں، انفاق کا معنی 'خرچ کرنا' نہیں بلکہ 'کھلا رکھنا' بیان کیا گیا اور اسی طرح "العفو" کا مفہوم بھی ذہنی تغیر کے ساتھ ہی تبدیل ہوگیا۔ پرویز صاحب کے سابقہ دور میں مفہوم آیت کیا تھا؟ یہ بھی دیکھ لیجئے:

> ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (۲/۲۱۹) ''آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے کہ جتنا آسان ہو۔'' (جولائی ۳۹ء: ص ۶۱)

قُلِ الْعَفْوَ کے جدید مفہوم کی اساس پر نظامِ ربوبیت، جو اشتراکیت ہی کا 'قرآنی ایڈیشن' ہے، کی عمارت استوار کی گئی۔ اب 'زائد از ضرورت' مال و دولت کی موجودگی بھی خلافِ قرآن قرار پا گئی اور زمین کی شخصی ملکیت بھی، نہ صرف خلافِ قرآن، بلکہ کفر و شرک قرار پا گئی:

> ''قرآنِ کریم کی رو سے زمین (وسائل پیداوار) پر ذاتی ملکیت کا تصور ہی باطل اور شرک کے مترادف ہے۔'' (مئی ۶۸ء: ص ۱۷)

اب وہ آیات جو تفاضل فی الرزق پر دلالت کرتی ہیں، ان کا مفہوم بھی بدل گیا۔ مثلاً آیت (۱۶/۷۱) کے ابتدائی جملہ کا ترجمہ اب یہ قرار پایا:

> ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ......﴾ (۱۶/۷۱) ''مختلف افراد میں، اکتسابی استعداد کا تفاوت، خدا کی طرف سے ہے (تمہارا اپنا پیدا کردہ نہیں)۔'' (نظامِ ربوبیت: ص ۱۳۲)

جبکہ سابقہ دورِ پرویز میں ان الفاظ کا ترجمہ یہ تھا...... ''اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر باعتبارِ روزی کے برتری دی ہے۔'' (معارف القرآن: جلد اول، ص ۱۲۱)

رہا صحابہ کے درمیان، معاشی تفاوت اور تفاضل، تو اسے اب یہ کہہ کر ردّ کردیا گیا کہ جب قرآن، قُلِ الْعَفْوَ کے حکم کی بنا پر کسی کے پاس فاضلہ دولت رہنے ہی نہیں دیتا اور اپنی 'زائد از ضرورت دولت'

سے ہر ایک کو دست کش ہونا پڑتا ہے، تو پھر وہ تمام روایاتِ تاریخ جو صحابہ کے معاشی تفاضل و برتری کا ذکر کرتی ہیں، قرآن سے متصادم ہو جاتی ہیں؛ لہٰذا

''جب بھی قرآن کے کسی بیان اور عہد محمد رسول اللہ ﷺ والذین معہ کی تاریخ کے کسی واقعہ میں تضاد نظر آئے تو قرآن کے بیان کو صحیح اور تاریخ کے واقعہ کو غلط قرار دینا چاہئے'' (جولائی ۵۹ء،ص ۱۲)

اور اسے اسی کثرت سے طلوعِ اسلام میں بتکرار دہرایا گیا کہ ؏

تھا جو ناخوب ، بتدریج وہی خوب ہوا !!

اب سوال پیدا ہوا کہ کیا عہدِ نبوی میں زمین پر شخصی ملکیت کا خاتمہ کیا گیا تھا؟ کیونکہ 'نظامِ ربوبیت' کے نفاذ کی راہ میں اس سوال سے سابقہ پیش آنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ اس کا جواب ڈھونڈنے کے لئے قرآن کی ورق گردانی شروع ہوئی۔ نگاہ مطلب جو، سورۃ الرعد اور سورۃ الانبیاء کی ان دو آیات پر ٹکی جن کے الفاظ ایک جیسے ہیں۔ اگرچہ ان سے زمین کی شخصی ملکیت کا خاتمہ تو ثابت نہ ہوسکا، البتہ خدع وفریب کے ہتھیار استعمال کرتے ہوئے اوّل مرحلے پر 'زمینی ملکیتوں کی حد بندی' کشید کر ڈالی گئی۔ دونوں آیات مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

﴿ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِیۡ الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا﴾ (۱۳/۴۱) ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان (ظالموں) پر ہر طرف سے زمین تنگ کرتے چلے آرہے ہیں۔'' اور

﴿ اَفَلَا یَرَوۡنَ اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا اَفَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ﴾ (۲۱/۴۴)

''کیا یہ کفار نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو تمام سمتوں سے ان پر تنگ کرتے چلے آرہے ہیں، کیا وہ غالب ہوں گے؟''

آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ آیت میں تو 'رقبہ ہائے اراضی کی حد بندی' کی سرے سے کوئی بات ہی نہیں ہے، پھر آخر اس سے یہ مطلب کیسے نچوڑ لیا گیا؟ لیکن اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؛ مفکر ِقرآن، لغت ہائے حجازی کے قارون بھی ہیں، اس قارونی خزانے سے وہ خود فائدہ نہ اُٹھائیں تو اور کون اٹھائے گا۔ لغوی موشگافیوں کے نتیجہ میں آیت کا ترجمہ وہ نہیں رہ گیا جو اوپر درج ہے، بلکہ اس کا ترجمہ یوں قرار پایا:

''کیا یہ لوگ اس حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ ہم کس طرح زمین کے رقبوں کو جاگیرداروں کی ملکیت سے کم کرتے جاتے ہیں......'' (۱۳/۴۱) (نظامِ ربوبیت:ص ۴۰۰)

''سورۃ الانبیاء میں کہا ہے کہ انہیں اور ان کے آباء واجداد کو زمین متاعِ حیات حاصل کرنے کے لئے ملی تھی۔ اس پر زمانہ گزر گیا تو انہوں نے اس پر قبضہ مخالفانہ جما لیا۔ اب ہم آہستہ آہستہ اسے ان کے ہاتھوں سے نکال رہے ہیں۔ ہمارے اس پروگرام کی تکمیل ہو کر رہے گی۔ یہ ہمیں مغلوب

نہیں کرسکیں گے۔'' (شاہکارِ رسالت: ص ۳۴۵)

میں اگر پرویز صاحب کے اس تحریفی کارنامے کی قلعی کھولنے کے لئے لغوی اور صرفی ونحوی طور پر اغلاط پرویز کو واضح کروں تو اس کا فائدہ نہیں، کیونکہ 'مفکرِ قرآن' کو خوش نصیبی سے ایسے اندھے عقیدت مند میسر آئے ہیں جو ان کے ہر تحریفی کارنامے کو ایسا 'علمی نکتہ' قرار دیتے ہیں، جس پر 'ملا' نے اب تک پردے ڈال رکھے تھے۔ اس لئے میں بغیر کسی لمبی چوڑی بحث میں پڑے، ان ہی آیات کے وہ صحیح تراجم پیش کئے دیتا ہوں جو سابقہ دور میں خود انہوں نے کئے تھے:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الارْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ (۱۳/۴۱)

''پھر کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم اس سرزمین کا قصد کر رہے ہیں؟ اسے اطراف سے گھٹا کر (ظالموں پر) اس کی وسعت تنگ کر رہے ہیں، اور جو فیصلہ اللہ کرتا ہے کوئی نہیں جو اسے ٹال سکے، وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔'' (معارف القرآن: جلد اوّل، ص ۴۷۴)

﴿ بَلْ مَتَّعْنَا هٰؤُلَآءِ وَاٰبَاءَ هُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغَالِبُوْنَ﴾ (۲۱/۴۴)

''اصل یہ ہے کہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو (فوائدِ زندگی سے) بہرہ ور ہونے کے موقعے دیے۔ یہاں تک کہ (خوش حالیوں کی سرشاری میں) ان کی بڑی بڑی عمریں گزر گئیں (اور اب غفلت ان کی رگ رگ میں رچ گئی ہے) مگر کیا یہ لوگ نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو چاروں طرف سے ان پر تنگ کرتے ہوئے چلے آرہے ہیں؟ پھر کیا وہ (اس مقابلہ میں) غالب ہو رہے ہیں؟'' (معارف القرآن: جلد سوم، ص ۶۶۳)

الغرض، پرویز صاحب کے تضادات وتناقضات کو کہاں تک بیان کیا جائے ؎

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے !

....

جس طرح قرآن کے عجائبات کی کوئی حد تک نہیں، اسی طرح جناب پرویز صاحب کے تضادات کی کوئی انتہا نہیں !!

'مفکرِ قرآن' کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ ہر وہ چیز، جو ان کے مزعومات کے خلاف ہو، وہ اسے خلافِ قرآن قرار دے کر، اپنے قاری کو تذبذب کے گرد وغبار میں ایک ایسے دوراہے پر کھڑا کر دیتے ہیں جہاں اسے 'قرآنی' یا 'غیر قرآنی' راستے میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ بغیر اس کے کہ وہ سوچ بھی سکے کہ جسے 'قرآنی راستہ' کہا جا رہا ہے۔ وہ فی الواقعہ قرآنی راستہ ہے بھی یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ

کسی 'شیطان' نے یونہی اس پر 'قرآنی راستہ' کا سائن بورڈ آویزاں کر دیا ہوتا کہ بندگانِ خدا کو اپنے جہنم میں لے جائے؛ ٹھیک اس تکنیک پر عمل پیرا ہوتے ہوئے، وہ پہلے یہ وعظ فرماتے ہیں:

''قرآن کا دعویٰ ہے کہ ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (۴/۸۲) ''اگر قرآن، اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے۔'' بالفاظِ دیگر قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں...... اس نے اپنے نزول کا مقصد یہ بتایا ہے کہ ﴿وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ (۱۶/۶۴) ''اس کتاب کو نازل ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، انہیں نمایاں طور پر واضح کیا جائے۔'' ......اس نے مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْئٍ فَحُكْمُهُ اِلَى اللّٰهِ﴾ (۴۲/۱۰) ''جس بات میں بھی تم میں اختلاف ہوجائے، اس کا فیصلہ اللہ کی کتاب (کتاب نہیں بلکہ وحی......قاسمی) سے کرا لیا کرو۔'' (اگست ۵۹ء: ص ۶)

پھر اس وعظ کی اگلی خوراک، بایں الفاظ دی جاتی ہے:

''اب ظاہر ہے کہ جس کتاب کا اپنے متعلق یہ دعویٰ ہو، اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اختلافات مٹانے کی صلاحیت نہیں رکھتی، دو میں سے ایک بات کو ثابت کر دیتا ہے یعنی (۱) یا تو یہ کہ اس کتاب کا (معاذ اللہ) دعویٰ غلط ہے اور یا یہ کہ (۲) ایسا کہنے والے جھوٹے ہیں۔''

پھر اس وعظ کی آخری خوراک کے ذریعہ، تلاشِ حق کے مسافر کے ذہن میں، جو متذبذب کھڑا ہے یہ نتیجہ اِلقا کیا جاتا ہے:

''پہلی بات تو کوئی مسلمان (ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے) کبھی تسلیم نہیں کرسکتا، لہٰذا بات دوسری ہی ہے یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کے مطابق چلنے کے باوجود اختلافات نہیں مٹ سکتے، وہ جھوٹ بولتے ہیں اور قرآن پر بہتان باندھتے ہیں بلکہ اس کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔'' (اگست ۵۹ء: ص ۶)

حالانکہ ان دو شقوں کے علاوہ ایک تیسری شق بھی ہے یعنی یہ کہ...... ''قرآن کا جو مفہوم آپ نے بیان کیا ہے، وہ غلط ہو؛ اور اختلاف اسی مفہوم کی وجہ سے لازم آتا ہو'' ......اور اصل حقیقت بھی یہی ہے۔

تعبیراتِ قرآنیہ کے یہ وہ اختلافات ہیں، جو دو گروہوں کی طرف سے نہیں بلکہ اہل قرآن کے صرف ایک فرقہ کے قائد کی طرف سے وقتاً فوقتاً صادر ہوتے رہے ہیں۔ اور یہ بھی چند ایک بطورِ نمونہ مشتے از خروارے ہیں، جو شخص بھی خالی الذہن ہو کر ان حقائق پر غور کرے گا، اسے یہ حقیقت پا لینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی کہ پرویز صاحب کی ساری زندگی تضادات کا مجموعہ ہے۔ اگر ان کے جملہ تضادات کو یکجا کیا جائے تو اچھی خاصی ضخیم کتاب مرتب ہوجائے گی (اور فی الواقعہ میرا ارادہ یہ ہے کہ میں

'پرویز صاحب کا تضاداتی اسلام' کے عنوان سے ایسا کر ہی دوں)۔ ان تضادات سے آپ خود اندازہ لگا لیجئے کہ ان کا آج کا قرآن، ۱۹۴۷ء سے قبل کے قرآن سے کس قدر مختلف ہے۔

قرآن تو جبرئیلؑ لایا، مگر اس کی مراد و مقصود کو طے کرنے کا معاملہ درپیش ہوا تو شیطان نے اپنے کرتب دکھائے، اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ قرآن بازیچہ اطفال بنا، زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن آئے، حرفِ شیریں کی تعبیر و تفسیر، پرویزی حیلوں کے ہتھے چڑھ گئی۔ جبرئیلؑ و ابلیس میں آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے ہو رہے تھے۔ زمین اس بدبختی پر روتی تھی، تقدیر ہنستی تھی، پرویزی ہتھکنڈوں نے کتاب اللہ کو تضادات کا ایسا پلندہ بنا دیا کہ ہر بہرے کو یہ سنائی دینے لگا اور ہر اندھے کو یہ دکھائی دینے لگا کہ پرویز کا آج کا قرآن کل کے قرآن سے کس قدر مختلف ہے اور پھر

جھوٹ بھی اور تحدی و تعلّی بھی!

کس قدر جرأت اور دیدہ دلیری کے ساتھ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ

> ''میں نے جو کچھ ۱۹۳۸ء میں کہا تھا، ۱۹۸۰ء میں بھی وہی کچھ کہتا ہوں کیونکہ یہ قرآنی حقائق پر مبنی ہے اور قرآنی حقائق ابدی اور غیر متبدل ہیں......قرآن کو حجت اور سند ماننے والے کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ آج کچھ کہہ دے اور کل کچھ اور۔ قرآن کا متبع، نہ مداہنت کرسکتا ہے، اور نہ کسی سے مفاہمت۔'' (دسمبر ۸۰ء: ص ۶۰)

اور پھر بڑے فخر سے اشعارِ اقبال کا خود کو مصداق بنا کر پیش کیا جاتا ہے: ؎

کہتا ہوں وہی بات، سمجھتا ہوں جسے حق نہ ابلہ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں، بیگانے بھی ناخوش میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند
مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش
خاشاک کے تودے کو کہے کوہ دماوند

(ماہنامہ طلوعِ اسلام: دسمبر ۸۰ء ص ۶۰)

پھر بات صرف اتنی ہی نہیں کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب عمر بھر مختلف اور متضاد تعبیریں کرتے رہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر وہ یہ دعویٰ بھی کرتے رہے ہیں (جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے بھی واضح ہے) کہ ان کی جملہ کتب میں کوئی تضاد و تناقض پایا ہی نہیں جاتا، گویا جس طرح قرآن اختلاف سے بالاتر ہے، اس طرح پرویزی تعبیرات بھی تضاد سے مبرا ہیں، کس قدر تحدی، تعلّی اور پندارِ نفس سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ

> ''طلوعِ اسلام ۱۹۳۸ء میں جاری ہوا، اور تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۸ء سے اب تک مسلسل اور متواتر پابندیٔ وقت کے ساتھ جاری رہا۔ قرآنی رہنمائی اور علم انسانی کی روشنی میں زمانے کے تقاضوں اور

حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لینا اس کا مشن ہے۔اس کی اشاعتوں کے انبار میں سے آپ کوئی سے دو پرچے اُٹھا لیجئے؛ جہاں تک قرآنی فکر کا تعلق ہے، آپ کو اس میں کوئی تضاد، کوئی تخالف نہیں ملے گا یہ اس لئے کہ قرآنِ کریم کی رو سے اس کے من جانب اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں کوئی تضاد نہیں، کوئی اختلاف نہیں۔اس لئے جو کچھ قرآنی رہنمائی میں کہا جائے گا، اس میں بھی کوئی تضاد و تخالف نہ ہوگا۔" (جولائی ۸۴ء:ص ۳۳)

سبحان اللہ! کیا کہنے، 'مفکر قرآن' کی تعبیرات کے! کس قدر، ان کی شان بلند ہے کہ قرآن ہی کی طرح، اختلاف سے بالاتر ہیں۔احادیثِ رسول میں اختلافات ہیں مگر تعبیراتِ پرویز، مبرا از اختلافات ہیں۔ نبیؐ تو اپنی تیئس (۲۳) سالہ پیغمبرانہ زندگی میں (معاذ اللہ) قرآن کی تشریح و تبیین کرتے ہوئے اختلافات سے محفوظ نہ رہ سکا۔مگر پرویز صاحب نے عمر بھر جو قرآنی تعبیرات پیش کی ہیں، ان میں نہ تضاد ہے نہ تخالف۔ رسولِ خدا ﷺ معصوم ہو کر بھی (معاذ اللہ) تبیینِ قرآن میں تضادات سے نہ بچ سکے مگر پرویز صاحب غیر معصوم ہو کر قرآنی تشریحات میں تضاد سے محفوظ رہے: ﴿يَا لَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾

دھڑکنا بند کر اے دل، نظر کے نور گم ہو جا
وہ بے غیرت ہے جو اس دور کے شام و سحر دیکھے!

....

علماءِ کرام کے خلاف تعلّیاتِ پرویز

آخر پرویز صاحب کے ان تضادات و تناقضات کا کوئی کہاں تک تعاقب کرے؟ علما کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ قرآن وسنت کی خدمت کی روش سے ہٹ کر پرویز صاحب کے تضادات کے خارزار میں آبلہ پائی کریں۔لیکن علماء کرام کی یہ روش خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے ہو، اس سے شیطان کو اس بات کا موقع مل گیا کہ 'مفکرِ قرآن' کی پیٹھ پر تھپکی دے کر اسے اس زعم باطل میں مبتلا کر دے، کہ "تمہارے 'دلائل' کا جواب، کسی سے بن پڑ ہی نہیں سکتا" پھر ہمارے 'مفکرِ قرآن' پندارِ نفس، غرور، علم اور عزت الاثم کی بلندیوں پر پرواز کرتے ہوئے، بتکرار یہ اعلان کیا کرتے تھے کہ

"ملا کے پاس نہ علم ہوتا ہے، نہ بصیرت؛ نہ دلائل ہوتے ہیں نہ براہین" (۵ فروری ۱۹۵۵ء ص ۴)

"ان کے پاس طلوعِ اسلام کے دلائل کا کوئی جواب نہ تھا، اس لئے انہوں نے اس سلسلہ میں وہی ٹیکنیک اختیار کی جو ہامانیت کا بنیادی خاصہ ہے یعنی انہوں نے پراپیگنڈہ شروع کر دیا، کہ طلوعِ اسلام منکرِ سنت ہے، منکرِ شانِ رسالت ہے۔" (مئی ۷۲ء:ص ۲۸)

طلوعِ اسلام کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹے کو جھوٹا، خائن کو خائن، منافق کو منافق اور 'منکر حدیث' کو 'منکر حدیث' نہ کہا جائے کہ یہ 'اخلاقاً' بری بات ہے اور 'خلافِ تہذیب' ہے۔ کیا خوب کہا تھا اکبر الٰہ آبادی نے کسی ایسے ہی موقع پر ؎

مغوی کو برا مت کہو ترغیب ہے یہ
میں کس سے کہوں نفس کی تخریب ہے یہ
شیطان کو رحیم کہہ دیا تھا اِک دن!
اک شور اٹھا خلافِ تہذیب ہے یہ

بہرحال یہ تو جملہ معترضہ ہے، تعلیاتِ پرویز کا سلسلہ جاری ہے، وہ لکھتے ہیں:

''مولوی صاحبان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا، انہوں نے اسی میں عافیت سمجھی تو 'طلوعِ اسلام' کو 'منکرِ سنت' قرار دے دیا جائے اور پرویز صاحب کے خلاف کفر کے فتوے لگا دیے۔''
(جون ۷۳ء: ص ۱۲)

''اس کے (پرویز صاحب...... قاسمی) اعتراضات کا ان کے (علما کے ......قاسمی) پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس کے لئے انہوں نے اپنا دیرینہ حربہ استعمال کیا یعنی اسے 'منکرِ حدیث' قرار دے کر اس کے خلاف کفر کے فتوے صادر کردیے۔'' (جولائی ۸۴ء: ص ۵۷)

پرویز نے اپنے خلاف علماء کے فتوے کو تو خوب اُچھالا ہے کہ انہوں نے اسے منکرِ سنت قرار دیا تھا۔ لیکن خود انہوں نے علماء کے خلاف...... بلکہ اپنے گروہ کے سوا، باقی سب کے خلاف...... منکرِ قرآن ہونے کا جو فتویٰ دیا تھا، اس کی کبھی ایسی تشہیر نہیں کی۔ چنانچہ کارل مارکس کی 'اشتراکیت' پر جب قرآن کا ٹھپہ لگا کر 'نظامِ ربوبیت' کے نام سے پیش کیا تو اس وقت فرمایا:

''لیکن اس آواز کی مخالفت، تمام منکرین قرآن کی طرف سے ہوگی۔'' (نومبر ۵۲ء: ص ۸)

''......ظاہر ہے کہ اس جواب کے بعد نہ قرآن ہی قابل یقین رہتا ہے نہ احادیث اور یہی منکرین قرآن کا مقصود تھا۔'' (نومبر ۵۲ء: ص ۶۶)

یتیم پوتے کی میراث کی بحث میں، مولانا مودودی پر خاص طور پر منکرِ قرآن کا فتویٰ لگاتے ہوئے، ان کا اقتباس پیش کرنے سے قبل، یہ لکھا کہ

''طلوعِ اسلام نے اپنی سابقہ اشاعت میں قرآنی دلائل سے ثابت کیا کہ یتیم پوتا اپنے دادا کی وراثت سے محروم نہیں ہوسکتا۔ اس کے جواب میں منکرین قرآن کی طرف سے جو جواب شائع ہوا وہ ملاحظہ فرمایئے......'' (اکتوبر ۵۲ء: ص ۵۸)

پرویز کی تعبیرات......احکامِ قرآن میں

حقیقت یہ ہے کہ وہ قرآنی الفاظ وآیات میں اپنے طبع زاد مفاہیم وتصورات گھسیڑا کرتے تھے، اور پھر ان خودساختہ قرآنی تعبیرات کو ردّ وقبول کا معیار قرار دیا کرتے تھے، حالانکہ آیات والفاظِ قرآن تو واقعی منزل من اللہ ہیں، لیکن انسانی تعبیراتِ قرآنیہ منزل من اللہ نہیں بلکہ بشری تشریح کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ بات خود پرویز صاحب کو مسلم تھی :

''دین میں حجت، قرآنِ کریم کا متن ہے، نہ کہ کسی انسان کی تشریح، تفسیر یا تعبیر۔''
(اگست ۶۸ء: ص ۳۰)

اب ظاہر ہے کہ علما اگر پرویز صاحب کی تعبیر کا انکار کرتے ہیں تو وہ ایک انسان کی تعبیر قرآن کا انکار کرتے ہیں نہ کہ نفس قرآن کا۔ لیکن 'مفکرِ قرآن' اپنے آپ کو ایسے بلند مقام پر فائز سمجھتے تھے کہ اگر کوئی ان کی تعبیر کا انکار کرتا تو وہ اسے قرآن کا منکر اور مخالف قرار دیا کرتے تھے۔

''میں بلاتشبیہ اور بلاتمثیل عرض کرنے کی جرات کروں گا کہ یہ لوگ میری مخالفت نہیں کرتے، کتاب اللہ کی مخالفت کرتے ہیں۔'' (دسمبر ۷۸ء: ص ۵۲)

وہ اپنے جی سے مفہوم گھڑ کر منسوب الی القرآن کیا کرتے تھے اور پھر اسے 'قرآنی معیار' قرار دے کر یہ کہا کرتے تھے کہ

''ہمارا مقصد صرف قرآنی حقائق بیان کرنا ہے، اس سے اگر کسی مروّجہ عقیدے یا کسی کے دعوے پر زَد پڑتی ہے تو اس کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس باب میں مدعی قرآن ہے، ہمارا فریضہ قرآن کے دعاوی کو پیش کرنا ہے اور بس......'' (جنوری ۸۵ء: ص ۲۱)

اتباعِ پرویز اور تضاداتِ پرویز

پرویز صاحب کے ان تعبیری تضادات کو دیکھئے اور پھر داد دیجئے۔ پرویز صاحب کے اندھے مقلدین کو جو یہ شور مچایا کرتے تھے کہ

''پرویز صاحب کی تحریروں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ نہ کبھی پرانی ہوتی ہیں اور نہ ہی ان میں کہیں تضاد واقع ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں، قرآنِ کریم کی روشنی میں لکھتے ہیں اور قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس کے حقائق کبھی پرانے نہیں ہوتے، نہ ہی ان میں کسی قسم کا تضاد وتخالف ہے۔'' (فروری ۸۳ء: ص ۲۶)

اس سے اندازہ کر لیجئے کہ پرویز صاحب کے واضح، صاف، بین اور چمکتے ہوئے تضادات کے وجود کا صریح انکار، مقلدینِ پرویز کی فکری صلاحیتوں کو کس قدر مفلوج کر چکا ہے۔ وہ پرویز صاحب کو قرآن

میں ایسی اتھارٹی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی متضاد و متخالف تعبیرات میں سے جس تعبیر کو بھی مختلف اوقات میں پیش کیا، اس قومِ 'عمون' نے اسے من وعن قبول کر لیا اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ان کی متضاد اور متناقض تحریروں کی بنا پر کسی تحریر سے، انہوں نے اختلاف کیا ہو۔

پرویز صاحب نے کہا کہ ''اشتراکیت شخصی ملکیت کی قائل نہیں جبکہ اسلام اس کا قائل ہے۔'' سعادت مند مقلدین نے کہا: "اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا" پھر کہا کہ ''اسلام میں شخصی ملکیت کا کوئی وجود نہیں۔'' شاگردانِ نیک بخت نے کہا ''بالکل درست''...... مفکرِ قرآن نے کہا کہ ''قتل عمد میں قصاص (قتل کا بدلہ قتل) دیت اور عفو کے تینوں پہلو موجود ہیں'' پیروکاروں نے کہا ''بجا ارشاد فرمایا'' پھر پینترا بدل کر کہا کہ ''قتل عمد کی سزا صرف قتل ہے، رہے عفو اور دیت کے پہلو، تو ان کا تعلق قتل عمد سے ہے ہی نہیں۔'' انہوں نے کہا ''درست فرمایا''...... مفکر قرآن نے کہا کہ ''اسلام میں ڈھائی فیصد زکوٰۃ امر واقعہ ہے'' یہ بولے "أحسنت ومرحبا" پھر اس کے برعکس یہ کہا: ''یہ ڈھائی فیصد زکوٰۃ تو عجمی اسلام کی سازش کے ذریعہ اُمتِ مسلمہ کے گلے مڑھ دی گئی ہے، بھلا اسلام کا اس سے کیا تعلق؟'' فکر وشعور سے عاری قوم نے کہا "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" ...... الغرض، مفکرِ قرآن عمر بھر جس متناقض قول کو بھی پیش کرتے رہے، مفلوج الفکر مقلدین نے ہر مقام پر یہی کہا:

سرِ تسلیم خم ہے، جو مزاجِ یار میں آئے!

حرام اور قطعی حرام! ...... جو یہ لوگ کبھی ایک مقام پر کھڑے ہو کر سوچیں کہ پرویز صاحب ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ:

''قرآن کو سند اور حجت ماننے والا تو ساری عمر میں دو متضاد باتیں بھی قرآن کی سند سے نہیں کہہ سکتا۔'' (اپریل ۶۷ء:ص ۵۸)

اور دوسری طرف وہ ساری عمر، قرآن کا نام لے کر تضادات کا خارزار ہی پیدا کرتے رہے، لیکن سوچے تو وہ جس کی فکر میں صحت اور سلامتی کی کوئی رمق باقی رہ گئی ہو۔ یہ تو بس بھیڑوں کی قطار ہے جو برسوں سے اس رستے پر چلی جارہی ہے جس پر کبھی کوئی پہلی بھیڑ چل نکلی تھی:

﴿كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً﴾ (البقرۃ:۱۷۱)

'مفکرِ قرآن' کی خوش قسمتی: کیسا خوش قسمت تھا وہ 'مفکرِ قرآن' جسے اس قسم کے پیروکار میسر آ گئے جولب و دہن اور گوش و بصر بند کر کے اس کے پیچھے، اس کی وفات کے بعد بھی اسی طرح چلتے جارہے ہیں جیسے شعرا کے پیچھے 'غاوون' کی ٹولی بھٹکا کرتی ہے۔

ایک نادر شاہی مطالبہ

گذشتہ بحث سے یہ واضح ہے کہ پرویز صاحب مختلف اوقات میں قرآن کی مختلف اور متضاد تعبیریں پیش کرتے رہے ہیں۔ پھر اس پر خود 'مفکرِ قرآن' کا یہ نادر شاہی مطالبہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ

> ''جہاں تک عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ کے دور کا تعلق ہے، ہمیں چاہئے تھا کہ اس تاریخ کو قرآنِ مجید کی کسوٹی پر پرکھتے۔ جو واقعات اس کے مطابق ہوتے انہیں قبول کر لیتے، جو اس کے خلاف جاتے، انہیں وضعی قرار دے کر مسترد کر دیتے۔ یہ اس لئے کہ (خود قرآن مجید کی شہادت کی رو سے) ان حضرت کی زندگی، قرآن کے قالب میں ڈھلی ہوئی تھی، اور وہی ان کی سیرت کی تاریخ کا معیار قرار پا سکتا تھا؛ لیکن ہم نے ایسا نہ کیا۔'' (نومبر ۸۰ء: ص ٦٠)

اب غور فرمائیے کہ پرویز خود تو ساری عمر، قرآن کی متضاد تعبیریں پیش کرتے رہے ہیں۔ ان کی کس تعبیر کو حتمی معیار قرار دے کر احادیث اور تاریخ کی روایات کو پرکھا جائے؟ فرض کیجئے کہ آج انہوں نے ایک تعبیر پیش کی، 'محققین' کا ایک بہت بڑا گروہ اس تعبیر کی اساس پر، روایات، احادیث و تاریخ کو کھنگالنے کا کام شروع کر دیتا ہے، وہ ابھی اس 'کارِ خیر' سے فارغ ہوا یا نہیں کہ 'مفکرِ قرآن' کی فضاءِ دماغی میں خیال کا نیا جھکڑ آیا، اور اس کے ساتھ ہی پہلی تعبیر بھی مرغِ بادنما کی طرح بدل گئی۔ اب اس دوسری تعبیر کے مطابق، روایات کی چھان بین کا سلسلہ از سرنو پھر آغاز پذیر ہوا۔ ابھی یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا کہ نہیں، مگر یہ خبر آ گئی کہ 'مفکرِ قرآن' کی دوسری تعبیر بھی ترمیم کا نشانہ بن گئی۔ اب تیسری تعبیر کے مطابق، پھر نئے سرے سے، جانچ پڑتال کا یہ سلسلہ شروع ہوگا اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک 'مفکرِ قرآن' کے صحراءِ دماغی میں خیالات کی آندھیاں چلتی رہیں گی۔

یہ ہے وہ مقامِ عالی مرتبت جو 'مفکرِ قرآن' صاحب نے اپنے لئے اختیار کر رکھا تھا، کہ تاریخ اور احادیث کی روایات، دست بستہ، ان کے حضور کھڑی رہیں اور پرویز صاحب ہر بدلتی تعبیر کے مطابق ان کی صحت اور عدمِ صحت کا فیصلہ فرماتے رہیں اور ان کی تعبیر کے تغیر پر لازم ہے کہ ہر چیز بدل جائے۔

خلاصۂ بحث

ہماری یہ بحث اس امر کو واضح کر دیتی ہے کہ اگرچہ الفاظِ قرآن متفق علیہ ہیں مگر ان کی تعبیرات میں اختلاف ایک فطری امر ہے۔ احادیث کے اختلاف کی آڑ میں، ان سے جان چھڑا کر جو لوگ تنہا قرآن کا نعرہ لگا رہے ہیں، وہ خود بھی قرآن کی کسی ایک تعبیر پر متفق نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ خود 'مفکرِ قرآن' بھی مختلف اوقات میں متضاد تعبیریں پیش کرتے رہے ہیں۔ اب اگر قرآن تعبیراتی اختلاف کے باوجود سند و حجت

بن سکتا ہے تو سنتِ نبویہ کیوں نہیں بن سکتی؟ منکرینِ حدیث، قرآن کے متن اور الفاظ کے متفق علیہ ہونے پر جو زور دیتے ہیں، تو یہ محض پانی میں مدھانی چلانے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ عملی زندگی میں جو چیز مطلوب ہے وہ متنِ قرآن یا لفاظِ قرآن نہیں، بلکہ وہ مفہوم ہے جو متن یا الفاظ سے حاصل کیا جاتا ہے، اگر اس مفہوم میں اختلاف ہو تو خود سوچئے کہ الفاظِ قرآن کا متفق علیہ اور سند و حجت ہونا یا نہ ہونا ایک برابر ہے۔ لہٰذا منکرینِ سنت کا یہ موقف ہی غلط ہے کہ ''دستورِ حیات، صرف وہی چیز ہوسکتی ہے جو اختلاف سے بالاتر ہو۔'' مولانا مودودیؒ نے ڈاکٹر عبدالودود سے قلمی مناظرہ کے دوران اسی بات کو بایں الفاظ بیان کیا تھا اور ڈاکٹر عبدالودود صاحب اس کا کوئی جواب نہ دے پائے تھے :

> ''ڈاکٹر صاحب خود فرما رہے ہیں کہ ''تعبیر ایک انسانی فعل ہے جو کسی دوسرے کے لئے حجت اور سند نہیں ہوسکتا۔'' ......اس صورت میں تو لامحالہ الفاظ ہی حجت اور سند رہ جاتے ہیں اور معنی میں اختلاف ہوجانے کے بعد، ان کا حجت وسند ہونا لاحاصل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ عملاً جو چیز نافذ ہوتی ہے، وہ کتاب کے الفاظ نہیں بلکہ اس کے وہ معنی ہوتے ہیں جنہیں کسی شخص نے الفاظ سے سمجھا ہو۔ اس لئے میں نے دوسرے خط میں ان سے عرض کیا تھا کہ پہلے آپ اپنے اس نقطہ نظر کو بدلیں کہ ''آئین کی بنیاد صرف وہی چیز بن سکتی ہے جس میں اختلاف نہ ہوسکے۔'' اس کے بعد جس طرح یہ بات طے ہوسکتی ہے کہ قرآنِ مجید بجائے خود اساسِ آئین ہو، اور اس کی مختلف تعبیرات میں سے، وہ تعبیر نافذ ہو جو کسی بااختیار ادارے کے نزدیک اَقرب الی الصواب قرار پائے۔ اسی طرح یہ بات بھی طے ہوسکتی ہے کہ سنت کو بجائے خود اساسِ آئین مانا جائے اور معاملات میں عملاً وہ سنت نافذ ہو جو کسی بااختیار ادارے کی تحقیق میں سنتِ ثابتہ قرار پائے۔
>
> جس طرح قرآن کے الفاظ کو اساسِ آئین ماننے کا فائدہ یہ ہوگا کہ تعبیر کے اختلافات کا سارا چکر صرف الفاظِ قرآن ہی کے حدود میں گھوم سکے گا، ان کے دائرے سے باہر نہ جاسکے گا۔ اسی طرح سنت کو اساسِ آئین ماننے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمیں اپنے عمل کے لئے، انہی ہدایات وتعلیمات کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جو رسول اللہ ﷺ سے ماثور ہیں اور ہم کوئی آزادانہ قانون سازی، اس وقت تک نہ کرسکیں گے جب تک تحقیق سے ہمیں یہ معلوم نہ ہوجائے کہ فلاں مسئلے میں کوئی سنت ثابت نہیں ہے۔ یہ سیدھی سی بات ماننے میں آخر کیا دِقت ہے؟''
>
> (ترجمان القرآن، ستمبر ۱۹۶۱ء 'منصبِ رسالت نمبر' ص ۱۵۷، ۱۵۸)

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی کے ماہنامہ محدث میں فتنۂ انکار حدیث کے حوالے سے متعدد مقالات باقاعدگی سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن کی جامع فہرست کے لئے ملاحظہ کیجئے صفحہ نمبر

تحقیق وتنقید

پروفیسر منظور احسن عباسی

اطاعتِ رسول ﷺ اور پرویز

کتابچہ 'اطاعتِ رسول' از پرویزؔ پر ایک ناقدانہ نظر

پرویزیتؔ اور احمدیتؔ میں مشترک قدر

جو لوگ 'ادارۂ طلوعِ اسلام' کے اغراض و مقاصد اور مسٹر غلام احمد پرویز کے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہیں، ان کو یقیناً ادارۂ مذکور کے شائع کردہ پمفلٹ موسومہ 'اطاعتِ رسول' کے نام سے بڑی حیرت ہوگی۔ لیکن یہ حیرت اسی قسم کی حیرت ہے جو مجھے مرزا غلام احمد قادیانی کی جماعتِ احمدیہ کے ترجمان اخبار 'الفضل' کی ایک خصوصی اشاعت موسومہ 'خاتم النّبیین نمبر' کے نام سے ہوئی تھی۔ کیونکہ مسٹر غلام احمد کا یہ درس اطاعتِ رسول اور مرزا غلام احمد قادیانی کا وہ عقیدۂ ختم نبوت نہ فی الواقع درسِ اطاعتِ رسول ہے اور نہ اعترافِ ختم رسالت!

جس طرح ختم رسالت کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر بعثتِ انبیا ختم ہوگئی اور وہ آخری نبی تھے۔ اسی طرح اطاعتِ رسول اللہ ﷺ کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ حضورؐ کے ارشادات کی اطاعت کی جائے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اطاعت ممکن ہی جب ہے کہ جس کی اطاعت کی جائے، اس کا حکم وارشاد یا اس کی رہنمائی و ہدایت موجود ہو۔ اگر کوئی حکم یا ہدایت موجود ہی نہ ہو تو اس کی اطاعت کے کیا معنی یا اگر ہدایت اور حکم تو ہو لیکن کوئی شخص اس پر عمل کرنا ضروری نہ سمجھتا ہو تو پھر اطاعت کیوں کرے گا؟

اب یہ عجیب اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد اور مسٹر غلام احمد دونوں ہی ختم نبوت اور اطاعتِ رسول کے منکر ہیں۔ لیکن دونوں ہی بالترتیب ختم نبوت اور اطاعتِ رسول کے مسئلے پر زور دیتے ہیں۔ وہ آنحضرت ﷺ کو خاتم النّبیین تسلیم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ اطاعتِ رسول کا درس دیتے ہیں لیکن جس طرح کا ان کو اعتراف ہے اور جس قسم کی ان کی تفہیم ہے، اس کا مطلب اعتراف وتبلیغ کی بجائے محض انکار وتردید ہے اور یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ انکار کے لئے جو طریق کار (یا تکنیک) اوّل الذکر نے اختیار کیا، وہی بعینہٖ ثانی الذکر نے اختیار کیا یعنی مرزا غلام احمد نے لفظ 'خاتم النّبیین' کے معنیٰ بدل ڈالے اور مسٹر غلام احمد نے اطاعتِ رسول کا مطلب پلٹ دیا۔

جس طرح مرزائیوں نے کہا کہ خاتم النّبیین کے جو معنی سمجھے جاتے تھے (یعنی آخری نبی) وہ غلط ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نبی جس کے بعد اس کی اُمت میں بہت سے نبی ہوں، اسی طرح پرویزیوں نے کہا کہ اطاعتِ رسول کا جو مطلب سمجھا جاتا ہے (یعنی ارشاداتِ آنحضرتؐ کی پیروی) وہ غلط ہے۔ اوراس کا صحیح مطلب ہے 'مرکزِ ملت کی اطاعت' !!

مرزا غلام احمد کی ہفوات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ان کی جماعت میں سے بہت سے لوگوں کا خود اپنے پیشوا کے عقائد اور اپنے طرزِ عمل پر تاسف بڑھتا جارہا ہے۔لیکن مسٹر پرویز کے پیروکاروں کے حوصلے ابھی بلند ہیں اور ان کے خیالات کی کشتی ان کے منتشر اور غیر متوازن افکار کی تاریکیوں میں ساحل کی بجائے خوفناک چٹانوں کی طرف بہتی چلی جارہی ہے۔ہمیں اس کشتی سے کوئی دلچسپی نہیں البتہ ان لوگوں کی سلامتی مقصود اور محبوب ومطلوب ہے جو اس پر سوار ہیں۔اسی مدعا کے پیش نظر میں ان کے رسالہ 'اطاعت رسول' کے مضمرات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ وما توفيقي إلا بالله

'عبادت / بندگی' اور 'اطاعت / محکومیت' کو خلط مَلط کرنے کی کوشش

مقامِ شکر ہے کہ مسٹر پرویز کا یہ رسالہ اسی قدر گنجلک ، بے ربط، غیر منطقی اور اُلجھے ہوئے خیالات اور ناقص انشا کا ملغوبہ ہے کہ کوئی صحیح الخیال انسان یا عام فراست رکھنے والا شخص ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے مندرجات سے متاثر نہیں ہوسکتا، البتہ عوام کا 'مرض آمادہ' مزاج اور افرنجیت کی مسموم فضا سے ماؤف ذہن عجب نہیں کہ اس کا اثر قبول کرلے۔ بلاشبہ یہ ایک بدبختی ہوگی لیکن اس رسالہ کو مسٹر پرویز کی علمی فرومائیگی یا ان کی ابلہی اور بلید الفہمی کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ بڑے سے بڑا عالم یا دانشور بھی جب کسی واضح غلطی کی حمایت میں قلم اٹھائے گا تو اس کے خیالات میں الجھاؤ، بیان میں گل جھٹیاں اور استدلال میں ایسی ہی خامیاں ناگزیر ہوں گی۔ پرویز کے متعلق میرا نظریہ تو یہی ہے کہ غلط کو صحیح یا صحیح کو غلط ثابت کرنے کے لئے وہ صلاحیت بھی ان میں نہیں ہے جو وکلائے مرافعہ میں مشاہدہ کی جاتی ہے۔مثلاً دیکھئے رسالہ کی پہلی ہی سطر میں لکھتے ہیں :

پہلی مثال

'' دین کا مقصود ومطلوب یہ ہے کہ انسان کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے نکال کر قوانین خداوندی کی اطاعت میں لایا جائے۔'' اس دعویٰ کے ثبوت میں یہ آیت پیش کی ہے:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ﴾ (۷۸/۳)

''کسی انسان کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اسے کتاب اور حکومت اور نبوت دے اور وہ لوگوں

سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میری محکومی اختیار کرو۔ اسے یہی کہنا چاہئے کہ تم سب ربانی بن جاؤ۔''

اب چونکہ ایک غلط بات پیش نظر تھی کہ کوئی شخص نبی کا محکوم نہیں ہوسکتا، اس لئے پہلے تو آیت کا غلط ترجمہ کرنا پڑا۔ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا صحیح مطلب تو یہ تھا کہ کوئی نبی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ''اللہ کو چھوڑ کر میری 'بندگی' اختیار کرو' اس کی بجائے انہوں نے یہ ترجمہ کیا کہ ''اللہ کو چھوڑ کر میری 'محکومی' اختیار کرو'' ...... اس ترجمہ پر معترض کو یہ حق ہے کہ وہ کہے کہ شاید ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ عبدیت اور محکومی میں کتنا فرق ہے۔ پھر اسی آیت کے ترجمے میں انہوں نے خود حکومت کا لفظ لکھا ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ خدا جس کو حکومت دے وہ کسی کو محکوم نہیں بنا سکتا تو کتنی بڑی حماقت ہے بھلا وہ حکومت کیسی جہاں کوئی محکوم ہی نہ ہو۔ یہ دونوں باتیں اگرچہ مسٹر پرویز کے علم اور عقل کی کوتاہی پر دال ہیں۔ لیکن میں ان کو ایسا نہیں سمجھتا۔ یہ قصورِ علم اور عقل کا نہیں بلکہ اس غلط تصور کا ہے جو ان کے ذہن پر مسلط ہے اور جس کے لئے انہیں یہ پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔ اگر وہ ذرا سی بھی کوشش کرتے تو ان کو قرآنِ حکیم کے اُردو ترجموں میں بھی یہ بات لکھی ہوئی نظر آجاتی کہ آنحضرت ﷺ پر بعض دشمنانِ دین نے یہ الزام لگایا کہ یہ شخص اللہ کی بجائے اپنی عبادت کروانا چاہتا ہے۔ اس پر یہ آیت اُتری کہ بھلا کوئی نبی ایسا کرسکتا ہے؟ آخر اس طرح صحیح مطلب بیان کرنے میں کون سی اسلامی روح کچلی جارہی تھی جس کی حفاظت کے لئے انہوں نے کلامِ الٰہی کی معنوی تحریف بھی کی اور کچھ مطلب حل نہ ہوا۔

زیر نظر رسالہ اسی قسم کی متعدد غلط اندیشیوں سے پُر ہے۔ میں نے پہلی ہی سطر سے یہ مثال محض نمونہ کے طور پر پیش کی ہے۔ اب میں ان غیر اسلامی، بے مصرف اور غلط خیالات کا جائزہ لینا چاہتا ہوں جو مسٹر پرویز نے اس رسالہ میں پیش کئے ہیں۔

اس رسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے موضوع کو ایک غلط مقصود کا وسیلہ بنایا گیا ہے اور اس طرح ایک نہایت متعفن غذا کو مکلّف خوان پوش میں پیش کیا گیا ہے۔

موضوعِ کتاب تو 'اطاعتِ حق' ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ

''اطاعت اور محکومیت صرف خدا کی ہوسکتی ہے۔ کسی انسان کی نہیں۔'' (ص ۴)

اور مقصود یہ ہے کہ احادیثِ رسول اللہ ﷺ کا اتباع نہ کیا جائے۔ حالانکہ اسی کا نام انکارِ سنت ہے اور یہی مسٹر پرویز کا مخصوص نظریہ ہے۔ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے انہوں نے آیاتِ قرآن حکیم سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر شخص کو صرف اللہ کا حکم ماننا چاہئے۔

میرے خیال میں اس مضمون کی تائید میں کلام پاک کا یہ ٹکڑا کافی تھا: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ یعنی ''حکم دینے کا حق سوائے اللہ کے اور کسی کو بھی نہیں ہے۔'' (الانعام: ۵۷)

لیکن انہوں نے بے سبب قرآنِ حکیم کی بعض غیر متعلقہ آیات کا غلط اور بے محل ترجمہ کرکے اپنی بصیرت کو ناحق مجروح کیا ہے، مثلاً ﴿ اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ﴾ کا نہایت واضح مطلب یہ ہے کہ ''اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی 'عبادت' نہ کرو۔'' لیکن پرویز کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کسی کی 'اطاعت' مت کرو اور پھر زور دیا ہے کہ قرآن کی رو سے خدا کی 'اطاعت' یا 'محکومیت' اور خدا کی 'عبادت' سے مراد ایک ہی چیز ہے۔ پھر اس باطل خیال کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن حکیم کی دوسری متعدد آیات میں ان کو معنوی تحریف کرنا پڑی۔

عبادت اور اطاعت میں فرق: حالانکہ یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ 'عبادت' اور 'اطاعت' کے مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عبادت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہوسکتی اور اطاعت اللہ کے سوا دوسروں کی بھی ہوسکتی ہے بلکہ بعض اوقات ضروری ہوتی ہے۔ یعنی عبادت خاص اللہ کے لئے ہے اور اطاعت کسی کی بھی ہوسکتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ ''یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔'' کے الفاظ کم وبیش ۲۰ بار آئے ہیں لیکن "اُعْبُدُوا اللّٰه وَاعْبُدُوا الرَّسُوْلَ" ایک جگہ بھی نہیں۔ اگر اطاعت اور عبادت ایک ہی چیز ہوتی تو اُعْبُدُوا الرَّسُوْلَ بھی کہیں نہ کہیں ضرور ہوتا۔ عبادت کا جہاں کہیں بھی ذکر ہے، وہاں اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ، اُعْبُدُوا اللّٰهَ ، فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهٗ ، وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ یعنی اپنے ربّ کی عبادت کرو، عبادت صرف اُسی اللہ کی کرو، اللہ کے سوا کسی کی عبادت کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا وغیرہ۔

متعدد آیات میں اللہ کی عبادت کا حکم ہے اور اس کے سوا غیر اللہ کی عبادت سے روکا گیا ہے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ﴾ (بنی اسرائیل:۲۳) ''تیرے ربّ کا یہ قطعی حکم ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔'' غرض تمام قرآن میں عبادت کا مستحق اللہ کے سوا کسی اور کو قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم یکجا طور پر بھی ہے اور آنحضرت ﷺ کی اطاعت کا حکم انفرادی طور پر بھی ہے:

﴿وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (نور:۵٦)
''رسول کی اطاعت کرو کہ تم پر اللہ کا فضل ہو۔''
﴿وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (حشر:۷)
''رسول جو (حکم/رہنمائی) دے، اسے اختیار کرو اور جس سے منع کرے، اس سے باز رہو۔''

دوسری آیات سے 'اطاعت' کے معنی بھی ظاہر ہوگئے کہ اطاعت نام ہے اوامر پر عمل کرنے اور نواہی سے بچنے کا۔ غرض جو حکم بھی رسول دے، اس پر عمل پیرا ہونا اسی طرح واجب ہے جس طرح اس حکم پر عمل

پیرا ہونا جو اللہ نے دیا اور چونکہ اطاعتِ رسولؐ کا یہ حکم بھی اللہ کا ہے، اس لئے جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ فی الواقع اللہ کے حکم کی اطاعت کرتا ہے اور یہ توجیہ خود ساختہ نہیں ہے بلکہ قرآنی صراحت موجود ہے: ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (نساء:۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

لیکن قرآن میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ جس نے رسول کی عبادت کی، اس نے اللہ کی عبادت کی۔ کیونکہ اطاعت اور عبادت دونوں بالکل مختلف المعنی الفاظ ہیں۔ اگر کوئی شخص ذرا سی حقیقت پسندی کو کام میں لائے تو وہ تسلیم کرلے گا کہ بلاشبہ احکامِ الٰہی کی اطاعت بھی عبادت ہے لیکن ایسی صورتیں بھی ہیں کہ غیر اللہ کی اطاعت بھی عبادتِ الٰہی بن جاتی ہے۔ لیکن یہ کبھی ممکن نہیں کہ غیر اللہ کی عبادت بھی کسی صورت اللہ کی عبادت قرار دی جائے۔ اطاعتِ رسول کا واجب ہونا اور عبادتِ رسول کا حرام ہونا قرآنِ حکیم کی نہایت واضح تعلیمات میں سے ہے۔

دوسری مثال

مسٹر پرویز نے عبادت اور اطاعت کے مفہوم کو کچھ اس طرح اُلجھا دیا ہے کہ ان کی تمام تقریر مہمل ہو کر رہ گئی ہے۔ چنانچہ آیت ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ﴾ کے تحت لکھا ہے:

> ''اگر عبادت سے مراد پرستش لی جائے تو آیت کے کچھ معنی ہی نہیں بنتے۔ حکومت صرف اللہ کے لئے ہے تم صرف اس کی پرستش کرو۔ خدا کی پرستش تو ہر حکومت میں ہوسکتی ہے۔ اقوام متحدہ نے بنیادی حقوقِ انسانیت کا جو منشور شائع کیا ہے، اس میں پرستش کی آزادی کو انسانوں کا بنیادی حق قرار دیا ہے۔'' (ص۳)

یہ عبارت 'ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ' کی مشہور کہاوت کے عین مصداق ہے۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کا حکم واجب التسلیم نہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ امریکہ میں ہو یا انگلستان میں، روس میں ہو یا پاکستان میں، بہرحال عبادت اللہ کی کرو اور یہی اللہ کا حکم ہے۔ اگر خدا کی پرستش ہر حکومت میں ہوسکتی ہے تو آیت کے معنوں میں کیا خلل پیدا ہوگیا۔

اس سے بھی زیادہ مہمل عبارت یہ ہے:

> ''خدا کی پرستش تو ہم انگریز کے عہدِ حکومت میں بھی کرتے تھے اور آج ہندوستان کا مسلمان بھی خدا کی پرستش کرتا ہے۔ اس لئے قرآن کی رو سے خدا کی عبادت سے مراد ہی اس کی محکومیت اختیار کرنا ہے۔'' (ص۳)

کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ انگریز کے عہدِ حکومت میں خدا کی پرستش جو ہم کرتے تھے اور آج

ہندوستان کا مسلمان جو خدا کی پرستش کرتا ہے وہ اللہ کی محکومیت سے باہر ہوکر کرتا ہے اور پاکستان یا عربستان میں جو آپ خدا کی پرستش کرتے ہیں تو وہاں اللہ کی محکومیت کے اندر رہ کر کرتے ہیں۔

ایک اور عبارت اس سے بھی زیادہ لغو ہے:

''اگر خدا کی اطاعت سے مقصود محض پرستش، پوجا پاٹ، بندگی ہوتا تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ خدا کی کتاب کی اطاعت کرسکتا تھا۔ کوئی مندر میں، کوئی مسجد میں، کوئی صومعہ میں، کوئی کلیسا میں، کوئی خانقاہ میں اور کوئی زاویہ میں...... مذہب کی رو سے خدا کی اطاعت کا یہی مفہوم ہے۔''

کیا فی الواقع مسٹر پرویز مہمل طرازی کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ جو لوگ پوجا پاٹ اور مندروں اور کلیساؤں میں عبادت کرتے ہیں، وہ خدا کی کتاب کی اطاعت ہے؟ یا کسی صورت اس کو خدا کی کتاب کی اطاعت کہا جاسکتا ہے؟ اور کیا خدا کی کتاب کا بنایا ہوا مذہب وہی ہے جو مندروں اور گرجاؤں میں دیکھا جاتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان ہفوات سے ملتِ اسلامیہ کی کون سی عظیم الشان خدمت انجام دی جارہی ہے اور مسلمانوں کا روپیہ کس مقصدِ اعلیٰ اور کس دینی اصلاح کے لئے بے دریغ صرف کیا جارہا ہے۔

اس عبارت میں ایک اور ابلہ فریبی سے کام لیا گیا ہے کہ اس میں بجائے لفظ عبادت کے اطاعت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ گویا مسلمان بھی مسٹر پرویز کی طرح عبادت اور اطاعت کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہر صحیح الخیال شخص دونوں کا فرق اچھی طرح جانتا ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت کا عام مفہوم جس کو ایک معمولی درجہ کی فراست کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے، مسٹر پرویز اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اطاعت کا مفہوم ذہن نشین کرنے کے لئے یہ مثال ذہن میں رکھئے کہ کوئی بادشاہ اپنی محکوم رعایا میں سے کسی کو حاضر بارگاہ ہونے کا حکم دیتا ہے۔ اب اس حکم کی اطاعت ممکن ہی نہیں جب تک کہ وہ شخص شاہی گماشتوں کے ان احکامات کی بھی اطاعت نہ کرے جو حضوریٔ بارگاہ کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً ستھرا لباس، وقت کی پابندی، ادب اور قاعدے کے وہ طریقے جو شاہی دربار میں پیش ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ عمالِ سلطنت اس کو ہر قدم پر ہدایات دیتے رہیں گے۔ اگر ان میں سے اس نے کسی ایک ہدایت یا حکم کی پروا نہ کی تو گویا اس نے شاہی حکم کی تعمیل سے جی چرایا۔ اب بادشاہ کے اصل حکم کی تعمیل کے لئے تمام متعلقہ حکامِ اعلیٰ وادنیٰ کے حکم کی تعمیل لازمی ہوگی اور سب کی تعمیل کرنا ہوگی۔ یہی معنی ہیں خدا کے حکم کی اطاعت کے اور رسول اللہ ﷺ اور پھر خدامِ رسول اللہ اور پھر خدامِ خدامِ الرسل کے اَحکام کی اطاعت کے۔

نماز خدا کا ایک حکم ہے لیکن بندۂ حق خدا کے اس حکم کی اطاعت کر ہی نہیں سکتا جب تک رسول یہ نہ بتائے کہ نماز کیا ہے اور پھر وہ طریقے نہ سکھائے جو ادائے نماز کے لئے مقرر ہیں۔ کیونکہ رسول اسی کام

کے لئے بھیجا جاتا ہے اور اسی لئے اسے مامور من اللہ کہتے ہیں۔ جس طرح ایک دانشمند مدار المہام سلطنت شاہی احکام کی تبلیغ کے بعد تعمیل حکم کے لئے ہدایات نافذ کرتا ہے، اسی طرح ایک مامور من اللہ احکام الٰہی کی تبلیغ کے بعد تعمیل کے لئے ہدایات دیتا ہے۔ ﴿یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ﴾ کے یہی معنی ہیں کہ رسول صرف اللہ کا حکم سنا کر سبکدوش نہیں ہوجاتا بلکہ اس حکم کی اطاعت کے لئے ضروری احکامات بھی نافذ کرتا ہے۔ نہایت بدبخت ہے وہ رعایا جو عمالِ شاہی کی ہدایات کو تسلیم نہ کرے اور نہایت بدبخت ہے وہ مسلمان جو رسول اللہ کی اطاعت کو بھی واجب نہ جانے۔

اطاعتِ رسول کا صحیح موقف اس سے کم، اس سے زیادہ یا اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔

لیکن مسٹر پرویز نے اطاعتِ رسول کے ایک ایسے معنی گھڑ لئے ہیں، جو اطاعتِ رسول کی بجائے مخالفتِ رسول کا ایک مستقل عنوان بن گیا ہے۔ یہاں پر آپ کو یقین نہ آئے گا کہ ایک مسلمان جو اس قرآن پر ایمان رکھتا ہو جس میں اتباع و اطاعت رسولؐ کا حکم ایک دو جگہ نہیں بلکہ بیسیوں مقام پر موجود ہے، کس طرح اطاعت رسولؐ کی مخالفت کرسکتا ہے اور کیسے ممکن ہے کہ ﴿اَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ﴾ کے نہایت واضح اور بار بار دہرائے ہوئے حکم سے انحراف کرے۔ بلاشبہ اطاعتِ رسول سے انکار کرنا عام مسلمانوں کے لئے ممکن ہی نہیں۔ لیکن مسٹر پرویز کو اسلامی نظریات سے کنارہ کش ہونے کی جو خاص فنی مہارت حاصل ہے، اسی مہارت سے اس باب میں بھی انہوں نے کام لیا ہے۔ یہ کام احتساباً اگرچہ سخت مشکل تھا لیکن عملاً نہایت آسان ہے۔ ہم ان کے اس فن کا ذکر اجمالاً تو ابتدائی صفحات میں کرچکے ہیں، یہاں پر کس قدر تفصیل اور وضاحت مقصود ہے۔

اطاعتِ رسول سے انحراف کی پرویزی دلیل: مسٹر پرویز نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں اطاعتِ خدا اور رسولؐ سے منکر ہوں۔ انہوں نے صرف یہ کہا کہ اطاعتِ خدا و رسولؐ کے معنی 'نظامِ مرکز' کی اطاعت ہے، وہ ص۱۳ پر لکھتے ہیں:

''اللہ و رسولؐ سے مراد وہ نظام یا نظامِ مرکز امام، امیر ہے، جو اللہ کے قانون کو عملاً نافذ کرتا ہے''

اس عبارت کی خوبی یہ ہے کہ اس میں اللہ کے قانون کے نفاذ کا ذکر کرکے خدا کی اطاعت کا تصور تو باقی رکھا ہے لیکن رسول کی جگہ امام یا امیر کو دے دی گئی ہے یعنی جس طرح رسولؐ، اللہ کے قانون کو عملاً نافذ کرتا ہے، اسی طرح امام یا امیر بھی اللہ ہی کے قانون کو عملاً نافذ کرتا ہے۔ اب آپ یہ تو کہہ ہی نہیں سکتے کہ یہ تعبیر حکم قرآن اَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ کے صریحاً خلاف ہے کیونکہ انہوں نے آگے چل کر وضاحت کردی ہے کہ تمام مقامات میں ''اللہ و رسولؐ سے مراد امام یا امیر یا اسلامی نظام ہے۔'' (ص۱۳)

اور اس پر ستم ظریفی دیکھئے کہ فرماتے ہیں:

''یہ مفہوم انوکھا نہیں بلکہ شروع ہی سے ایسا سمجھا جاتا رہا ہے اور اب بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ اس پر ہمارے دور کی تفسیریں بھی شاہد ہیں، مثلاً ابوالکلام صاحب آزاد کی ترجمان القرآن اور مودودی صاحب کی تفہیم القرآن۔'' (ص۱۴)

یعنی 'ترجمان القرآن' اور 'تفہیم القرآن' میں یہی بتایا گیا ہے کہ ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ میں اللہ اور رسول سے مراد امام یا امیر یا اسلامی نظام ہے۔ اس انکشاف سے ادھر تو مولانا آزاد کی روح پھڑک ہی گئی ہوگی۔ ادھر مولانا مودودی کے رفقا کو لازم ہے کہ مسٹر پرویز کو اس معنی آفرینی کا شکریہ لکھ بھیجیں!!

اب ذرا آپ وہ دلیل جو اس امر کے ثبوت میں ہے کہ خدا اور رسول کے معنی امام یا امیر یا اسلامی نظام کے ہیں، جگر تھام کر سنئے۔ مبادا آپ کی فراست کلیجہ پھاڑ کر دم توڑ دے۔ فرماتے ہیں کہ

''﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ﴾ میں اللہ اور رسول (دو) کا ذکر ہے اور عنہ میں ضمیر واحد ہے۔ اس لئے ان دونوں سے مراد ایک امیر یا امام ہے۔''

عنه کی ضمیر واحد ہونے سے خدا اور رسول کے معنی امیر یا اسلامی نظام کے کس طرح ہوگئے؟ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ سردست یہ عبارت اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ مسٹر پرویز عربی زبان سے خوب واقف ہیں۔ یہاں تک کہ ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ 'عنہ' میں ضمیر واحد ہے اور غالباً یہ ایک ایسا انکشاف ہے کہ آج تک کلامِ الٰہی کے مفسرین نہ دیکھ سکے کہ یہ ضمیر واحد ہے اور اس کے معنی سوائے امیر یا اسلامی نظام کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے! انہوں نے غلطی کی جو اس آیت کا یہ مطلب سمجھا کہ اس میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم اور رسول کے حکم سے سرتابی کرنے کی ممانعت ہے اور یہ نہ دیکھا کہ اس ضمیر واحد کو رسول کی طرف پھیر دینے سے مسٹر پرویز کا کارخانہ تباہ ہوجائے گا اور امارت وامامت یا اسلامی نظامت کا تصور ختم ہوجائے گا۔ لیکن یہ دلیل نظامِ اسلامی کے قرآنی ثبوت میں مسٹر پرویز کا شاہکار نہیں ہے کیونکہ اس سے بھی بڑا ثبوت انہوں نے یہ دیا ہے کہ

''ہمارے ہاں بھی گورنمنٹ (حکومت) یا نظامی اجتماعی ادارہ (Organisation) کے لئے واحد کے ہی صیغے استعمال ہوتے ہیں۔ یہی مفہوم قرآن کے ان مقامات میں ہے۔'' (ص۱۲)

اب تو شاید کسی شخص کو بھی شبہ نہیں رہے گا کہ اللہ و رسول کے معنی 'اجتماعی ادارہ' ہے کیونکہ انگریزی میں Organisation کے لئے واحد ضمیر استعمال ہوتی ہے ...... خدایا! عام بصیرت کا کیا اس قدر فقدان ہے کہ ایک شخص کو ایسے بے سروپا خیالات پیش کرنے کا حوصلہ ہوسکتا ہے؟

یقین ہے کہ اب کچھ کچھ آپ سمجھنے لگے ہوں گے کہ مسٹر پرویز کے اس اینچ پینچ اور خلجان میں پڑنے اور دوسروں کو خلجان میں ڈالنے سے کیا مدعا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اطاعتِ رسول کا زمانہ ختم ہوچکا، اب

نظامِ اسلامی کی اطاعت ہی رسول کی اطاعت ہے۔ چنانچہ اطاعتِ رسول کے یہ معنی سمجھانے کے بعد اب اطاعتِ رسول کا طریقہ بھی سنئے:

''مذہب میں ہر شخص خدا کی اطاعت انفرادی طور پر کرتا ہے لیکن دین میں خدا کی اطاعت اجتماعی طور پر کرائی جاتی ہے [گویا خدا کی اطاعت جو اجتماعی طور پر کرائی جائے، اس کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ ناقل] لہٰذا مذہب میں اطاعت کے لئے صرف خدا کی کتاب کافی ہوتی ہے۔ لیکن دنیا میں خدا کی اطاعت کے لئے کتاب کے علاوہ کسی جیتی جاگتی شخصیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے [مدعا یہ ہے کہ جیتی جاگتی ہستی ہی نہ ہو تو خدا کی اطاعت کیوں کر ممکن ہے؟]۔ اسلام 'دین' کا نظام ہے مذہب نہیں، اس لئے اس میں تنہا کتاب کافی نہیں۔ اس کتاب کے مطابق اطاعتِ خداوندی کرانے والا مرکز بھی ضروری ہے۔ یہ مرکزی شخصیت خدا کا رسول ہوتا ہے جس کی اطاعت خدا کی اطاعت ہوتی ہے۔'' (ص ۶) آگے لکھا ہے:

''لیکن رسول چونکہ بشر ہوتا ہے اور کسی بشر کی اطاعت جائز نہیں، اس لئے رسول کی اطاعت اس کی اطاعت نہیں بلکہ خدا کی اطاعت ہوتی ہے۔'' (ص ۷)

یہ مضمون آئندہ دو صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔ جس کو اصطلاحِ قصائد میں 'تشبیب' کہتے ہیں لیکن اس تشبیب کے بعد اب گریز ملاحظہ کیجئے:

''یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ اطاعت اس کی کی جاتی ہے جس کی بات سنی جا سکے جو محسوس طور پر درمیان میں موجود ہو۔ جو محسوس طور پر درمیان میں موجود نہ ہو، عملی معاملات میں اس کی اطاعت کی ہی نہیں جا سکتی۔'' (ص ۱۱)

یہ گریز آپ کو مقصود کے قریب تر لا رہا ہے، مزید سنئے:

''جب حضور نے وفات پائی تو کیفیت یہ ہو گئی کہ خدا کی کتاب تو موجود تھی لیکن وہ محسوس شخصیت جس نے کتاب اللہ کی اطاعت کروانی تھی [یہ جملہ کم سواد اشخاص کے خاص طرزِ نگارش میں سے ہے] موجود نہ رہی۔ یہ تو الگ بات ہے کہ رسول اللہ نے اپنی احادیث کا کوئی مجموعہ مرتب فرما کر اُمت کو نہیں دیا تھا۔ اگر کوئی ایسا مجموعہ موجود بھی ہوتا تو بھی مشکل وہی رہتی کہ کتابیں موجود تھیں لیکن مرکزی شخصیت موجود نہ تھی۔ [یہ پیش بندی اس لئے ہے کہ اگر احادیث کا کوئی مجموعہ ثابت بھی ہو جائے تو اس کو بے اثر اور بے فائدہ بنا دیا جائے]'' (ص ۱۹)

دیکھا آپ نے مسٹر پرویز نے کس بے ڈھنگے طریقہ سے حدیث کی افادیت کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ چاہتے تو حدیث کی موجودگی میں بھی خود کو مرکزی شخصیت ثابت کر کے حدیث کو بھی اسی طرح ختم کر دیتے جس طرح انہوں نے قرآن کا خاتمہ کیا یعنی آیاتِ کلامِ الٰہی کی طرح احادیث کو بھی فرمودۂ رسول کہے جاتے اور مطلب من مانا بیان کرتے رہتے۔ اب کون تھا جو ان سے پوچھتا کہ دین اور مذہب

کا یہ فرق کہاں سے نکالا؟...... کسی ضمیر کے مفرد ہونے سے امیر یا حاکم کا مفہوم کیوں کر پیدا ہوا؟...... اطاعت اور عبادت ایک ہی چیز کس طرح ہوئی؟...... دین میں اجتماعی اور مذہب میں انفرادی عبادت کا تصور کہاں سے لیا؟...... اطاعت کے لئے کسی جیتی جاگتی شخصیت کی تلاش کیوں ہے؟...... اسلام کے مذہب نہ ہونے کی کیا دلیل ہے؟...... مرکزی نظام کے بغیر خدا اور رسول کی اطاعت محال کیسے ہوئی؟...... کسی بشر کی اطاعت کا ناجائز ہونا کس قرآن میں ہے؟...... اگر رسول اللہ نے اپنی احادیث کا کوئی مجموعہ مرتب فرما کر نہیں دیا تو دنیا میں ہے کوئی شخص جس نے اپنے اقوال کا مجموعہ خود مرتب کر کے دیا ہو...... مسٹر پرویز کا قصرِ عقائد جن فاسد بنیادوں پر قائم ہے ان کا سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا۔ یہ رسالہ اس قسم کے اور بھی بے سروپا نظریات کا مجموعہ ہے۔ من جملہ ان کے ایک نہایت خلافِ عقل اور بے جان نظریہ یہ ہے کہ

''رسول بشر ہے اور کسی بشر کی اطاعت جائز نہیں☆۔'' (ص ۷)

رسول کی اطاعت واتباع فرض ہے!

میں کہتا ہوں اور ہر عقل سلیم اس بات کو تسلیم کرے گی کہ رسول تو رسول ہے؛ ہر شخص کی بلکہ کافر تک کی بات مانی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ معصیتِ خالق پر منتج نہ ہو۔ کافر ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کیوں کرتے ہو؟ کافر حاکم کا فیصلہ کیوں تسلیم کرتے ہو؟ کافر مدعی کے وکیل کیوں بنتے ہو، کافر وکیل کا مشورہ کیوں مانتے ہو؟ البتہ اگر پرویز کا یہ مطلب ہے کہ حکم الٰہی کے مخالف حکم کی اطاعت جائز نہیں تو یہ بلاشبہ درست ہے، خود نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق'' یعنی بڑے سے بڑے بادشاہ کا بھی ایسا حکم ماننا جائز نہیں ہے جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو۔ لیکن ایسی صورت میں 'رسول' کا ذکر خارج از بحث ہے کیونکہ کبھی کوئی رسول معصیتِ خالق کا حکم دے ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا یہ جملہ رسول بشر ہے اور کسی بشر کی اطاعت جائز نہیں، ایک ایسے منطقی تضاد پر مشتمل ہے جس کے قرب و جوار میں بھی عقل وفراست کا گزر نہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ مسٹر پرویز کے تمام استدلالات کی اصل بنیاد اسی ایک ابلہ فریب اصول پر ہے کہ خدا کے سوا کسی کی اطاعت جائز ہی نہیں۔ صحیح خیال یہ ہے کہ ہر شخص کی اطاعت جائز ہے بشرطیکہ اس اطاعت سے احکامِ الٰہی کی مخالفت نہ ہو۔ لیکن رسول کی اطاعت جائز کیا، واجب ہے کیونکہ اس میں احکامِ

☆ مسٹر پرویز کا یہ استدلال کہ رسول کی اطاعت سے اللہ کی اطاعت میں شرک واقع ہو جاتا ہے اور اس کی اُلوہیت پر حرف آتا ہے، بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہزاروں برس ابلیس نے اللہ کی عبادت کرنے کے بعد آدم کو سجدہ کرنے سے انکار اس بنا پر کیا کہ اس سے اللہ کی توحید پر حرف آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بزعم خویش توحید کو اللہ سے زیادہ بہتر سمجھتا تھا لہٰذا اس نے اس میں شرک کو برداشت نہ کیا۔ (حسن مدنی)

الٰہی کی مخالفت ممکن ہی نہیں!!

رسول اور غیر رسول کی اطاعت میں یہ فرق ہے اور یہ ایک ایسا ثابت شدہ قطعی اور محکم اُصول ہے جسے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ اور یہ جو مسٹر پرویز نے لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ کسی نبی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں سے اپنی اطاعت کروائے۔'' (ص ۷)

نہایت شرمناک جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا، غیر واضح الفاظ میں بھی نہیں فرمایا کہ کسی نبی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں سے اپنی اطاعت کروائے۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس اس کا واضح ارشاد ہے کہ نبی کا منصب ہی یہ ہے کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کروائے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النساء:٦٤)

''یعنی ہم نے رسول کو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ بحکم الٰہی اس کی اطاعت کی جائے۔''

اسی طرح یہ کہنا بھی کہ

''خدا کی اطاعت براہِ راست نہیں کی جاسکتی، اس کی اطاعت رسول کی وساطت سے کی جاسکتی ہے۔'' (ص ۷)

علمی اور منطقی لحاظ سے ایک مہمل جملہ ہے۔ کیونکہ کسی کی وساطت سے کسی کے حکم کی اطاعت کے ہمیشہ یہ معنی ہوتے ہیں کہ کوئی شخص خود تعمیل حکم نہ کرے بلکہ کسی اور سے کروادے مثلاً خاوند بیوی کو کھانا لانے کا حکم دے اور بیوی نوکر کے ہاتھ کھانا بھیج دے تو یہ خاوند کی اطاعت نوکر کی وساطت سے ہوئی۔ لیکن یہ صورت یہاں نہیں ہے۔ اللہ نے بندے کو جن فرائض کی بجا آوری کا حکم دیا ہے، اس کا بجا لانا براہِ راست بندے ہی کا کام ہے۔ اس کی اطاعت رسول کی بجا آوری سے نہیں ہوسکتی۔ عیسائیت کی بنیاد اسی غلط خیال پر قائم ہے۔

مسٹر پرویز اگر یہ کہنا چاہتے تھے کہ خدا کی اطاعت کا طریقہ رسول کی ہدایت کے بغیر کوئی شخص نہیں جان سکتا تو یہ بلاشبہ درست ہے۔ لیکن اس مدعا کے لئے یہ عبارت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اطاعت کا جہاں تک سوال ہے وہ براہِ راست ہی ہر شخص کو کرنا پڑے گی۔ ہر متنفس احکامِ الٰہی کی اطاعت کا براہِ راست مکلّف ہے۔ کاش مسٹر پرویز سمجھ سکیں کہ اطاعت کے مفہوم کو وساطت سے کوئی نسبت نہیں۔ رسول کی وساطت حکم پہنچانے کے لئے ہوتی ہے۔ اطاعت کے لئے رسول کی وساطت ایک بے معنی تخیل ہے۔

اسی طرح اس آیت کا مدعا بھی نہایت گنجلک بنا دیا گیا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَيْئٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (۴/۵۹)

''اے ایمان والو! تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے صاحب اختیار لوگوں کی۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تمہیں اختلاف (منازعت) ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ۔''

لکھتے ہیں کہ ''اس آیت میں اسلامی نظام کا پورا نقشہ دے دیا گیا ہے۔''

اگر اسلامی نظام سے مراد اسلامی نظامِ حیات ہے تو کسی شخص کو انکار کی گنجائش نہیں۔ بلاشبہ اس میں اسلامی نظامِ زندگی کا نقشہ بتایا گیا ہے کہ خدا کے حکم کو مانو اور رسولؐ کے حکم کو بھی مانو اور حاکم وقت کی بھی اطاعت کرو۔ لیکن حاکم وقت کی اطاعت کے لئے یہ شرط بڑھانا ضروری ہے کہ اس کا حکم واجب اطاعت جبھی ہوگا کہ وہ خدا اور رسول کے احکام کے خلاف نہ ہو۔

لیکن اسلامی نظام کے وہ خدوخال جو مسٹر پرویز نے پیش کئے ہیں، وہ اس آیت کی تصریحات سے کوسوں دور ہیں۔

''اس نظام میں تمام متنازعہ فیہ اُمور کے فیصلوں کے لئے رسولؐ کے پاس آنے کا حکم ہے۔'' (ص ۱۴)

کوئی پوچھے کہ رسول کے پاس آنے کا حکم اس آیت میں کہاں پر ہے۔ اگر لفظ ردوہ الی الرسول کے معنی رسول کے پاس آنے کے ہیں تو رُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ کے معنی اللہ کے پاس جانے کے کیوں نہیں ہیں؟ اللہ و رسول کی طرف کسی معاملہ کو لے جانے کا واضح مدعا صرف یہ ہے کہ دو باتوں میں سے جو بات کتاب و سنت کے مطابق ہو، اس پر عمل کرو۔ لیکن وہ شخص جو سنت کا قائل ہی نہ ہو وہ اس بات کو کیسے مان سکتا ہے۔ مسٹر پرویز کو چاہئے کہ وہ دیکھیں کہ کسی امر کے پیش آنے پر فقہائے اسلام کس طرح اس کو اللہ ورسول کی طرف ردّ کرتے یا لے جاتے تھے۔

☜ یہاں پر یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ قرآنِ حکیم سے رسولؐ کے پاس آنے کا حکم ثابت کرنے سے مسٹر پرویز کے مقاصد کو کیا تقویت پہنچتی ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے ملحقہ عبارت کو پڑھئے:

''لیکن جب یہ نظام مدینہ سے آگے بڑھا تو یہ عملاً ناممکن تھا کہ دور دراز کے لوگ اپنے مقدمات کے فیصلوں کے لئے مرکز کی طرف آتے۔ اس کے لئے مختلف مقامات میں ماتحت افسر' صاحبانِ امر' مقرر کرنے پڑتے۔'' (ص ۱۴)

اب دیکھئے رسولؐ کے پاس آنے کا حکم کس طرح غیر رسول کے پاس جانے کے حکم میں منتقل ہوتا جارہا ہے۔ آگے بڑھئے:

''ان افسروں یا عدالتوں کی اطاعت خود مرکزی حکومت کی اطاعت تھی لیکن ایک فرق کے ساتھ اور وہ یہ کہ مرکزی حکومت کے فیصلوں کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہوسکتی تھی، اس کا فیصلہ حرفِ آخر تھا لیکن ان ماتحت عدالتوں کے فیصلے کے خلاف مرکز میں اپیل ہوسکتی تھی۔ یہ مطلب ہے اس سے

کہ ﴿فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ﴾ اگر تم میں اور اولی الامر صاحبان اور افسرانِ ماتحت میں کسی بات میں اختلاف ہوجائے تو تم ایسے معاملے کو مرکز کی طرف Refer کرو۔ وہاں سے جو فیصلہ صادر ہو، اس کی اطاعت تم پر فرض ہوجائے گی۔''

غور کرتے جائیے کہ پہلے رسول کا فیصلہ مطلوب تھا، پھر رسول کے بعد ماتحت افسروں کا فیصلہ واجب تسلیم ہوا۔ پھر اختلاف کی صورت میں مرکز کا فیصلہ قطعی ہوا۔ آخر کی عبارت میں 'مرکز' کا لفظ رسول کی بجائے مصلحتاً استعمال کیا گیا ہے۔ آگے چل کر یہ مرکز جس کے ساتھ رسول کا تصور ہنوز باقی ہے، خالصتاً حکامِ وقت کے تصور میں بدل جائے گا۔ سائنس کی اصطلاح میں اس کو 'عمل تبخیر' یا 'عمل تقطیر' کہتے ہیں۔

☜ **پرویزی 'مرکز ملت' کے فیصلوں کی حیثیت:** اب اس فیصلہ کی حقیقت سنئے جس کا مرکز سے قطعی طور پر صادر ہونا اور جس کی اطاعت فرض ہونا بتایا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ

''حضور فیصلے وحی کی رو سے نہیں کرتے تھے — اپنی ذاتی بصیرت کے مطابق کیا کرتے تھے — ان میں اس کا بھی امکان تھا کہ حق دار کے خلاف فیصلہ صادر کردیا جائے...... یہ قرآن کی اس آیت کے مطابق ہے جس میں حضور سے کہا گیا ہے کہ......''ان سے کہہ دو کہ اگر میں کسی معاملے میں غلطی کرتا ہوں تو وہ غلطی میری اپنی وجہ سے ہوتی ہے، اس کا ذمہ دار میں خود ہوتا ہوں، لہٰذا اس کا وبال بھی مجھ پر ہوگا۔ اور اگر میں صحیح راستہ پر ہوتا ہوں تو وہ اس وحی کی بنا پر ہے جو میرے ربّ کی طرف سے میری طرف آئی ہے۔'' (ص ١٦، ملخصاً)

واضح ہو کہ مسٹر پرویز نے ان خیالات کو قرآن اور حدیث کی رو سے ثابت کیا ہے۔ اگرچہ احادیث کو وہ ظنی اور ناقابل یقین تصور کرتے ہیں لیکن جہاں تک ان خیالات کا تعلق ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہم اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بات کہ یہ خیالات کہاں تک قرآن و حدیث کے مطابق ہیں، ہم آگے بیان کریں گے؛ سردست حضورؐ کے فیصلوں کو کسی دیہات کی چوپال میں نمبردار چودھری کے فیصلہ کے برابر رکھ کر دیکھئے تو آپ دونوں میں کوئی خطِ امتیاز قائم نہ کرسکیں گے۔ کیونکہ بہرحال اس کا فیصلہ صحیح ہوگا یا غلط۔ غلط ہو تو اس کا ذمہ دار چودھری خود ہے اور اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا لیکن اگر وہ صحیح ہے تو توفیق الٰہی سے ہوگا۔ دونوں میں فرق صرف الفاظ کا ہے۔ وہاں جس چیز کو وحی کہا گیا ہے یہاں توفیقِ الٰہی کہہ دیا گیا ہے۔

حضورؐ کے فیصلوں کو اس مقام پر لے آنے کی وجہ یہ ہے کہ آگے چل کر مسٹر پرویز کو خدا اور رسول کی اطاعت کی یہی صورت بیان کرنی ہے اور اسی کو وہ 'خلافت علی منہاجِ نبوت' کہتے ہیں۔ لیکن یہاں ایک بار پھر مسٹر پرویز کی دینی بصیرت پر ہمیں افسوس کرنا چاہئے کہ ان کے خیال میں حضور کے فیصلے کبھی غلط ہوتے تھے اور وہ اپنے غلط فیصلوں کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے غلط فیصلوں کا وبال ان پر ہوگا۔ حالانکہ نہ کوئی آیت اس پر شاہد ہے اور نہ کوئی حدیث اس کی تائید کرتی ہے اور

نہ عقلِ سلیم کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ خدا کا رسول غلط فیصلے کرے اور وبال کا مستوجب ہو۔

مشکل یہ ہے کہ مسٹر پرویز شاید یہ جانتے ہی نہیں کہ غلط فیصلہ کرنا کس کو کہتے ہیں؟ حضور کی ذاتِ گرامی کا تو ذکر ہی کیا، کسی عدالت کا ایک قانون دان جج بھی غلط فیصلہ نہیں کرتا۔ ان کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ فیصلہ حق دار کے خلاف ہو اور پھر بھی جج نے فیصلہ کرنے میں غلطی نہ کی ہو کیونکہ فیصلہ کے صحیح ہونے کا انحصار اس بات پر ہے کہ فیصلہ کرنے میں قانونی مطالبات کو کہاں تک پورا کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن قیم نے اسی بنا پر یہ اصول اخذ کیا ہے الاحکام الظاهره تابعة للأدلة الظاهرة یعنی ظاہری احکام ظاہری دلائل کی بنا پر دیئے جائیں گے (حقیقت خواہ کچھ ہو)۔ (اعلام الموقعین: ج۳)

ہماری عدالتیں بھی نافذ الوقت قوانینِ شہادت کے مطابق فیصلہ کرتی ہیں اور رسول بھی فیصلہ کے وقت خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کی پیروی کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ حضور فیصلے وحی کی رو سے نہیں کرتے تھے، انتہائی بے خبری ہے۔ وحی کی رو سے فیصلے کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان قاعدوں کو ملحوظ رکھا جائے جو فصلِ تنازعات کے باب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی خفی یا وحی جلی کے تحت رسول اللہ کو بتا دیئے۔ اس میں ذاتی بصیرت کا جہاں تک تعلق ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ فصلِ تنازعات کے باب میں کسی قاعدۂ دینِ برحق کی مراعات میں غفلت نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت اُمّ سلمہ کی روایت جو مسٹر پرویز نے منکر حدیث ہونے کے باوجود بدیں ثبوت پیش کی ہے کہ حضور فصل معاملات میں غلطی بھی کر دیتے تھے، اس میں خود یہ وضاحت ہے کہ

''اگر میں کسی شخص کو اس کے بیان کے مطابق اس کے بھائی کا حق دے دوں تو اسے سمجھنا چاہئے کہ میں اسے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں، اسے چاہئے کہ اسے نہ لے۔''

اس میں فیصلے کی غلطی کا ذکر نہیں ہے بلکہ اپنی طرف سے فیصلہ صحیح کرنے کا اعلان ہے کیونکہ حضور مدعی کے بیان کے مطابق فیصلہ جبھی دیتے تھے کہ مدعا علیہ دعوے کی غلطی ثابت نہ کر سکے۔ ایسا فیصلہ تو غلط نہیں کہا جاسکتا البتہ دعویٰ ہی غلط رہا ہو تو اس کا وبال مدعی کو بھگتنا پڑے گا۔ جس کو حضور نے آگ کے ٹکڑے سے تعبیر فرمایا۔

حدیث میں ایسی صورت بھی مروی ہے کہ ارتکابِ جرم کا ذاتی علم ہونے کے باوجود شہادت کی شرعی حیثیت مکمل نہ ہونے کے باعث مجرم کو بری کر دیا گیا۔ جس طرح عدالت ہائے عالیہ کے فاضل ججوں کے فرائض میں سے ہے کہ وہ ذاتی بصیرت کو ملک کے قوانین عدلیہ کی حدود سے متجاوز نہ ہونے دیں، اسی طرح شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی فرض تھا کہ وہ ذاتی بصیرت کو شرعی ضوابط کی حدود سے بڑھنے نہ دیں۔ ہائی کورٹ کے بعض فیصلوں میں آپ کو یہ بھی ملے گا کہ خود فاضل ججوں نے اظہارِ افسوس کیا ہے کہ

وہ مجرم کو استغاثہ کے نقائص کی بنا پر سزا نہ دے سکے، حالانکہ ان کی ذاتی بصیرت اور ذاتی معلومات ارتکابِ جرم کا ثبوت بہم پہنچاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے فیصلوں کو غلط تسلیم نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہی فیصلے دوسرے عدالتی فیصلوں کی نظیر قرار پائے۔ غرض یہ کہنا کہ حضور فیصلے وحی کی رو سے نہیں بلکہ ذاتی بصیرت سے کیا کرتے تھے، علومِ دینیہ بلکہ اُصول عدلیہ سے محض کورا ہونے کی دلیل ہے۔

مسٹر پرویز کی آشفتہ بیانی دیکھئے کہ اسی رسالے میں ایک جگہ آیت ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (۴۸/۷) پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''رسول اللہ سے کہہ دیا گیا کہ اس نے لوگوں کے متنازعہ فیہ اُمور کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کرنے ہیں۔'' (ص ۷)

—— یہ جملہ بھی اَدبِ اُردو میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے —— اور پھر یہ کہہ دیا کہ حضور مقدمات کے فیصلے وحی کی رو سے نہیں کرتے تھے۔ اب یا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا وحی کی رو سے فیصلہ کرنا نہیں ہے اور یا پھر یہ کہ حضور خدا کے حکم کے خلاف کیا کرتے تھے۔ (نعوذ باللہ) مسٹر پرویز نے حضور کے بعض فیصلوں کو غلط ثابت کرنے کے لئے قرآنِ حکیم کی یہ آیت بھی پیش کر دی ہے کہ

> ﴿قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَا اَضِلُّ عَلَى نَفْسِىْ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِى اِلَىَّ رَبِّىْ﴾
>
> ''یعنی کہو کہ اگر میں غلط راستے پر ہوں تو یہ غلط راستہ اپنے ہی برے کو ہے اور اگر ٹھیک راستے پر ہوں تو جان رکھو کہ یہ میرے ربّ کی وحی ہے۔'' (۳۴:۵۰)
>
> (اگر اس سے تم نے روگردانی کی تو گویا خدا سے پھر گئے)

مدعا یہ ہے کہ میں غلط راستے پر نہیں ہوں۔ میں خود اپنا برا کیوں چاہوں گا۔ تم کو تو یہ سوچنا چاہئے کہ اگر میں فی الواقع صحیح راستے پر ہوں تو یہ خدا کے حکم سے ہے۔ تمہارا کیا حشر ہوگا اگر تم نے یہ راہ اختیار نہ کی۔ یہاں پر نہ کسی متنازع فیہ امر کا ذکر ہے نہ مقدمات کی کارروائی کا۔ بلکہ اس سے پہلے کی آیت ﴿قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ﴾ ''یعنی سچ عیاں ہوگیا اور جھوٹ ہیچ ہے، اوّل بھی اور آخر بھی'' —— نے نہایت وضاحت سے بتا دیا کہ یہاں پر محض ہدایت اور گمراہی کا تقابل ہے۔ حضور کے اس کہنے سے کہ اگر میں گمراہ ہوا تو اس کا خمیازہ مجھ کو بھگتنا پڑے گا، یہ نتیجہ نکالنا کہ فی الواقع حضور گمراہی میں مبتلا تھے، ایک غبی انسان کے سوا اور کون نکال سکتا ہے۔ مسٹر پرویز نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اگر میں کسی معاملے میں غلطی کرتا ہوں تو وہ غلطی میری اپنی وجہ سے ہوتی ہے یعنی میں خود ایک وجہ ہوں غلطی کرنے کی، اس کی بابت کیا کہا جائے سوا اس کے کہ ؏ چہ بے خبر ز مقامِ محمدؐ عربی است!

☜ **پرویزی مرکز ملت میں رسول اللہ کا مقام:** رسول اللہ ﷺ کے فرائض متعلقہ نظامِ اسلامی کی وہ

تفصیل بھی قابلِ داد ہے جو اس رسالے میں بتائی گئی ہے :

''رسول اللہ کے ذمے اس ضمن میں دو کام تھے: ایک تو متنازعہ فیہ اُمور میں کتاب اللہ کے متعلق فیصلے کرنا اور دوسرے کتاب اللہ نے جن قوانین کو محض اُصولی طور پر بیان کیا تھا اور ان کی جزئیات کو دانستہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ تاکہ وہ بھی اصولوں کی طرح ہمیشہ کے لئے غیر متبدل نہ قرار پا جائیں؛ اپنے خیالات کے مطابق ان کی جزئیات متعین کرنا۔'' (ص ۱۵)

متنازعہ اُمور کے فیصلے کی کیفیت اوپر بیان ہوچکی اور یہ بھی ذکر ہوچکا کہ مسٹر پرویز کے نزدیک تمام متنازعہ امور کا فیصلہ مرکز کے باہر ماتحت افسران کیا کرتے تھے۔ اس طرح حضور کا کام صرف اپیل سننے تک تھا، وغیرہ...... باقی قرآنی قوانین کے اُصول کی جزئیات کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ قرآن نے تو اسے دانستہ چھوڑ دیا کہ مبادا اُصول کی طرح جزئیات بھی غیر متبدل قرار نہ پا جائیں۔ یعنی اصول غیر متبدل ہیں لیکن ان کے تحت جزئیات متبدل ہی رہیں گی۔

☜ جزئیات سے کیا مراد ہے اور اس کے تعین کا کیا طریقہ ہے، اس کا جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ لکھتے ہیں:

''اب رہا جزئیات کا متعین کرنا تو اس کے لئے قرآن نے حضور کو حکم دیا تھا کہ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ (۳:۵۵) تم معاملات میں ان (جماعتِ مؤمنین) سے مشورہ کیا کرو۔'' (ص ۱۷)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جزئیات کا تعین بھی حضور کے اکیلے کا کام نہیں تھا بلکہ مشورہ سے ہوتا تھا چنانچہ اس کے ثبوت میں انہوں نے مشکوٰۃ کی ایک حدیث کا ترجمہ اس طرح شروع کیا ہے:

''عبداللہ بن زید بن عبدربہ نے کہا کہ جب رسول اللہ نے ناقوس بجانے کا حکم دیا تاکہ اسے بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے جمع کریں تو مجھ کو خواب میں ایک شخص دکھائی دیا جس کے ہاتھ میں ناقوس تھا۔'' وغیرہ (ص ۱۷)

پھر بتایا گیا ہے کہ اس شخص نے خواب میں اذان کے الفاظ سکھائے اور اسی طرح رسول اللہ نے اذان دینے کا حکم دے دیا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب عمر بن خطاب نے اذان کی آواز سنی تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے بھی خواب میں ایسا ہی دیکھا ہے۔ تب حضورؐ نے فرمایا کہ خدا ہی کو تعریف ہے۔

آپ اس حدیث کو پڑھ کر بتایئے کہ کیا اسی کا نام مشورہ ہے۔ اس واقعہ کے بیان کرنے اور مشورہ کی اس عجیب وغریب صورت کے پیش کرنے کی غرض یہ ہے کہ سننے والے رسولؐ کی حیثیت کو اس بلند مقام سے جو مسلمان اب تک سمجھ رہے تھے، نیچے لاکر رسول کی ضرورت کا احساس ہی ترک کردیں۔

پرویزی مرکز ملت میں حاکم وقت کا مقام: ...... چنانچہ لکھتے ہیں:

''ظاہر ہے کہ رسول اللہ کے بعد دین کے باقی رہنے کی صورت یہی ہوسکتی تھی کہ رسول کا ایک

جانشین ہوتا جو محسوس شخصیت کی حیثیت سے رسول کی جگہ لے لیتا۔ اسے خلیفة الرسول رسول کا جانشین کہا جاتا ہے۔ (ص۲۰)......

خلیفة الرسول اس فریضہ (یعنی فریضہ رسول) کو بدستور انجام دیتا تھا۔ اب ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (تیرے ربّ کی قسم یہ لوگ کبھی مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے متنازعہ فیہ اُمور میں تجھے حکم نہ بنائیں) میں كَ (تجھے) سے مراد خلیفة الرسول تھا۔" (ص۲۲)

دیکھا آپ نے رسول کے بعد خلیفہ رسول نے کس طرح رسول کی ضرورت کو ختم کردیا۔ آگے جاکر اس رسالہ میں خلیفہ کی ضرورت کو بھی ختم کردیا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ کی بجائے کسی محسوس شخصیت کو پھر سے قائم کرنے کی تحریک شروع کی گئی ہے جس کا نام 'طلوعِ اسلام' ہے......!!

☜ مسٹر پرویز کے آئندہ عزائم کیا ہیں، ان کے اپنے الفاظ میں ان کی کوشش یہ ہے کہ

"جس محسوس شخصیت (مرکزِ ملت) کے گم ہوجانے سے یہ سارا انتشار پیدا ہوا ہے، اسے پھر سے قائم کردیا جائے۔ جسے ہم تمام متنازعہ اُمور میں اپنا حکم بنائیں اور اس طرح خدا کے اس حکم کی اطاعت کرسکیں کہ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (ص۲۸)

اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہی كَ کی ضمیر جو پہلے آنحضرت ﷺ کے لئے تھی اور بعد میں خلیفہ کے لئے ہوئی، اب مرکزِ ملت کے لئے ہو:

"یہی وہ خلافت علی منہاجِ نبوت ہوگی: (۱) جو اُمت کے تمام متنازعہ امور کا فیصلہ کرے گی (۲) جو اس وقت ہمارے پاس شریعت کے نام سے موجود ہے، وہ کتاب اللہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے گی، جو کچھ اس میں غلط ہوگا اسے محو کردے گی۔ جس جس بات میں موجودہ حالات کے متعلق کسی تبدیلی کی ضرورت ہوگی، اس میں مناسب تبدیلی کردے گی باقی علیٰ حالہٖ رہنے دے گی۔" (ص۲۹)

☜ غرض اس رسالہ میں جو اطاعتِ رسول کا عنوان ہے، اس سے مراد اس زمانہ میں مرکزِ ملت کی اطاعت ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"میری کوشش یہ ہے کہ ہم میں پھر سے خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کا سلسلہ قائم ہوجائے تاکہ ہم پھر اللہ اور رسول کی اطاعت کرسکیں۔" (ص۲۹)

یہ اطاعت کس طرح ہوگی:

"اسی طرح جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں اللہ اور رسول کی اطاعت کی جاتی تھی۔"

اور ان حضرات کے زمانے میں اطاعت کس طرح کی جاتی تھی، اس کی تفصیل یہ ہے:

"(۱) جن اُمور کی جزئیات پہلے متعین نہیں ہوئی تھیں، ان کی جزئیات متعین کی جاتی تھیں۔

(۲) جو جزئیات پہلے متعین ہوچکی تھیں اور ان میں کسی تغیر وتبدل کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی انہیں علیٰ حالہٖ قائم رکھا جاتا تھا (۳) جن جزئیات میں اقتضائے حالات کے مطابق کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی، اس میں تبدیلی کردی جاتی تھی۔'' (ص۲۲،۲۳)

''اگر زمانے کے تقاضے اس کے خواہاں ہوں تو نبی اکرم کے زمانے کے فیصلوں میں مناسب ردّوبدل کیا جاسکتا ہے اور ایک خلیفہ کے فیصلہ کو خلیفہ مابعد بھی بدل سکتا ہے۔'' (ص۲۴)

مسٹر پرویز اسی کو 'اطاعتِ رسول' کہتے ہیں اور اسی اطاعتِ رسول کی ترغیب اس رسالہ میں دی گئی ہے۔ یعنی ایک محسوس شخصیت قائم کی جائے جو دین کیلئے نئی جزئیات متعین کرے اور حسبِ ضرورت رسول ﷺ کی متعین کردہ جزئیات میں ردّوبدل کرے اور زمانہ یہی کہتا رہے کہ یہ اطاعت رسول ہورہی ہے!

☜ **اولیاتِ عمرؓ:** اب مجھے صرف یہ بتانا رہ گیا ہے کہ مسٹر پرویز کا مطلب جزئیات سے کیا ہے اور زمانے کے تقاضے سے کیا مراد ہے؟ پرویز نے اگرچہ جزئیات کی تعریف نہیں بتائی، البتہ چند مثالیں ضرور دی ہیں۔ ایک مثال یہ ہے:

''نبی اکرم کے زمانہ سے لے کر عہدِ صدیقی تک ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک شمار کرکے طلاقِ رجعی قرار دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں اسے تین شمار کرکے طلاقِ مغلظ قرار دے دیا۔'' (ص۲۳)

اس مثال میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ قرآنِ حکیم کے کون سے اُصولی حکم کا جزئیہ ہے۔ پھر یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ حضرت عمرؓ نے اس کے لئے باہمی مشورہ کب کیا۔ حالانکہ ان کو مشورہ کرنا ضروری تھا۔ اس سلسلے میں یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ مسٹر پرویز کو حضرت عمر کے اس فیصلے سے اختلاف ہے۔ چنانچہ یہاں پر انہوں نے صرف اتنا اشارہ کردیا ہے کہ ''ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ قرآن کی رو سے صحیح طلاق کی پوزیشن کیا ہے، ہم یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور کے زمانے کے فیصلے حضور کے خلفا کے عہد میں بدلے جاسکتے ہیں''، اس سے مقصد یہ ہے کہ خلفا کو قرآن کی رو سے کسی حکم کی صحیح پوزیشن کے خلاف بھی حسبِ ضرورت تبدیلی کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت ایک اور واقعہ سے دیا گیا ہے کہ

''حضرت عمر نے فیصلہ دیا کہ جنگ کے دوران کسی پر حد جاری نہ کی جائے اور قحط کے زمانے میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔'' (ص۲۴)

مطلب یہ نکلا ہے کہ وقت کے تقاضوں میں یہ قوت ہے کہ حدِقرآنی ساقط ہوسکتی ہے اور قرآنی حکم کو بدلا جاسکتا ہے۔ حالانکہ خود مسٹر پرویز کا کہنا ہے کہ

''وحی کی رو سے متعین شدہ جزئیہ میں کوئی بھی تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں۔'' (ص۲۵)

باوجود اس کے ان کی رائے ہے:

''جن اُمور کی قرآن نے اجازت دی ہوئی ہے (اس فقرہ کے اَدبی محاسن کو بھی پیش نظر رکھئے گا) اگر حالات کا تقاضا ہو تو مرکزِ ملت انہیں وقتی طور پر بند بھی کرسکتا ہے۔'' (ص ۲۵)

قرآن کے حکم میں تبدیلی کی ایک اور مثال یہ دی ہے کہ

''حضور کے زمانے میں مؤلفة القلوب کو صدقات کی مد سے اِمداد دی جاتی تھی، حضرت عمر نے اپنے زمانے میں اسے ختم کردیا۔'' (ص ۲۴)

اسی سلسلہ میں انہوں نے لکھا ہے:

''یہ جزئیات وحی کی رو سے متعین نہیں ہوتی تھیں۔ اس باب میں حضور کو صحابہ سے مشورہ لینے کا حکم تھا۔'' (ص ۲۵)

سوال یہ ہے کہ کیا مسٹر پرویز اور ان کے تمام جماعتی مل کر بھی بتا سکتے ہیں کہ حضور نے یہ تمام جزئیات کس کے حکم سے متعین فرمائیں۔ کس نے مشورہ دیا کہ ایک مجلس میں تین طلاق ایک ہی طلاقِ رجعی ہوگی۔ نبی اکرم نے ارتکابِ جنایات پر حد جاری کرنے اور چور کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کن کن صحابہ کے مشورہ سے کیا۔ مؤلفة القلوب کو زکوٰۃ دلائے جانے کے حق میں کن اصحاب نے رائے دی؟ اگر یہ تمام احکامات حضور نے مشورہ سے نہیں دیئے بلکہ یہ سب وحی کی رو سے متعین شدہ جزئیات تھیں تو اب یہی سوال میں کرتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کو ان تمام جزئیات میں تبدیلی کرنے کا کیا حق تھا۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ دراصل حضرت عمر کا نام لے کر خود قرآنی احکامات میں ردّوبدل کرنا مقصود ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ قرآنی فیصلوں اور حضور کے احکامات میں کسی تبدیلی کا سوال کسی عہد میں پیدا ہی نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے۔ حضرت عمر نے ہرگز کسی جزئیہ میں تبدیلی نہیں کی بلکہ خدا اور رسول کے احکامات کی وہی تعبیر ان کے خیال میں صحیح تھی جس کا انہوں نے حکم دیا۔ اگر کسی پچھلے فیصلہ کی مخالفت انہوں نے کی ہے تو صرف اس لئے کہ اس فیصلے کو انہوں نے منشا رسول کے خلاف سمجھا۔ ان کے یا صحابہ کرام بلکہ فقہائے اُمت اور علمائے برحق میں سے کسی کے حاشیہ خیال میں یہ تصور آ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ حضور کے مقرر کردہ کسی جزئیہ کو بدل دیں۔ یہ سب عہد جدید کے مسلوب الحس اور بے رحم مدعیانِ اسلام کا ہی کام ہے کہ وہ علانیہ رسول کے فیصلہ میں تبدیلی کا پرچار کرتے ہیں اور کوئی ان سے باز پرس نہیں کرتا۔

حد کا روکنا اور قطع ید کا التوا اس قسم کے حالات کی بنا پر تھا جن میں حرام حلال ہوجاتا ہے اور وہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کے تحت آجاتا ہے اور یہی قرآن کا حکم ہے اور رسولؐ کی ہدایت ہے۔ اور یہ کہنا کہ حضرت عمر نے فیصلہ دیا کہ جنگ کے دوران میں کسی پر حد جاری نہ کی جائے کذبِ صریح ہے۔ خود آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا کہ ایامِ جنگ میں چوروں کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ ایام جنگ میں ایک

فوجی نے بشر بن ارطاۃ کی ڈھال چرالی، پکڑا گیا۔ بشر فرماتے ہیں: لو لا أني سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تقطع الأيدى فى الغزو لقطعت يدك (ابوداود) یعنی ''اگر آنحضرت ﷺ کو میں نے یہ کہتے نہ سنا ہوتا کہ دورانِ جنگ میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں تو میں ضرور تیرا ہاتھ کاٹ دیتا۔''

غرض یہ حکم نیا نہیں ہے۔ اگر حضرت عمر نے سابقہ حکم بدل دیا ہوتا تو اس کے بعد یہ حدود کبھی نافذ نہیں ہوتیں۔ لیکن ان کے عہدِ حیات میں بھی یہی حدود بدستور نافذ رہیں۔ لیکن یہ فہم علم دین حاصل کرنے کے بعد ہی آتا ہے۔ اسی طرح مؤلفة القلوب کی امداد حضرت عمرؓ نے بند نہیں کی۔ آپ نے غلط سمجھا، حقیقت یہ ہے کہ مؤلفة القلوب کی مد سے زکوٰۃ لینے والے ہی نہ رہے۔ جیسے اِس وقت غلام اور عاملین زکوٰۃ موجود نہیں ہیں۔ تو زکوٰۃ کی مد سے ان کو دیا جانا ممکن نہیں۔ حضرت عمر جیسے فدائی سنت پر یہ اِفترا کہ انہوں نے اللہ یا رسول کے حکم کو بدل دیا، انتہائی شرمناک جسارت ہے۔ مسٹر پرویز نے لکھا ہے کہ

> ''یہ جزئیات وحی کی رو سے متعین نہیں ہوتی تھیں۔ اگر یہ وحی کی رو سے متعین ہوتیں تو حضور کے خلفائے راشدین میں سے کسی کو بھی اس کا حق نہیں پہنچ سکتا تھا کہ ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا حک واضافہ کرسکتا۔'' (ص ۲۵)

کاش مسٹر پرویز کو کوئی سمجھائے کہ کسی امر کا متعین کرنا تو بڑی بات ہے، حضور کا ایک اشارۂ ابرو بھی کسی امر کے لئے ہوتو اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا حک واضافہ کا تصور ہی خلفائے راشدین کے لئے موت سے بدتر تھا۔ ع کار پاکان را قیاس از خودم گیر

☜ مسٹر پرویز نے حضور کے مقرر فرمودہ اُمورِ دین میں حالات کے مطابق تبدیلی کی چند اور مثالیں بھی دی ہیں مثلاً

> (۱) ''نبی اکرم نے قیدیوں کا فدیہ ایک دینار فی کس مقرر کیا تھا، لیکن حضرت عمر نے مختلف شرحیں مقرر فرمائیں۔'' ...... (۲) ''نبی اکرم نے مختلف اجناس کی شرحِ خراج بالتفصیل مقرر نہیں فرمائی حضرت عمر نے متعین فرمائی۔'' ...... (۳) ''نبی اکرم کے زمانہ میں بعض مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم کردی گئی تھیں، حضرت عمر نے یہ سسٹم ختم کردیا۔'' ...... (۴) ''رسول اللہ نے لوگوں کے وظائف مساوی مقرر فرمائے تھے حضرت عمر نے انہیں خدمات کے تناسب سے بدل دیا۔'' ......
> (۵) ''نبی اکرم کے زمانے میں تجارتی گھوڑوں اور سمندروں سے برآمد شدہ اشیا پر زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی، حضرت عمر نے ان پر زکوٰۃ قائم کی۔''

لیکن ان میں سے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جسے حضور کی متعین فرمودہ باتوں میں سے کسی میں تبدیلی کہا جاسکے۔ ان میں یا تو کذب بیانی ہے یا غلط فہمی ہے اور یا پھر ابلہ فریبی سے کام لیا گیا ہے مثلاً حضور کا فدیہ کی مقدار ایک دینار مقرر کرنا جھوٹ ہے۔ حضور نے تو بعض اوقات فدیہ کے لئے کوئی رقم رکھی

ہی نہیں۔ ایک بار دس آدمیوں کو لکھنا سکھا دینا ہی فدیہ قرار دیا تھا۔ لوگوں کے وظائف اگر کبھی مساوی مقرر ہوئے تو وہ لوگ مساوی وظائف ہی کے حقدار تھے۔ اس سے یہ مطلب سمجھ لینا کہ مساوی وظائف ہی کا حکم تھا، سخت غلط فہمی ہے۔ اسی طرح اگر حضور کے زمانے میں کسی چیز پر زکوٰۃ نہ تھی اور بعد میں لگا دی گئی تو اس میں کسی حکم کی تبدیلی کیسے ہوئی؟ تبدیلی تو جب ہوتی کہ کسی چیز پر زکوٰۃ کی ممانعت ہوتی (جیسے نمک وغیرہ پر تھی) اور پھر اس پر زکوٰۃ لگتی۔ یہ بھی مسٹر پرویز کی غلط فہمی ہے۔ شرحِ خراج کا بالتفصیل مقرر نہ فرمایا جانا اور پھر بالتفصیل اس کا مقرر ہو جانا بھی کسی حکم میں تبدیلی نہیں ہے۔ بلاشبہ بعض زمینیں مجاہدین میں تقسیم کردی گئی تھیں لیکن بعض کی تقسیم سے کل کے لئے حکم ثابت کرنا ابلہ فریبی نہیں تو اور کیا ہے؟

☜ اگر مسٹر پرویز کو احادیث کا شعور ہوتا اور سیرتِ صحابہؓ سے واقف ہوتے تو نہ ایسی بے ڈھنگی باتیں کہتے اور نہ خلفائے راشدین پر احکامِ رسول کی تبدیلی کا الزام لگاتے۔ نبی اکرم ﷺ کے فیصلوں میں ردّوبدل اور حک واضافہ کی نظیریں مسٹر پرویز کو ان کے سوا نہیں ملیں اور وہ صرف انہی باتوں کو مڑ مڑ کر اپنی تحریروں میں پیش کرتے رہتے ہیں لیکن ان کا دعویٰ یہ ہے:

''یہ چند واقعات محض بطورِ مثال درج کردیئے گئے ہیں ......''

مدعا یہ ہے کہ حضور کے حکم میں تبدیلی کی صرف یہی نظائر نہیں ہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ ہیں اب یہ ہر شخص خود اندازہ لگا لے کہ حضور کی وفات سے بارہ چودہ سال کے اندر اندر جب کہ حالات اس قدر بدل گئے کہ نبی اکرم ﷺ کی متعین کردہ بچاسوں جزئیات میں تبدیلی کردی گئی۔ تو جبکہ چودہ نہیں، چودہ سو سال گزر چکے ہیں تو جزئیاتِ دین میں کس قدر تبدیلیاں درکار ہوں گی۔

☜ مسٹر پرویز کو نہایت شدت سے اس امر کا احساس تھا کہ شریعتِ اسلامیہ کا تمام ڈھانچہ ہزاروں سال کا پرانا، کہنہ اور بوسیدہ ہوکر از سرنو ساخت وتعمیر کے قابل ہوگیا ہے لیکن ان کے لئے مشکل یہ ہے کہ وہ ابھی تک خلافتِ راشدہ کا سلسلہ از سرنو قائم نہیں کرسکے، تاہم وہ مایوس نہیں ہیں۔ لکھتے ہیں:

''ہم میں جو یہ خیال پیدا کردیا گیا ہے کہ اب خلافتِ راشدہ کا سلسلہ قائم ہی نہیں کیا جاسکتا تو یہ نااُمیدی کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے قیامت تک زندہ رہنا ہے، اس لئے اس میں خلافت کا سلسلہ بدستور قائم کیا جاسکتا ہے۔'' (۲۸)

یعنی چودہ سو سال سے جو اسلام مردہ پڑا ہوا ہے، اسے مسٹر پرویز پھر زندہ کریں گے۔ سردست تو ان کی ہدایات صرف یہ ہیں:

''جب تک خلافت کا یہ سلسلہ قائم نہیں ہوجاتا، کسی فرد کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ اُمت کے اُمورِ شریعت: نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی جزئیات جس طریق پر چلی آرہی ہیں، اس میں کوئی تغیر

وتبدل کرے۔ وہ صرف اتنا کرسکتا ہے کہ یہ بتا دے کہ فلاں معاملہ میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ قرآن کے مطابق نہیں۔'' (ص ۲۹)

یعنی مسٹر پرویز ملتِ اسلامیہ پر ایک ایسا وقت لانا چاہتے ہیں کہ اُمت کے اُمورِ شریعت: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی جزئیات جس طریقہ پر چلی آرہی ہیں، ان میں تغیر وتبدل کیا جائے۔ ان کے ان بلندعزائم کے باوجود ہم مسٹر پرویز کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے سردست کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دی کہ ہمارے مذہبی اعمال میں مداخلت کرے۔ ہمیں یقین ہے کہ عالم اسلام پر ایسی منحوس صبح کبھی طلوع نہ ہوگی جس میں کسی ایسے نظام سے دوچار ہونا پڑے جو مسلمانوں کے ہاتھ کو کتاب وسنت کے مرکزی دامن سے جدا کردے۔ اطاعتِ رسول کے معنی صرف یہ ہیں کہ ایک مسلمان قرآن وحدیث پر بیک وقت عامل ہو، اس کے علاوہ مرکزِ ملت کا نہ کوئی مفہوم ہے اور نہ مسٹر پرویز خود یا ان کی نسل کبھی ایسے مرکز ملت سے دوچار ہوسکے گی جس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا نام تو ہو لیکن اس کے ارکان موجود نہ ہوں۔

حقیقی مرکزِ ملت کیا ہے؟

جسدِ شریعت ان ہی اجزائے ترکیبی سے وجود میں آیا ہے جس کی تزئین وتشکیل جناب رسول اللہ ﷺ کے وحی آشنا ذہن اور معجز آفرین ہاتھوں نے کی۔ خلفائے راشدین کی حیاتِ طیبہ کا تمام سرمایۂ ناز و افتخار ان ہی جزئیات کی موبمو اور ہوبہو اتباع تھی اور افرادِ ملت کی خوش بختی محض اس میں ہے کہ ہم ان ہی اسلاف کے نقوشِ قدم کی تلاش میں لگے رہیں اور جہاں جہاں ان کا قدم پڑا ہے، اسی پر قدم رکھیں۔ مرکزِ ملت وہ نہیں ہے جو اس وقت مسٹر پرویز کے ماؤف ذہن میں ہے بلکہ وہ ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل قائم ہوا اور اب تک قائم ہے اور اسی کو چمٹے رہنے اور اسی سے وابستہ رہنے کا ارشاد اس حدیث میں ہے:

> عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى عضوا عليها بالنواجذ وتمسكوا بها وايا كم ومحدثات الامور
>
> ''تم پر لازم ہے کہ میرے طریقے اور میرے بعد خلفاءِ راشدین مہدیین کے طریقے کی پیروی کرو اور اس کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ رکھو اور اسی پر جمے رہو اور خبردار نئی باتوں سے بچتے رہنا''

نئی بات جس سے بچنے کی حضور نے تاکید فرمائی ہے، یہی مرکز ملت کا ناشدنی تصور ہے جس کے نام سے بھی ملتِ اسلامیہ بلکہ مللِ عالم ناواقف ہیں۔

آخر میں، اربابِ بصیرت کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ وہ بار بار غور کریں کہ مرکزِ ملت کے اس لامرکزی تصورِ اطاعتِ رسول کی یہ منکرانہ توجیہ، دین اور مذہب کی یہ بے سبب تفریق، آیا تِکلامِ الٰہی کی یہ معنوی تحریف اور احادیثِ رسولؐ واخبارِ صحابہؓ سے اس استغنا میں آخر ملتِ اسلامیہ کی کون سی خدمت

مقصود ہے۔ مسلمانوں کو یا دنیا کو ان کوششوں سے کون سا سیاسی، اقتصادی یا اخلاقی فائدہ پہنچ رہا ہے۔ قومی ترقی کی کون سی راہیں کشادہ ہوئیں اور ان کے اس مسلسل درس نے کتنے مسلمانوں کے اخلاق درست کئے اس جدوجہد کا مآل سوائے اس کے اور کیا ہے کہ مسلمانوں کی چودہ صد سالہ روایات کی عظمت، علماء و صلحائے ملت کے فضل و ہنر، ائمہ مفسرین و محدثین وفقہا کی مافوق العادت دینی بصیرت اور من حیث المجموع تمام شرعی ضوابط کی تنقیص وتضعیف اور اربوں افرادِ ملت کی عقل و دانش کی تضحیک اور نتیجۃً خود مذہب اسلام کا ابطال ہو۔ **وما علینا الا البلاغ**

﴿رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾

فتویٰ واجتہاد

ادارۂ محدث

پرویزیت کے بارے میں علماءِ اسلام کے فتاویٰ

...... غلام احمد پرویز کافر اور مرتد ہے ......

❀ امامِ حرمین شریفین شیخ محمد بن عبداللہ السبیل نے 'طلوعِ اسلام' تنظیم کے بانی غلام احمد پرویز اور اس کے متبعین کو ان کے باطل وملحدانہ عقائد کی وجہ سے کافر قرار دیا ہے۔ اپنے فتویٰ میں انہوں نے لکھا:

> ''یہ شخص حجیت ِحدیث، معجزات، عذابِ قبر اور بہت سی ضروریاتِ دین کا منکر ہے۔ اس ملحد نے قرآنِ کریم کی ان آیات اور آنحضرت ﷺ کی ان احادیث کا جو نماز، زکوٰۃ، حج، جنت اور دوزخ سے متعلقہ ہیں، کا انکار کیا ہے۔ یقیناً اس میں شک نہیں کہ غلام احمد پرویز اور اس کے متبعین جو اس کے مذکورہ عقائد کے حامل ہیں، کافر اور قادیانیت کی طرح ملت ِاسلامیہ سے خارج ہیں۔''

شیخ عبداللہ السبیل نے پرویزی فتنہ کی سنگینی کے پیش نظر حکومت اور علماء کرام سے پرزور اپیل کرتے ہوئے فتویٰ میں یہ بھی لکھا:

> ''حکومت کے ذمہ داران اور علماء کرام پر واجب ہے کہ وہ اس عظیم خطرہ سے آگاہ رہیں اور ان کی جملہ حرکات اور ممکنہ کارروائیوں پر پابندی لگائیں تاکہ ان کا زہر مسلمانوں میں نہ پھیل سکے۔''

امام کعبہ کے فتوی کا تفصیلی متن بمعہ ترجمہ اگلے صفحات میں شائع کیا گیا ہے۔

❀ اس سے قبل حکومت ِکویت بھی سرکاری طور پر غلام احمد پرویز اور اس کے متبعین کو کافر ومرتد قرار دے چکی ہے۔ اس سلسلے میں حکومت کویت کی وزارۃ الاوقاف کی فتویٰ کمیٹی کے چیئرمین شیخ مشعل مبارک عبداللہ احمد الصباح نے اپنے فتویٰ میں لکھا:

> ''غلام احمد پرویز کے عقائد باطل وگمراہ کن ہیں اور اسلامی عقیدے کے منافی ہیں۔ ہر وہ شخص جو ان عقائد پر ایمان رکھتا ہے، وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور اگر وہ پہلے مسلمان تھا پھر ان عقائد کو اختیار کیا ہو تو وہ مرتد شمار ہوگا، کیونکہ ان عقائد سے ان امور کا انکار لازم آتا ہے جو قرآن وسنت سے قطعی طور پر ثابت ہیں اور ضروریاتِ دین میں شمار ہوتے ہیں۔''

❀ سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز مرحوم نے بھی غلام احمد پرویز کو منکر ِحدیث کی حیثیت سے کافر قرار دیا ہے۔ ان کے فتویٰ کا مکمل متن بھی بمعہ ترجمہ آگے آرہا ہے۔

❀ سعودی عرب کے موجودہ مفتی اعظم فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن محمد آلِ شیخ حفظہ اللہ نے بھی ۱۴؍ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ کو فتوی نمبر ۲۱۱۶۸ کی رو سے 'بزم طلوعِ اسلام' کے مؤسس غلام احمد پرویز اور

اس کے پیروکاروں کے کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ جس میں مسلمان حکومتوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اس گروہ کے تائب نہ ہونے کی صورت میں اس کے خلاف ارتداد کی شرعی سزا نافذ کریں۔ اس فتویٰ کا مکمل اردو ترجمہ بھی آگے آ رہا ہے۔

❁ اسی طرح متحدہ عرب امارات، دبئی کے 'اسلامک مشن' نے بھی پرویز کے کفریہ عقائد کی تفصیل لکھتے ہوئے اجماعِ امت کی روشنی میں اس کے کفر اور خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ صادر کیا ہے۔

❁ عالم عرب کے ان فتاویٰ کی توثیق و تصدیق کے ساتھ عالم اسلام کی جن مقتدر علمی اور دینی شخصیات نے پرویز کے کفر پر اتفاق کیا ہے، ان میں بالخصوص مندرجہ ذیل معروف شخصیات شامل ہیں:

۱) مولانا محمد ادریس سلفی و حافظ عبد القہار دہلوی	(جماعتِ غرباءِ اہلحدیث، کراچی)
۲) مولانا ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی	(مہتمم جامعہ نعیمیہ، لاہور)
۳) ڈاکٹر اسرار احمد	(امیر تنظیم اسلامی، لاہور)
۴) مولانا محمد تقی عثمانی	(سابق جسٹس شریعت بنچ، سپریم کورٹ)
۵) قاضی عبد اللطیف	(ممبر اسلامی نظریاتی کونسل و سابق سینیٹر)
۶) مفتی عبد القیوم خان ہزاروی	(ادارۂ منہاج القرآن، لاہور)
۷) مولانا ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری	(صوبائی وزیر مذہبی امور، پنجاب)
۸) ڈاکٹر عبد الرزاق سکندر	(صدر جامعہ علومِ اسلامیہ)
۹) مولانا سراج الدین	(شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم نعمانیہ)
۱۰) مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ	(عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت)
۱۱) مولانا حافظ عبد القادر روپڑیؒ	(چیئرمین جماعت اہل حدیث)
۱۲) مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی	(صدر مدرّس دار العلوم، کراچی)
۱۳) مولانا شیخ عبد الحفیظ مکی	(مکہ مکرمہ)
۱۴) مولانا منظور احمد چنیوٹی	(سابق ایم پی اے)
۱۵) مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنی	(شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک)
۱۶) مولانا محمد اجمل خاں	(سرپرست جمعیت علمائے اسلام)
۱۷) مولانا مفتی محمد عاشق الٰہیؒ البرنی	(مدینہ منورہ)
۱۸) ڈاکٹر عبد الواحد	(مفتی جامعہ مدنیہ)
۱۹) مولانا عبد الستار خان نیازیؒ	

۲۰) مولانا ابوطاہر محمد اسحٰق خان	(اسلامی یونیورسٹی، مدینہ منورہ)
۲۱) مولانا حافظ عبدالرشید شیخ الحدیث	(دارالعلوم تقویۃ الاسلام، لاہور)
۲۲) مولانا عبدالرحمٰن	(چیئرمین متحدہ علماء بورڈ)
۲۳) مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری	(سابق امیر جماعت اہل حدیث، ہند)
۲۴) مولانا محمد سلطان ذوق ندوی	(بنگلہ دیش)
۲۵) مولانا مجاہد الاسلام	(صدر اسلامی فقہ اکیڈمی، ہند)
۲۶) مولانا نعیم الحق نعیمؒ	(مدیر 'الاعتصام' دارالدعوۃ السّلفیہ، لاہور)
۲۷) مولانا حافظ محمد قاسم	(شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم)
۲۸) مولانا محمد یٰسین صابر	(شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس، ملتان)
۲۹) مولانا محمد اجمل قادری	(مرکز خدام الدین، لاہور)
۳۰) مولانا ریاض الحسن نوری	(مشیر وفاقی شرعی عدالت)
۳۱) مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی	(مہتمم جامعہ لاہور الاسلامیہ)
۳۲) ابوعمار زاہد الراشدی	(سیکرٹری جنرل پاکستان شریعت کونسل)
۳۳) مولانا عبدالمالک	(صدر جمعیت اتحاد العلماء، منصورہ)
۳۴) حضرت قاضی عبدالکریم کلاوچی	(مدرسہ عربیہ نجم المدارس)
۳۵) حضرت مولانا مفتی نور محمد و مولانا عبدالحلیم	(افغانستان)
۳۶) مولانا مفتی محمد الیاس کشمیری	۳۷) فتویٰ دارالعلوم دیوبند

اور کئی دیگر علمی شخصیات اور پاکستان کے معروف دینی ادارے بھی اس میں شامل ہیں۔

❁ اس سے قبل ۱۹۶۲ء میں بھی علماءِ کرام کی ایک اجتماعی تحریک کے نتیجہ میں غلام احمد پرویز کی کفریات پر مبنی تحریروں کی روشنی میں اس کے خلاف کفر و ارتداد کا فتویٰ مرتب کر کے توثیق وتصدیق کے لئے ملک کے طول وعرض میں تمام مکاتیبِ فکر کے تقریباً ایک ہزار علما کے پاس بھیجا گیا تھا جن میں حرمِ کعبہ اور مسجدِ نبوی کے علمائے کرام بھی شامل تھے۔ ان تمام حضرات نے متفقہ طور پر اس فتویٰ پر اجماع کیا اور اُمت کو پرویزی الحاد و زندقہ سے بچنے کی تلقین کی۔

اس دور میں غلام احمد قادیانی کے بعد غلام احمد پرویز وہ دوسری شخصیت ہے جس کے کفر پر بلا اختلاف وشک متفقہ طور پر اجماعِ امت قائم ہوا ہے جو اہل اسلام کے لئے ایک شرعی حجت ہے تاکہ وہ نہ صرف خود اس فتنہ سے اپنے ایمان و اسلام کی حفاظت کا بندوبست کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس کا شکار ہونے سے بچائیں۔

فتنۂ 'پرویزیت' کے متعلق امامِ کعبہ کا فتویٰ بمعہ ترجمہ

تاریخ: ۱۴۲۰/۲/۲۴ھ

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده و على آله وأصحابه أجمعين أما بعد: فإن منظمة (طلوع إسلام) والتى تصدر مجلة بإسم "طلوع اسلام" و تنتمى إلى إمامها الضال (غلام أحمد پرويز) الذى أنكر حجية الحديث الشريف وأنكر المعجزات وعذاب القبر وكثيرا من ضروريات الدين والحد وحرّف فى آيات القرآن الكريم وأقوال الرسولﷺ مما يتعلق بالصلاة والزكاة والحج والجنة والنار وغير ذلك.

ولاشك أن غلام أحمد پرويز وأتباعه ومن كان على عقائده المذكورة كفار خارجون عن ملة الاسلام وهم فى ذلك مثل القاديانيين الكفرة.

وقد آلمنا ما بلغنا من أن هاتين الطائفتين "منظمة طلوع إسلام" و"القاديانيّين" تقوم بأنشطة متنوعة لنشر كفرياتها فى دولة الكويت الشقيقة وغيرها من دول الخليج.

ويجب على المسئولين والعلماء أن ينتبهوا لهذا الخطر العظيم ويعملوا للحظر على أنشطتهم حتى لا تنتشر سمومهم بين المسلمين، والله الهادي إلى سبيل الرشاد.

وصلى الله على سيدنا ونبينا محمد و على آله و صحبه اجمعين و بارك وسلم تسليما

الرئيس العام لشئون المسجد الحرام والمسجد النبوى

إمام و خطيب المسجد الحرام محمد عبدالله السبيل

ترجمہ الحمد لله والصلاة والسلام على من لا نبي بعده وعلى آله وأصحابه أجمعين

اما بعد: طلوعِ اسلام نامی تنظیم جو طلوعِ اسلام کے نام سے ایک رسالہ نکال رہی ہے اور اپنے گمراہ پیشوا غلام احمد پرویز کی طرف منسوب ہے۔ یہ شخص حجیتِ حدیث، معجزات، عذابِ قبر اور بہت سی ضروریاتِ دین کا منکر ہے۔ اس ملحد نے قرآنِ کریم کی ان آیات اور آنحضرت ﷺ کی ان احادیث میں تحریف کی ہے جو نماز، زکوۃ، حج، جنت اور دوزخ سے متعلق ہیں۔

یقیناً اس میں شک نہیں کہ غلام احمد پرویز، اس کے متبعین اور جو بھی اس کے مذکورہ بالا عقائد کے حامل ہیں، کافر ہیں۔ اور یہ لوگ قادیانیت کی طرح ملتِ اسلامیہ سے خارج ہیں۔

ہمیں اس بات کا دلی رنج اور دکھ ہوا کہ یہ دونوں فرقے: پرویزی اور قادیانی اپنے کفریہ نظریات پھیلانے کے لئے برادر اسلامی ملک کویت میں مصروفِ عمل ہیں۔

حکومت کے ذمہ داران اور علماء کرام پر واجب ہے کہ وہ اس عظیم خطرے سے آگاہ رہیں اور ان کی جملہ حرکات اور ممکنہ کارروائیوں پر پابندی لگائیں تاکہ ان کا زہر مسلمانوں میں پھیل نہ سکے۔

والله الهادي إلى سبيل الرشاد وصلى الله على سيدنا ونبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين وبارك وسلم تسليما

نگرانِ اعلیٰ مسجدِ حرام و مسجدِ نبوی شریف و امام و خطیبِ مسجدِ حرام (مکہ مکرمہ) محمد عبداللہ سبیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غلام احمد پرویز اوراس کے حواریوں کے بارے میں
سابق مفتی ٔاعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ کا فتویٰ

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله و على آله واصحابه ومن والاه

أمابعد، فقد اطلعت على ما نشرتْه مجلة "الحج" فى عددها الثانى الصادر فى ١٦ شعبان عام ١٣٨٢هـ من الاستفتاء المقدم إليها من أخينا العلامة الشيخ محمد يوسف البنوري مدير المدرسة التربية الاسلامية بكراتشى عن حكم الشريعة الإسلامية في غلام أحمد پرويز الذي ظهر أخيرا في بلاد الهند وعن حكم معتقداته التى قدم فضيلة المستفتى نماذج منها لاستفتائه وعن حكم من اعتنق تلك العقائد واعتقدها ودعا إليها ...... الخ

والجواب: كل من تأمل تلك النماذج التى ذكرها المستفتى فى استفتائه من عقائد غلام أحمد پرويز وهي عشرون أنموذجا موضحة فى الاستفتاء المنشور فى المجلة المذكورة، كل من تأمل هذه النماذج المشار إليها من ذوي العلم والبصيرة يعلم علما قطعيا لايحتمل الشك يوجه ما أن معتنقها ومعتقدها والداعي إليها كافر كفرا أكبر مرتد عن الاسلام يجب أن يستتاب فإن تاب توبة ظاهرة وكذب نفسه تكذيبا ظاهرا ينشر فى الصحف المحلية كما نشر فيها الباطل من تلك العقائد الزائفة وإلا يجب على ولي الأمر للمسلمين قتله، وهذا شيئ معلوم من دين الاسلام بالضرورة والأدلة عليه من الكتاب والسنة وإجماع أهل العلم كثيرة جدا لا يمكن استقصاؤها فى هذا الجواب .

وكل أنموذج من تلك النماذج التي قدمها المستفتى من عقائد غلام أحمد پرويز يوجب كفره وردّته عن الاسلام عند علماء الشريعة الاسلامية .

☆ بحوالہ ہفت روزہ 'اہل حدیث' لاہور: ۱۰ تا ۱۶ جولائی ۲۰۰۲ء جلد ۳۰ رشمارہ ۲۷

ترجمہ

''تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور درود وسلام ہو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر اور آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ کرامؓ پر...... اما بعد

۱۶؍شعبان ۱۳۸۲ھ کے مجلّہ 'الحج' میں کراچی کے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے مدیر شیخ محمد یوسف بنوریؒ کا ہندوستان میں عنقریب رونما ہونے والے غلام احمد پرویز اور اس کے حواریوں کے متعلق ایک استفتاء (سوال نامہ) شائع ہوا ہے جس میں غلام احمد پرویز اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں شریعت اسلامیہ کے فیصلے کے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔ اور ہمارے بھائی سائل مذکور نے پرویزی اعتقادات میں سے تقریباً بیس ۲۰؍عقائد بھی بطورِ نمونہ کے پیش کئے ہیں۔

میں نے مجلّہ مذکور میں غلام احمد پرویز اور اس کے ساتھیوں کے ان عقائد میں پورا غور وفکر کیا ہے۔ لہٰذا علم وبصیرت کے ساتھ اور بغیر کسی شک وشبہ کے میں سمجھتا ہوں کہ ایسے عقائد کا اختیار کرنے والا اور ان کی طرف دوسرے لوگوں کو دعوت دینے والا شخص کافر ہے، اور ایسا شخص کفر اکبر کا مرتکب ہے اور وہ اسلام سے مرتد ہوگیا ہے۔ ایسے شخص اور اس کے ساتھیوں کو اپنے ان بدعقائد سے توبہ کرنے کا حکم دیا جائے۔ اگر یہ لوگ واضح طور پر توبہ کرلیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کرلیں اور ان کی توبہ کا اعلان مقامی اخبارات میں ویسے ہی نشر کیا جائے جیسے اس سے پہلے ان میں ان کے گندے عقائد نشر ہوتے رہے ہیں تو درست ہے (انہیں چھوڑ دیا جائے) لیکن اگر یہ لوگ اپنے ان عقائد سے توبہ کرنے سے انکار کریں تو مسلمانوں کے حکمران کو چاہئے کہ ایسے بدعقیدہ لوگوں کو قتل کرے، کیونکہ ان کا قتل دین اسلام کی تعلیمات سے بدیہی طور پر معلوم ہے، جس پر قرآن وسنت اور اجماعِ امت سے بکثرت دلائل موجود ہیں جنہیں اس مختصر جواب میں تفصیل سے ذکر کرنا ممکن نہیں ہے۔

سائل مذکور نے غلام احمد پرویز کے جو غلیظ عقائد ذکر کئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ علماءِ شریعت کے نزدیک غلام احمد پرویز پکا کافر ہے اور دین اسلام سے مرتد ہوگیا ہے۔''

(مجلّہ 'الایمان' کویت ...... عدد ۸۱۱۷، جمعہ ۲۹؍شعبان ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۸؍دسمبر ۱۹۹۸ء)

مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آلِ شیخ کا فتویٰ

فتویٰ نمبر ۲۱۱٦۸ مؤرخہ ۱۴۲۰/۱۱/۱۴ھ

'طلوعِ اسلام' نامی جماعت کے عقائد وافکار جو اس جماعت کے بانی غلام احمد پرویز اور اس کے پیرو کاروں نے اپنی کتابوں اور مضامین کے ذریعے پھیلائے ہیں اور بہت سے اسلامی ملکوں میں اس جماعت کے خلاف علماے مسلمین کی کثیر تعداد کی طرف سے جاری کئے گئے فتاوی سے آگاہی کے بعد، یہ واضح ہوگیا ہے کہ یہ جماعت متعدد گمراہیوں کا مجموعہ ہے جن میں سے اکثر یہ ہیں :

① اطاعتِ رسول ﷺ سے انحراف اور سنت کی حجیت (شرعی حیثیت) کا انکار کرنا اور یہ وہم کہ صرف قرآن ہی شریعت کا ماخذ ہے۔

② ارکانِ اسلام میں تحریف کرنا اور ان کے ایسے مطالب لینا جو قرآن وسنت اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہیں ۔ مثلاً صلوٰۃ ،زکوٰۃ اور حج کے ان کے نزدیک خاص معانی ہیں جو درحقیقت باطل توجیہات ہیں...... جیسا کہ خارج از اسلام باطنی فرقوں کی تحریفات ہیں۔

③ ارکانِ ایمان میں تحریف کرنا جو قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے خلاف ہے۔ ملائکہ کی ان کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں بلکہ وہ کائنات کو ودیعت کی گئی قوتوں کا حصہ ہیں اور قضاء وقدر ان کے نزدیک مجوسی فریب ہے۔

④ جنت ودوزخ کا انکار کہ ان کے نزدیک یہ حقیقی جگہیں نہیں ہیں۔

⑤ حضرت آدمؑ کے 'ابوالبشر' ہونے کا انکار کہ ان کے نزدیک وہ ایک تمثیلی قصہ ہے حقیقت نہیں۔

⑥ قرآن کریم کی تفسیر اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق کرنا اور ان کا کہنا ہے کہ احکامِ قرآن عبوری (وقتی) تھے، ابدی نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ بھی اس جماعت نے بہت سے ایسے گمراہ عقائد وافکار اپنائے ہوئے ہیں (جن کی یہ دعوت بھی دیتے ہیں) جن میں سے ایک ہی عقیدہ اس جماعت کے اسلام سے خارج ہونے اور اس کے زمرۂ مرتدین میں شامل ہونے کے لیے کافی ہے چہ جائکہ بہت سے عقائد کفریہ جمع ہو جائیں☆ علمائے اسلام کی بجائے اگر عام مسلمان لوگ بھی ان کے عقائد وافکار کے بارے میں غوروفکر کریں گے تو وہ بھی اس جماعت کی ضلالت وکفریات کے جاننے کے بعد اس کے کافر ومرتد ہونے کا یقینی فیصلہ کریں گے۔

☆ پرویز کو کافر قرار دینے کی بنیاد ان کے وہ کفریہ عقائد ہیں جو امت ِاسلامیہ سے بالکل مختلف اور متضاد ہیں۔ جیسا کہ زیر نظر فتوی میں بھی ان کا اشارہ موجود ہیں۔ پرویز کی تحریروں کی مدد سے مولانا محمد رمضان سلفی حفظہ اللہ نے ان عقائد کو جمع کیا ہے، جو ایک مضمون (پرویز کے کفریہ عقائد) کی صورت میں اسی شمارہ میں شائع شدہ ہے۔]عَلی[

کیونکہ یہ جماعت اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلاتی اور مؤمنین کے رستے سے انحراف کرتی اور معروف ضروریاتِ دین میں تحریف کرتی ہے۔

جو کچھ اس جماعت کے بارے میں پیش کیا گیا ہے، اس کی بنا پر جو بھی اس جماعت کی اتباع کرتا ہے یا اس کی طرف دعوت دیتا ہے یا کسی بھی ذریعے لوگوں کو ان کی آرا سے متاثر کرتا ہے، وہ کافر اور دین اسلام سے خارج ہے اور مسلم حکمرانوں پر واجب ہے کہ وہ اس سے توبہ کروائے اور اگر وہ تائب ہو جائے اور ایسی (کفریہ) حرکات سے باز آجائے اور اسلام کی طرف لوٹ آئے تو ٹھیک ورنہ ایسے کافر کو از روئے اسلام قتل کر دینا چاہیے۔

اور تمام مسلمانوں کو بھی چاہیئے کہ وہ اس گمراہ جماعت اور اس جیسی دوسری اسلام سے منحرف جماعتوں مثلاً قادیانیوں، بہائیوں وغیرہ سے بچیں اور لوگوں کو بچائیں اور ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ قرآن وسنت کو مضبوطی سے پکڑیں اور صحابہ وتابعین کی اتباع کا التزام کریں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے دشمنوں کو جہاں کہیں بھی ہوں، نیچا دکھائے اور ان کے مکر وفریب کو نیست ونابود کرے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر اور ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کافی اور بہترین وکیل ہے۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔

وصلى الله و سلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه

دستخط عبدالعزیز بن عبداللہ بن آل شیخ چیئرمین فتوی کونسل

اور دیگر اراکین فتویٰ کونسل، سعودی عرب کے دستخط

☜ جیسا کہ اس شمارے میں پرویزیت کے بارے میں کتب اور مضامین ومقالات کی فہرستیں بھی شائع کی گئی ہیں جن میں پرویزیت کے بارے میں مختلف قسم کے اعتراضات اور ان کی تحریفات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں 'پرویزیت' کے موضوع پر دو مقالہ جات خصوصیت سے قابل مطالعہ ہیں:

☜ پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی جن کا وقیع مضمون 'اختلافِ تعبیر قرآن اور منکرین حدیث' اس شمارے میں شائع شدہ ہے...... پرویزیت کے ہی موضوع پر اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ رہے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے ماہنامہ طلوعِ اسلام کی ۶۰ سالہ فائلوں کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ جیسا کہ ان کے محولہ بالا مضمون میں بھی اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے پرویزیت کے موضوع پر بیسیوں مضامین محدث میں شائع ہو چکے ہیں، دیکھیں صفحہ نمبر

☜ مولانا عبدالقوی لقمان کیلانی، جو ماہنامہ محدث کے ۴ سال مدیر بھی رہ چکے ہیں، نے مدینہ منورہ یونیورسٹی کے کلیہ دعوۃ واصول دین میں اپنا تحقیقی مقالہ البرويزية بزبانِ عربی ۱۹۸۸ء میں مکمل کیا۔ اس مقالہ میں عربی زبان میں پہلی بار پرویزیوں کے عقائد کا تجزیہ تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ ادارہ

تجزیہ و تاریخ

ڈاکٹر محمد عبداللہ عابد☆

برصغیر میں فتنۂ انکارِ حدیث کی تاریخ اور اسباب

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی وحی کے مطابق حضور ﷺ نے آئندہ زمانے کے مختلف فتنوں اور حوادث کا ذکر فرمایا جس کی تفصیل مختلف احادیث میں موجود ہے۔ انکارِ حدیث کے فتنے کے بارے میں بھی حضورِ اکرم ﷺ نے مطلع فرما دیا تھا جیسا کہ آپؐ کے درج ذیل فرمان سے واضح ہے:

"لا ألفين أحدكم متكئا على أريكته، يأتيه الأمر من أمري مما أمرت به أو نهيت عنه، فيقول: لا أدري، ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه "[1]

''میں تم میں سے کسی کو ایسا کرتے نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسہری پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور جب اس کے سامنے میرے احکامات میں سے کسی بات کا امر یا کسی چیز کی ممانعت آئے تو وہ کہنے لگے کہ میں کچھ نہیں جانتا، ہم تو جو قرآن مجید میں پائیں گے، اسی کو مانیں گے۔''

حضورِ اکرم ﷺ کی پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری اور تیرھویں صدی ہجری میں انکارِ حدیث کے فتنے اُٹھے۔ مؤخر الذکر فتنے کا مرکز برصغیر ہندو پاک ہے۔ یہاں کے منکرین حدیث میں سے بعض نے اپنے آپ کو علی الاعلان 'اہل قرآن' بھی کہلوایا، جن میں زیادہ مشہور عبد اللہ چکڑالوی تھا۔ ان صاحب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تخت پوش پر تکیہ لگا کر حدیثِ نبوی ﷺ کا انکار کیا کرتے تھے۔ حضورِ اکرم ﷺ کا فرمان عبد اللہ چکڑالوی پر مکمل طور پر صادق آتا ہے۔ اس کی انکارِ حدیث کی کیفیت کو مولانا صادق سیالکوٹی مرحوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''غور فرمایا آپ نے کہ حضور ﷺ کا فرمان کتنا حرف بحرف صحیح نکلا ہے بلکہ معجزہ ثابت ہوا ہے کہ عبد اللہ چکڑالوی نے 'اریکہ' یعنی تخت پوش پر بیٹھ کر (پلنگ پر بیٹھ کر) تکیہ لگائے ہوئے کہا ہے لا أدري ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه ''میں نہیں جانتا حدیث کو، حدیث دین کی چیز نہیں ہے۔ میں تو صرف قرآن پر ہی چلوں گا۔''[2]

فتنۂ انکار حدیث، حضورِ اکرم ﷺ کے فرمان کا مصداق ہونے کے علاوہ حجیتِ حدیث کی دلیل اور اہل ایمان کے لئے حدیث پر مزید یقین کا سبب بھی بنا۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اسلامیات، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

خوارج اور معتزلہ کا انکارِ حدیث

پہلی صدی ہجری تک قرآن مجید کے ساتھ ساتھ احادیثِ نبوی ﷺ کو متفقہ طور پر حجتِ شرعی تسلیم کیا جاتا رہا۔ انکارِ حدیث کے فتنہ کا آغاز سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں ہوا۔ اس فتنہ کی ابتدا کرنے والے خوارج اور معتزلہ تھے۔ حافظ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ

''اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ، تمام فرقے آں حضرت کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں، برابر قابل حجت سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع سے اختلاف کیا۔''(۳)

محمد نجم الغنی 'معتزلہ' کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے ہیں:

''وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حسن بصریؒ کو یہ خبر پہنچی کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے، جو کہتی ہے کہ مرتکبِ کبیرہ نہ بالکل مؤمن ہے اور نہ بالکل کافر ہے بلکہ وہ ایک منزل میں ہے، درمیان منزل ایمان وکفر کے۔ تو انہوں نے کہا: هؤلاء اعتزلوا یعنی یہ لوگ کنارہ کش ہو گئے اجماعِ اسلام سے۔ تب وہ فرقہ 'معتزلہ' کہلانے لگا......''(۴)

'خوارج' انکارِ حدیث کے فتنہ کے بانی ہیں۔ انہوں نے اپنے عقائد کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی کہ وہ اس چیز کو اختیار کریں گے جو قرآن سے ملے گی۔ مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی خوارج کے اعتقادات بیان کرتے ہوئے 'خوارج اور انکارِ حدیث' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''انکارِ حدیث کے فتنہ کی بنیاد سب سے پہلے خوارج نے رکھی۔ کیونکہ ان کے عقائد کی بنیاد ہی اس پر تھی کہ جو بات قرآن سے ملے گی، اسے اختیار کریں گے۔ چنانچہ ان کے یہاں بڑی حد تک احادیث کا انکار پایا جاتا ہے۔ اور اسی انکارِ حدیث کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے رجم کے شرعی حد ہونے سے انکار ہی اس بنا پر کیا کہ قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور احادیث کو وہ نہیں مانتے اور بعض لوگوں نے خوارج کی تکفیر ہی اس رجم کے انکار کی وجہ سے کی ہے۔''(۵)

امام ابن حزمؒ خوارج اور معتزلہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تمام معتزلہ اور خوارج کا مسلک ہے کہ خبر واحد موجب علم نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جس خبر میں جھوٹ یا غلطی کا اِمکان ہو، اس سے اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی بھی حکم ثابت کرنا جائز نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کی نسبت اللہ کی طرف کی جاسکتی ہے اور نہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف۔''(۶)

خوارج کی طرف سے انکارِ حدیث کی وجہ ان کے انتہا پسندانہ نظریات اور مقاصد تھے جو سنتِ رسول ﷺ کی موجودگی میں پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکتے تھے۔ جب کہ معتزلہ نے یونانی فلسفوں سے متاثر ہو کر عقل کو فیصلہ کن حیثیت دی اور اسلام کے احکامات کو عقلی تقاضوں کے مطابق بنانے کی کوشش کی مگر اس رستے میں

رسول اکرم ﷺ کی سنت حائل تھی ۔ چنانچہ انہوں نے حدیث کی حجیت سے انکار کردیا۔خوارج اورمعتزلہ کے اغراض ومقاصد اوران کی ٹیکنیک بیان کرتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں :

''ان دونوں فتنوں کی غرض اوران کی ٹیکنیک مشترک تھی۔ان کی غرض یہ تھی کہ قرآن کواس کے لانے والے کی قومی وعملی تشریح وتوضیح سے اوراس نظامِ فکروعمل سے جو خدا کے پیغمبر ﷺ نے اپنی رہنمائی میں قائم کردیا تھا، الگ کرکے مجرد ایک کتاب کی حیثیت سے لے لیا جائے اور پھراس کی من مانی تاویلات کرکے ایک دوسرانظام بناڈالا جائے جس پر اسلام کا لیبل چسپاں ہو۔اس غرض کے لئے جوٹیکنیک انہوں نے اختیار کی،اس کے دوحربے تھے: ایک یہ کہ حدیث کے بارے میں یہ شک دلوں میں ڈالا جائے کہ وہ فی الواقع حضور ﷺ کی ہیں بھی یا نہیں؟ دوسرے، یہ کہ اصولی سوال اٹھا دیا جائے کہ کوئی قول یا فعل حضور ﷺ کا ہوبھی تو ہم اس کی اطاعت واتباع کے پابند کب ہیں؟ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہم تک قرآن پہنچانے کے لئے مامور کئے گئے تھے۔سو انہوں نے وہ پہنچا دیا اس کے بعد محمدؐ بن عبداللہ ویسے ہی ایک انسان تھے، جیسے ہم ہیں۔انہوں نے جو کچھ کہا اور کیا، وہ ہمارے لئے حجت کیسے ہوسکتا ہے؟''(۷)

خوارج اورمعتزلہ کے فتنے زیادہ وقت نہ چل سکے اورتیسری صدی کے بعدتو مکمل طور پر مٹ گئے۔ ان فتنوں کے زوال کے مختلف اسباب تھے جن میں ایک اہم سبب یہ تھا کہ فتنہ کی تردید میں وسیع تحقیقی کام کیا گیا۔امام شافعیؒ نے 'الرسالہ' اور 'کتاب الامّ' میں اس فتنہ کا ردّ پیش کیا......امام احمدؒ نے مستقل ایک جز تصنیف کیا جس میں اطاعتِ رسول ﷺ کے اثبات کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں منکرین حدیث کے نظریات کی تردید کی گئی......حافظ ابن قیمؒ نے 'اعلام الموقعین' میں اس کے ایک حصہ کونقل کیا ہے...... بعد ازاں امام غزالیؒ نے 'المستصفی'، ابن حزمؒ نے 'الاحکام' اور حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے 'الروض الباسم' میں اس فتنہ کے ردّ میں دلائل دیئے۔

دوسری صدی ہجری کے بعد صدیوں تک اسلامی دنیا میں کہیں بھی انکارِ حدیث کی کوئی تحریک نہیں اُٹھی اور یہ فتنہ مکمل طور پر ختم ہوگیا۔ تیرہویں صدی ہجری (اُنیسویں صدی عیسویں) میں انکارِحدیث کا فتنہ دوبارہ اُٹھا۔انکارِحدیث کے پہلے فتنے کا مرکز عراق تھا جب کہ تیرھویں صدی ہجری میں اس فتنے نے برصغیر ہندو پاک میں سر اٹھایا۔

فتنہ انکارحدیث کا برصغیر میں آغاز

تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں برصغیر میں انکار حدیث کی ابتدا کن لوگوں نے کی؟ منکرین حدیث کے مشہور سلسلے کون کون سے ہیں؟ نیز فتنہ انکار حدیث کو کن لوگوں نے فروغ دیا؟

اس سلسلے میں محققین علماء کرام نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے بعض کی آرا ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

مولانا ثناء اللہ امرتسری ...... جو حجیتِ حدیث پر علمی و تحقیقی کام اور منکرین حدیث سے مختلف مناظروں کے حوالے سے کافی شہرت رکھتے ہیں...... ہندوستان میں انکارِ حدیث کی آواز اٹھانے والوں کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں سب سے پہلے سرسید احمد خان علی گڑھی نے حدیث کی حجیت سے انکار کی آواز اٹھائی۔ ان کے بعد پنجاب میں مولوی عبداللہ چکڑالوی مقیم لاہور نے ان کا تتبع کیا بلکہ سرسید مرحوم سے ایک قدم آگے بڑھے۔ کیونکہ سرسید حدیث کو شرعی حجت نہ جانتے تھے لیکن عزت واحترام کرتے تھے۔ واقعاتِ نبویہ ﷺ کا صحیح ثبوت کتبِ احادیث سے دیتے تھے۔ برخلاف ان کے مولوی عبداللہ چکڑالوی حدیثِ نبوی ﷺ کو 'لہوالحدیث' سے موسوم کیا کرتے۔''(۸)

فتنۂ انکارِ حدیث کی تاریخ مولانا محمد تقی عثمانی یوں بیان کرتے ہیں:

''یہ آواز ہندوستان میں سب سے پہلے سرسید احمد خان اور ان کے رفیق مولوی چراغ علی نے بلند کی، لیکن انہوں نے انکارِ حدیث کے نظریہ کو علی الاعلان اور بوضاحت پیش کرنے کی بجائے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جہاں کوئی حدیث اپنے مدعا کے خلاف نظر آئی، اس کی صحت سے انکار کردیا خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو۔ اور ساتھ ہی کہیں کہیں اس بات کا بھی اظہار کیا جاتا رہا کہ یہ احادیث موجودہ دور میں حجت نہیں ہونی چاہئیں اور اس کے ساتھ بعض مقامات پر مفیدِ مطلب احادیث سے استدلال بھی کیا جاتا رہا۔ اسی ذریعہ سے تجارتی سود کو حلال کیا گیا، معجزات کا انکار کیا گیا، پردہ کا انکار کیا گیا اور بہت سے مغربی نظریات کو سندِ جواز دی گئی۔ ان کے بعد نظریۂ انکارِ حدیث میں اور ترقی ہوئی اور یہ نظریہ کسی قدر منظّم طور پر عبداللہ چکڑالوی کی قیادت میں آگے بڑھا اور یہ ایک فرقہ کا بانی تھا، جو اپنے آپ کو 'اہل قرآن' کہتا تھا۔ اس کا مقصد حدیث سے کلیتاً انکار کرنا تھا، اس کے بعد جیراج پوری نے اہل قرآن سے ہٹ کر اس نظریہ کو اور آگے بڑھایا، یہاں تک کہ پرویز غلام احمد نے اس فتنہ کی باگ دوڑ سنبھالی اور اسے منظّم نظریہ اور مکتبِ فکر کی شکل دے دی۔ نوجوانوں کے لئے اس کی تحریر میں بڑی کشش تھی، اس لئے اس کے زمانہ میں یہ فتنہ سب سے زیادہ پھیلا۔''(۹)

برصغیر میں منکرین حدیث کے سلسلوں کو تاریخی ترتیب سے بیان کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''اس طرح فنا کے گھاٹ اتر کر یہ انکارِ سنت کا فتنہ کئی صدیوں تک اپنی شمشان بھومی میں پڑا رہا یہاں تک کہ تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں پھر جی اٹھا۔ اس نے پہلا جنم عراق میں لیا تھا، اب دوسرا جنم اس نے ہندوستان میں لیا۔ یہاں اس کی ابتدا کرنے والے

سرسید احمد خان اور مولوی چراغ علی تھے۔ پھر مولوی عبداللہ چکڑالوی اس کے علم بردار بنے۔ اس کے بعد مولوی احمد الدین امرتسری نے اس کا بیڑا اٹھایا، پھر مولانا اسلم جیراج پوری اسے لے کر آگے بڑھے اور آخر کار اس کی ریاست چوہدری غلام احمد پرویز کے حصے میں آئی، جنہوں نے اس کو ضلالت کی انتہا تک پہنچا دیا ہے۔''(۱۰)

برصغیر میں فتنۂ انکارحدیث کی ابتدا کس نے کی؟

درج بالا آرا کے مطابق برصغیر پاک و ہند میں فتنہ انکار حدیث کو سرسید احمد خاں، مولوی چراغ علی، مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی احمد الدین امرتسری، حافظ اسلم جیراج پوری اور چوہدری غلام احمد پرویز نے فروغ دیا اور اس کی ابتدا سرسید احمد خان اور مولوی چراغ علی نے کی۔ لیکن بعض محققین کے نزدیک برصغیر میں فتنۂ انکار حدیث کے بانی عبداللہ چکڑالوی تھے جنہوں نے حجیت ِحدیث کا کھلا انکار کیا۔

جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تخت پوش پر تکیہ لگا کر حدیث نبوی ﷺ کا انکار کیا کرتے تھے۔ فتنۂ انکار حدیث کے بارے میں حضور پاک ﷺ کا فرمان اور پیشین گوئی عبداللہ چکڑالوی پر مکمل طور پر صادق آتی ہے۔ جیسا کہ اس کے انکارِ حدیث کی کیفیت محمد صادق سیالکوٹی کی زبانی پیچھے گزر چکی ہے۔(۲) اس بارے میں مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

''عبداللہ چکڑالوی نے سب سے پہلے انکارِ حدیث کا فتنہ برپا کرکے مسلمانانِ عالم کے قلوب کو مجروح کیا۔ مگر یہ فتنہ چند روز میں اپنی موت خود مرگیا۔ حافظ اسلم جیراج پوری نے دوبارہ اس دَبے ہوئے فتنہ کو ہوا دی اور بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ جلا کر عاشقانِ شمع رسالت ﷺ کے جروح پر نمک پاشی کی اور اب غلام احمد پرویز بٹالوی نگران رسالہ 'طلوعِ اسلام' اس آتش کدہ کی تولیت قبول کرکے رسول دشمنی پر کمربستہ ہیں۔''(۱۱)

عبدالقیوم ندوی اپنی رائے درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''حجیت ِحدیث کا کھلا انکار مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی نے کیا۔ اس سے پہلے صراحتاً انکار ملحدین اور زنادقہ سے بھی نہ ہوسکا۔''(۱۲)

حکیم نور الدین اجمیری اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں فتنہ 'انکارِ حدیث' کی خشت ِاوّل عبداللہ چکڑالوی نے رکھی تھی اور اسی بنیاد پر مولانا اسلم جیراج پوری اور جناب پرویز جیسے اہل قلم ایک قلعہ تیار کررہے ہیں۔''(۱۳)

'حدیث کا کھلا انکار، چودہویں صدی میں' کے عنوان کے تحت مولانا محمد اسماعیل سلفی لکھتے ہیں:

''مولوی عبداللہ چکڑالوی پہلے شخص ہیں، جنہوں نے علوم سنت کی کھلی مخالفت کی۔''(۱۴)

منکرینِ حدیث کے تعارف اور فتنہ انکار حدیث کی ابتدا کے بارے میں پیش کی گئی مختلف آرا کے

تجزیہ سے اس امر کی وضاحت ہو رہی ہے کہ سرسید احمد خان اور مولوی چراغ علی نے انکار حدیث کے نظریہ کو علیٰ الاعلان اور بوضاحت پیش نہیں کیا بلکہ جہاں کوئی حدیث اپنے مدعا کے خلاف دیکھی، اس کی صحت سے انکار کر دیا خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو۔ مزید یہ کہ بعض مقامات پر اپنے لئے مفید مطلب احادیث سے استدلال بھی کرتے رہے۔ خود سرسید احمد خان حدیث کی عزت و احترام بھی کرتے تھے اور واقعاتِ نبویہ ﷺ کا صحیح ثبوت کتبِ احادیث سے دیتے تھے۔ انہوں نے تمام احادیث کی صحت کا انکار نہیں کیا۔ البتہ احادیث کی صحت کے بارے میں ان کا اپنا ایک خودساختہ معیار ہے، چنانچہ سرسید لکھتے ہیں:

> ''جناب سید الحاج مجھ پر اتہام فرماتے ہیں کہ میں کل احادیث کی صحت کا انکار کرتا ہوں۔
> لاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم یہ محض میری نسبت غلط اتہام ہے۔ میں خود بیسیوں حدیثوں سے جو میرے نزدیک روایتاً و درایتاً صحیح ہوتی ہیں، استدلال کرتا ہوں۔''[۱۵]

محققین علماءِ کرام کی مذکورہ آرا کے مطابق عبداللہ چکڑالوی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے برصغیر میں کھل کر حدیث کا انکار کیا اور فرقہ 'اہل قرآن' کی بنیاد رکھی ہے۔ اس کے بعد مولوی احمد الدین امرتسری نے انکارِ حدیث کے فتنے کا بیڑا اٹھایا۔ اور حافظ اسلم جیراج پوری نے اس نظریہ کو مزید آگے بڑھایا۔ آخر میں غلام احمد پرویز نے انکارِ حدیث کو ایک منظّم نظریہ اور مکتبِ فکر کی صورت میں پیش کیا۔

برصغیر میں انکار حدیث کے علمبرداروں میں مولوی محبّ الحق عظیم آبادی، تمنا عمادی، قمر الدین قمر، نیاز فتح پوری، سید مقبول احمد، علامہ مشرقی، حشمت علی لاہوری، مستری محمد رمضان گوجرانوالہ، محبوب شاہ گوجرانوالہ، خدا بخش، سید عمر شاہ گجراتی اور سید رفیع الدین ملتانی بھی شامل ہیں۔[۱۶] ڈاکٹر غلام جیلانی برق بھی انکارِ حدیث کے مرتکب ہوئے مگر بعد ازاں انہوں نے نہ صرف رجوع کر لیا بلکہ تاریخِ حدیث پر ایک مدلل کتاب بھی تالیف کی۔[۱۷]

انکارِ حدیث......دین سے انحراف کی روش

دوسری صدی ہجری کے منکرین حدیث اور تیرہویں صدی ہجری کے منکرین حدیث کے انکارِ حدیث کے سلسلے میں اغراض و مقاصد، حدیث کے بارے میں شبہات و اعتراضات اور انکارِ حدیث پر مبنی دلائل مختلف ہیں۔ شاید قدیم منکرین حدیث، دین سے مکمل آزادی نہیں چاہتے تھے۔ لیکن برصغیر کے منکرین حدیث کی تحریروں سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ان کے انکارِ حدیث کے موقف کے پس پردہ وہ عزائم ہیں جن سے ان کا مقصود الحاد و لادینیت کا فروغ اور دین سے چھٹکارا اور آزادی حاصل کرنا ہے، ان کے ناپاک عزائم پر تبصرہ کرتے ہوئے مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

''دشمنانِ رسول اللہ ﷺ کا مقصد صرف انکارِ حدیث تک محدود نہیں بلکہ یہ لوگ (علیھم ما علیھم) اسلام کے سارے نظام کو مخدوش کرکے ہر امر و نہی سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ نمازوں کے اوقاتِ خمسہ، تعدادِ رکعات، فرائض و واجبات کی تفاصیل، صوم و زکوٰۃ کے مفصل احکام، حج کے مناسک، قربانی، بیع و شرا، امورِ خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین، ان سب اُمور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے، قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔''[18]

مولانا عبدالجبار عمرپوری نے 'حدیثِ نبوی ﷺ کے بارے میں شبہات اور ان کا ازالہ' کے عنوان کے تحت برصغیر کے منکرین حدیث کے اصل مقصد کو بیان کیا ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

''کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی ذہنیت اور اعمال حیرت کے لائق نہیں کیونکہ وہ قرآن کے منکر، رسول اللہ ﷺ سے منحرف اور ضروریاتِ دین سے برگشتہ ہیں۔ لیکن سخت افسوس ان ظالموں کی حالت پر ہے کہ زبان سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور اسلام کو صحیح و راست کہتے ہیں اور با ایں ہمہ اسلام کے اجزاء و ارکان کو منہدم کرنا چاہتے ہیں۔''[19]

انکارِ حدیث صرف یہ نہیں کہ حدیث کو حجت ِشرعی اور شریعت ِاسلامیہ کا ماخذ ماننے سے انکار کیا جائے بلکہ احادیث کو مشکوک بنانا، اسلاف کی روش سے ہٹ کر اپنی خواہش ِنفس سے احادیث سے مسائل کا استنباط کرنا، مستند احادیث کی صحت سے انکار کرنا اور حدیث کے معانی و مفاہیم کی غلط تاویلیں پیش کرنا بھی انکارِ حدیث کی مختلف صورتیں ہیں۔ برصغیر کے منکرینِ حدیث نے حدیث کے بارے میں جو شبہات واعتراضات پیش کئے ہیں، ان میں انکارِ حدیث کی مندرجہ بالا صورتیں واضح طور پر پائی جاتی ہیں۔ انکارِ حدیث کے فتنہ کے یہ علمبردار حدیث کو مشکوک بنانے اور اس سے دامن چھڑانے کے لئے اس قسم کے شبہات پیش کرتے ہیں کہ احادیث، رسول اللہ ﷺ کے دو ڈھائی سو سال بعد تحریری شکل میں مرتب ہوئیں، اس لئے قابل اعتبار نہیں ہیں؛ احادیث باہم متعارض ہیں؛ رسول اللہ ﷺ نے کتابت ِحدیث سے منع فرما دیا تھا؛ اکثر حدیثیں خبر واحد کے درجہ کی ہیں؛ قرآن مجید جو جامع اور کامل کتاب ہے، اس کی موجودگی میں حدیث کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے اور اگر حدیث حجت ِشرعی ہوتی تو حضور ﷺ احادیث کو اسی اہتمام سے لکھواتے جس اہتمام سے آپ ﷺ نے قرآن مجید لکھوایا تھا، وغیرہ۔

حدیثِ رسول ﷺ کے بارے میں منکرین حدیث نے اپنے مذکورہ بے بنیاد اور من گھڑت شبہات کو ثابت کرنے کے لئے تصنیف و تالیف کا بہت بڑا دفتر کھولا۔[20] اور اپنے مشن میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ مگر تیرہویں صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند میں انکارِ حدیث کے اس فتنے کے اٹھتے ہی اس خطے کے

جید علماء کرام اور محققین اسلام اس فتنہ کے مضمرات کو بھانپ گئے۔ لہٰذا ان کو اس کے انسداد کی سخت فکر دامن گیر ہوئی۔ اس بارے میں علماءِ کرام کی فکرمندی کا اندازہ شاہ محمد عزالدین میاں پھلواروی کے اس بیان سے سے لگایا جاسکتا ہے:

> ''انکارِ حدیث کا جو فتنہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اُمڈا چلا آتا ہے۔ وہ کس طرح خرمن دین وایمان پر بجلیاں گرا رہا ہے۔ آج اس فتنہ کا انسداد اسی طرح ہوسکتا ہے کہ دنیا کے سامنے حدیث رسولِ کریم ﷺ کی صحیح اہمیت کو پوری طرح واضح کیا جائے۔'' (۲۱)

چنانچہ دیگر فتنوں کی طرح انکارِ حدیث کے فتنہ کے خلاف برصغیر کے علماء کرام نے بیسیوں کتب لکھیں، جن میں نہ صرف حجیت ِحدیث کو قرآن و حدیث اور عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا بلکہ منکرین حدیث کے شبہات و اعتراضات کا مضبوط دلائل کے ساتھ ردّ پیش کیا گیا۔ مختلف دینی رسائل و جرائد نے اس فتنہ کے خلاف خصوصی نمبر شائع کئے، تحریری مواد کے علاوہ منکرین حدیث کے ساتھ علمی مناظرے بھی کئے گئے اور دینی اجتماعات میں بھی عوام الناس کو فتنۂ انکارحدیث کے عواقب ومضمرات سے آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ تحریری وتقریری کاوشوں نے منکرین حدیث کی کمر توڑ دی۔

انکار حدیث کے اسباب

صاحبانِ فکر ونظر کے لئے اس امر کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس جدید انکارحدیث کی وجوہات کیا تھیں، برصغیر میں اس فتنے کے اُٹھنے کے اسباب داخلی بھی تھے اور خارجی بھی...... جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

انکارِحدیث کے داخلی اسباب

① خواہشاتِ نفس کی پیروی: دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد مسلمان کو اسلام پابند کرتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے آزاد اور خودمختار نہیں بلکہ مکمل طور پر قرآن وحدیث کے احکامات کا پابند ہے۔ یہ پابندی طبیعت میں آزادی رکھنے والوں اور خواہشات کی پیروی کرنے والوں پر گراں گزرتی ہے۔ احادیث ِنبویہ ﷺ جو قرآن مجید کے اُصول اور کلیات کی تفصیل ہیں، قدم قدم پر خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی میں رکاوٹ ہیں۔ نیز ان میں تاویل کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ جب کہ خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے اپنے آپ کو 'مسلمان' بھی کہلانا چاہتے ہیں اور ان پابندیوں سے آزادی کے طلب گار بھی ہیں، لہٰذا احادیث کا انکار کردیا گیا اور مسلمان کہلانے کے لئے قرآنِ حکیم کو مانتے رہے۔ اس ضمن میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی 'انکارِحدیث کی اصل وجہ' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''انکارِ حدیث کی یہ وجہ نہیں کہ حدیث ہم تک معتبر ذریعہ سے نہیں پہنچی بلکہ انکارِ حدیث کی اصل وجہ یہ ہے کہ طبیعت میں آزادی ہے، یہ آزاد رہنا چاہتی ہے۔ نفس یورپ کی تہذیب اور تمدن پر عاشق اور فریفتہ ہے اور انبیاء ومرسلین کے تمدن سے نفور اور بیزار ہے، کیونکہ شریعتِ غراء اور ملت بیضاء اور احادیثِ نبویہ ؐ اور سننِ مصطفویہ ؐ قدم قدم پر شہواتِ نفس میں مزاحم ہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اوّلین مقصد نفسانی خواہشوں کا کچلنا اور پامال کرنا تھا۔ اس لئے کہ شہوتوں کو آزادی دینے سے دین اور دنیا دونوں ہی تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے منکرین حدیث نے ان دو متضاد راہوں میں تطبیق کی ایک نئی راہ نکالی، وہ یہ کہ حدیث کا تو انکار کر دیا جائے جو ہماری آزادی میں سدِراہ ہے۔ اور مسلمان کہلانے کے لیے قرآنِ کریم کا اقرار کر لیا جائے کیونکہ قرآن کریم ایک اُصولی اور قانونی کتاب ہے۔ اس کی حیثیت ایک دستورِ اساسی کی ہے کہ جو زیادہ تر اُصول وکلیات پر مشتمل ہے۔ جس میں ایجاز اور اجمال کی وجہ سے تاویل کی گنجائش ہے اور احادیثِ نبویہ ؐ اور اقوالِ صحابہ ؓ میں ان اصول اور کلیات کی شرح اور تفصیل ہے، اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ اس لیے اس گروہ نے حدیثِ نبوی ؐ کا تو انکار کر دیا اور مسلمان کہلانے کے لیے قرآنِ کریم کو مان لیا اور اس کے مجملات اور موجز کلمات میں ایسی من مانی تاویلیں کیں کہ جس سے ان کے اسلام اور یورپ کے کفر اور الحاد میں کوئی منافات ہی نہ رہی۔'' وذلك غاية طلبهم ونهاية طربهم (۲۲)

خواہشات کی پیروی حدیث کی مخالفت کا ایک بنیادی سبب ہے، اس حقیقت کو مولانا محمد سرفراز یوں بیان کرتے ہیں:

''اور یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ حدیث کی مخالفت آج وہ لوگ کر رہے ہیں جو دراصل اسلامی تہذیب وتمدن کے عادلانہ نظام کو یکسر توڑنا چاہتے ہیں، کیونکہ وہ اس کی تشریح ہے اور تعینات کی حدود میں، اپنی اَہوا اور خواہشات کی پیروی کے لیے وہ قطعاً کوئی گنجائش نہیں پاتے۔ لہٰذا انہوں نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ اس چیز ہی کو اصل سے مٹا دیا جائے جو مکمل طور پر اسلام کے عادلانہ نظام کی تشریح اور حد بندی کرتی ہے۔ تاکہ وہ آزاد ہو جائیں اور اسلام کے ڈھانچے پر جس قدر اور جس طرح چاہیں، گوشت پوست چڑھائیں اور جس طرح چاہیں اپنے خودساختہ اسلام کی شکل بنا لیں۔'' (۲۳)

ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا محمد عاشق الٰہی رقم طراز ہیں:

''قرآن حکیم میں اوامر ونواہی ہیں جن میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن کا اجمالی حکم قرآن میں دے دیا گیا اور ان پر عمل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ ان احکام کی تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے بتائیں۔ جو لوگ آزاد منش ہیں، اعمال کی بندش میں آنے کو تیار نہیں، ان کا نفس زندگی کے شعبوں میں اسلام کو اپنانے کے لئے تیار نہیں۔ لہٰذا

یہ لوگ حدیث کے منکر ہو جاتے ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں احکام کی تفصیلات مذکور نہیں ہیں اس لئے آزادی کا راستہ نکالنے کے لئے بار بار یوں کہتے ہیں کہ فلاں بات قرآن میں دکھاؤ۔"(۲۴)

② کم علمی اور جہالت: برصغیر کے منکرین حدیث کے لٹریچر کے مطالعہ اور حدیث کے بارے میں ان کے خودساختہ اور من گھڑت شبہات اور اعتراضات کو دیکھ کر اس چیز کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وہ نہ تو علم حدیث پر عبور رکھتے ہیں اور نہ ہی علومِ قرآنی کی گہرائیوں سے واقف ہیں۔ چونکہ قرآن وسنت اور ان کے مستند مآخذ تک منکرینِ حدیث کی رسائی نہیں لہٰذا ان کی توجیہ بھی ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثِ رسولؐ پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ منکرین حدیث کا نامکمل مطالعہ اور جہالت کو بیان کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں:

"جہاں تک میں نے معترضین حدیث کی مشکلات کا اندازہ لگایا ہے، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان کا مطالعہ صرف چند نامکمل تراجم کتبِ حدیث تک محدود ہوتا ہے۔ وہ ان اُصولوں سے بے خبر ہوتے ہیں جن سے کسی حدیث کی فقہی اور قانونی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اس سے قطعی ناواقف ہوتے ہیں کہ اس حدیث سے جو حکم ثابت ہے، وہ فرض ہے، سنت ہے، جائز ہے یا مباح ہے بلکہ انہوں نے تو احکام کے اس فرق کو جاننے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی اور پھر بے چارے وہم وگمان کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگتے ہیں اور اسی طرح اپنے خودساختہ اوہام میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں۔ اس وجہ سے بعض تو اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں اور حدیث پر بے جا اعتراض کرنے لگتے ہیں۔"(۲۵)

مولانا محمد قطب الدین انکارِ حدیث کے اسباب کی تفصیل میں بیان کرتے ہیں کہ

"انکارِ حدیث کا سب سے پہلا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ منکرین حدیث راسخ فی علم القرآن ہی نہیں، وہ علم حدیث پر بھی مکمل عبور نہیں رکھتے اور حدیث کی مختلف انواع واقسام اور راویوں سے متعلق فنِ تنقید وتحقیق سے بے خبر واقع ہوئے ہیں۔ ان میں تطبیق آیات واحادیث کا فن بھی مفقود ہے جس کے لئے مسلسل اور عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے اور جس کے بغیر احادیثِ نبویؐ کی صحیح عظمت وافادیت واضح نہیں ہوسکتی۔"(۲۶)

منکرینِ حدیث کی جہالت اور اس کی بنیاد پر انکارِ حدیث کو بیان کرتے ہوئے شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رقم طراز ہیں:

"انکارِ حدیث احساسِ کمتری کی پیداوار ہے جس نے گریز پائی کی صورت اختیار کر لی ہے۔ جب یہ حضرات کسی مخالف کا اعتراض سنتے ہیں تو چونکہ یہ قرآن وسنت اور اس کے مستند مآخذ سے واقف نہیں اور اس کی توجیہ سے ان کا ذہن قاصر ہوتا ہے، اس لئے بھاگنا شروع کر دیتے ہیں جس کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ نصوص کا انکار کر دیں اور احادیث کے متعلق تو وہ یہ ہتھیار استعمال کرتے

ہیں کہ ہم اس حدیث کو نہیں مانتے۔''(۲۷)

③ عقل کو معیار بنانا: تاریخ اسلام اس چیز کی گواہ ہے کہ جب بھی اسلام میں کسی فرقہ یا گروہ نے اپنے عقائد ونظریات کو داخل کرنا چاہا تو عقل کا سہارا لیا اور عقل کی برتری کو منوانے کی کوشش کی۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری میں معتزلہ کے انکارِ حدیث کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے عقل کو فیصلہ کن حیثیت دی اور راہِ راست سے بھٹک گئے۔ برصغیر میں انکارِ حدیث کے دیگر اسباب میں ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ منکرین حدیث نے بعض ایسے اُمور میں عقل کا فیصلہ مانا جہاں عقل عاجز ہے۔ مثلاً جو حدیث عقل میں نہ آئی، اس کو ماننے سے انکار کردیا۔ حالانکہ انسانی عقل وحی کی محتاج ہے اور اسے قدم قدم پر رہنمائی اور ہدایت کی ضرورت ہے۔ عقل کی بنیاد پر حدیث کو قبول نہ کرنے کے معیار اور عقل کی بے بسی کا تذکرہ کرتے ہوئے محمد ادریس فاروقی لکھتے ہیں:

''بعض حضرات نے تو حدیث کے ٹھکرانے اور نا قبول کرنے کا معیار اپنی عقل، مشاہدہ اور فکر کو قرار دے رکھا ہے۔ حدیث خواہ کس قدر بے غبار اور صحیح ہو، سند کتنی مضبوط ہو، رواۃ کتنے بے عیب ہوں۔ پوری اُمت نے قبول کیا ہو، ان کی بلا سے، انہیں ان باتوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ انہوں نے کامل نبیؐ کو اپنی ناقص عقل سے کم تر مقام دیا جو کہ افسوسناک بلکہ خطرناک ہے۔ عام طور پر ہمارے انگریزی خواں حضرات اور ماڈرن دوست اسی آسان اُصول کو قبول فرما لیتے ہیں کہ جو حدیث عقل میں نہ آئے، اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا حالانکہ عقل کو کیسے معیار قرار دیا جاسکتا ہے۔ عقل تو خام ہے۔ پھر عقل میں تفاوت ہے، سب کی عقل ایک جیسی نہیں۔ بہت سے لوگ ہیں کہ ان کی عقل پر مادّیت کا غلبہ ہے اور اس پر یورپ کی چھاپ ہے اور وہ اسلامی حدود و قیود سے سو فیصد نابلد اور یکسر نا آشنا ہے۔ خود فرمایئے مطلق عقل، اور پھر ایسی عقل حدیث کی جانچ کیسے کرسکتی ہے؟''(۲۸)

④ دنیاوی اغراض و مقاصد کا حصول: انکارِ حدیث کی ایک وجہ اغراض و مقاصد کا حصول بھی ہے جن کی خاطر جان بوجھ کر منکرین حدیث اس گمراہی کے مرتکب ہوئے چنانچہ مولانا محمد قطب الدین لکھتے ہیں:

''منکرین حدیث اور ان کے پیشوا علماءِ یہود کی مانند محض دنیوی اغراض و مفادات کے لئے دیدہ و دانستہ 'کتمانِ حق' بھی کرتے ہیں اور 'التباسِ حق و باطل' بھی۔''(۲۹)

پروفیسر محمد فرمان نے انکار حدیث کی مختلف وجوہات کا احاطہ درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

''ہمیں یہ تسلیم ہے کہ بعض لوگوں نے دنیاوی جاہ و منصب کے لئے حدیث کو نشانہ بنا رکھا ہے۔ بعضوں نے کسی محبوب کا اشارہ پاکر یہ تحریک شروع کررکھی ہے بعضوں نے کم علمی اور اسلام کے سطحی مطالعہ کی بنیاد پر یہ روش پسند کرلی ہے۔''(۳۰)

انکارِ حدیث کے خارجی اسباب

⑤ برطانوی سامراج کی سازش: ہندوستان پر انگریز حکومت کی مکمل عملداری اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں کامیابی کے بعد انگریز، مسلمانوں کو اپنی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنانے لگے کیونکہ انہوں نے مسلمان حکمرانوں سے حکومت چھینی تھی اور انہیں ہر وقت مسلمانوں کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ رہتا تھا۔ مزید برآں جنگِ آزادی میں مسلمانوں نے انگریزوں سے سخت مقابلہ کیا تھا، لہٰذا وہ مسلمانوں کو ہر میدان میں کچلنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کے رستے کی سب سے بڑا رکاوٹ مسلمانوں کی اپنے بنیادی عقائد کے ساتھ مکمل وابستگی اور آپس کا اتحاد تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے مسلمانوں کو دینی اعتبار سے کمزور کرنے کے لئے مختلف سازشیں شروع کردیں۔ مثلاً مسلمانوں میں فرقہ بندی کو ہوا دینے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں ہی میں ایسے رجال تیار کئے جنہوں نے مختلف دینی احکام سے انحراف کرکے دین میں نئے نئے فتنے پیدا کئے۔ ان فتنوں میں انکارِ ختم نبوت اور انکارِ حدیث کے فتنے نہایت نقصان دہ اور خطرناک ثابت ہوئے۔ انگریزوں نے ان فتنوں کی مکمل پشت پناہی کی۔ اس سلسلے میں انگریزوں کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری لکھتے ہیں:

> ''انگریزوں نے جب غیر منقسم ہندوستان میں حکومت کی بنیاد ڈالی تو اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایسے افراد بنائے جو اسلام کے مدعی ہوتے ہوئے اسلام سے منحرف ہوں۔ اس طرح کے لوگوں نے تفسیر کے نام سے کتابیں لکھیں، معجزات کا انکار کیا، آیاتِ قرآنیہ کی تحریف کی۔ بہت سے لوگوں کو انگلینڈ ڈگریاں لینے کے لئے بھیجا گیا۔ وہاں سے وہ گمراہی، الحاد، زندیقیت لے کر آئے۔ مستشرقین نے ان کو اسلام سے منحرف کردیا۔ اسلام پر اعتراضات کئے جو ان کے نفوس میں اثر کر گئے اور علما سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے مستشرقین سے متاثر ہوکر ایمان کھو بیٹھے۔ انگریزوں نے سکول اور کالجوں میں الحاد اور زندقہ کی جو تخم ریزی کی تھی، اس کے درخت مضبوط اور بار آور ہوگئے اور ان درختوں کی قلم جہاں لگتی چلی گئی، وہیں ملحدین اور زندیق پیدا ہوتے چلے گئے۔'' (۳۱)

مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی سازشوں کے اثرات ظاہر ہونے لگے، فتنۂ انکارِ حدیث ان سازشوں کی ایک اہم کڑی تھی۔ چنانچہ ہندوستان میں فتنۂ انکارحدیث کے اسباب اور اثرات کا نقشہ کھینچتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> ''تیرہویں صدی میں یہ حملہ ایسے وقت میں ہوا جب کہ مسلمان ہر میدان میں پٹ چکے تھے۔ ان کے اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجائی جاچکی تھی۔ ان کے ملک پر دشمنوں کا قبضہ ہوچکا تھا اور ان کو معاشی حیثیت سے بُری طرح کچل ڈالا گیا تھا، ان کا نظامِ تعلیم درہم برہم کردیا گیا تھا اور ان پر فاتح قوم نے اپنی تعلیم، اپنی تہذیب، اپنی زبان، اپنے قوانین، اور اپنے اجتماعی وسیاسی اور معاشی

اداروں کو پوری طرح مسلط کر دیا تھا۔

ان حالات میں جب مسلمانوں کو فاتحین کے فلسفہ وسائنس اور ان کے قوانین اور تہذیبی اُصولوں سے سابقہ پیش آیا تو قدیم زمانے کے معتزلہ کی بہ نسبت ہزار درجہ زیادہ سخت مرعوب ذہن رکھنے والے معتزلہ ان کے اندر پیدا ہونے لگے۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مغرب سے جو نظریات، جو افکار و تخیلات، جو اُصولِ تہذیب وتمدن اور جو قوانین حیات آرہے ہیں، وہ سراسر معقول ہیں۔ ان پر اسلام کے نقطہ نظر سے تنقید کر کے حق و باطل کا فیصلہ کرنا محض تاریک خیالی ہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے کی صورت بس یہ ہے کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال دیا جائے۔'' (۳۲)

⑥ مستشرقین کی خوشہ چینی: مستشرقین نے مسلمانوں کے بنیادی عقائد کو متزلزل کرنے کے لئے حدیث ِرسولؐ کے بارے میں مختلف شکوک و شبہات اور بے بنیاد اعتراضات پیش کرکے حدیث پر مسلمانوں کے اعتماد کو اٹھانے کی سرتوڑ کوششیں کیں جس کے اثرات برصغیر کے منکرین حدیث پر بھی پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کے بارے میں یہاں کے منکرین حدیث کے بڑے بڑے شبہات اور مستشرقین کے شبہات میں مماثلت پائی جاتی ہے، جس سے یہ واضح نتیجہ نکلتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں انکارِ حدیث کا ایک اہم سبب مستشرقین کی حدیثِ رسولؐ کے خلاف علمی فتنہ انگیزیاں ہیں۔ مستشرقین کے فتنۂ انکار حدیث کے محرک ہونے کی دلیل کے لئے پروفیسر عبدالغنی 'منکرین حدیث کے اعتراضات' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''ان لوگوں کے اکثر اعتراضات مستشرقین یورپ ہی کے اسلام پر اعتراضات سے براہِ راست ماخوذ ہیں مثلاً حدیث کے متعلق اگر گولڈ زیہر (Gold Ziher)، سپرنگر (Sprenger) اور ڈوزی (Dozy) کے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے تو آپ فوراً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ منکرین حدیث کی طرف سے کئے جانے والے بڑے بڑے اعتراضات من وعن وہی ہیں جو ان مستشرقین نے کئے ہیں۔'' (۳۳)

برصغیر کے فتنۂ انکار حدیث میں مستشرقین کے لٹریچر کے اثرات کو مولانا محمد فہیم عثمانی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''افسوس تو زیادہ اس بات کا ہے کہ سب کچھ دشمنانِ اسلام کی پیروی میں ہورہا ہے۔ مستشرقین یورپ کے سفیہانہ اعتراضات کی اندھا دھند تقلید سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ ڈھائی سو برس بعد احادیث کے قلمبند ہونے کی باتیں اور اس طرح حدیث کے ذخیرے کو ساقط الاعتبار ثابت کرنے کی سکیمیں، یہ رجالِ حدیث کی ثقاہت پر اعتراضات اور یہ عقلی حیثیت سے احادیث پر شکوک وشبہات کا اظہار، یہ سب کچھ مستشرقین یورپ کی اُتارن ہیں جن کو منکرین حدیث پہن پہن کر

اِتراتے ہیں۔''(۳۴)

اسی حقیقت کو مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی نے یوں بیان کیا ہے:

''اور عجیب بات ہے کہ موجودہ دور کے منکرین حدیث نے بھی اپنا ماخذ ومرجع انہی دشمنانِ اسلام، مستشرقین کو بنایا ہے اور یہ حضرات انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور جو اعتراضات وشبہات ان مستشرقین نے اسلام کے بارے میں پیش کئے ہیں، وہی اعتراضات وشبہات یہ منکرین حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔''(۳۵)

برصغیر پاک و ہند میں انکارِ حدیث کے فتنے کے اُٹھتے ہی اس خطے کے مسلمانوں میں منکرین حدیث کے خلاف نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ علماءِ کرام اور محققین اسلام نے منکرین حدیث کے مبنی برانکارِ حدیث اعتراضات کی تردید کے لئے بیسیوں کتب لکھیں، مختلف رسائل میں حجیتِ حدیث پر مقالے شائع ہوئے۔ قلمی کاوشوں کے ساتھ ساتھ دینی اجتماعات میں فتنۂ انکارِ حدیث کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ جوں جوں منکرین حدیث آگے بڑھتے گئے اور نئے نئے شبہات لاتے گئے، توں توں حجیتِ حدیث پر بھی زیادہ وزنی دلائل پیش کئے جاتے رہے۔ منکرین حدیث کے ساتھ مختلف علماءِ کرام کے علمی مناظرے بھی ہوئے مگر منکرین حدیث نہ صرف اپنے موقف پر قائم رہے بلکہ نئے نئے حیلوں بہانوں سے انکارِ حدیث کے شبہات سامنے لاتے رہے۔ منکرین حدیث نے اپنے مشن کو باقاعدگی اور مقرر پروگرام کے تحت آگے بڑھایا، مگر اپنی پوری قوتوں کو بروئے کار لانے کے باوجود منکرین حدیث انحطاط کا شکار ہوتے چلے گئے۔ حجیتِ حدیث پر متعدد کتب لکھے جانے کے باعث منکرین حدیث کو منہ کی کھانی پڑی۔ انہیں معاشرہ میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور حجیتِ حدیث پر برصغیر کے اَدب کے خاطر خواہ نتائج نکلنے لگے۔

حوالہ جات

۱۔ ولی الدین، امام، محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنہ

۲۔ صادق سیالکوٹی، محمد، ضربِ حدیث، سیالکوٹ، مکتبہ کتاب وسنت، ۱۹۶۱ء، ص ۴۸

۳۔ ابن حزم، امام، ابومحمد علی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام، مصر مکتبۃ الخانجی، شارع عبدالعزیز، ۱۹۲۰ء جلد ا ص ۱۱۴

۴۔ نجم الغنی، محمد، مذاہب الاسلام، انڈیا لکھنؤ، مطبع منشی نولکشور، ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۰۱

۵۔ ولی حسن ٹونکی، مفتی، عظیم فتنہ، کراچی ۱۹۸۴ء، صفحہ ۲۲

۶۔ امام ابن حزم، ابومحمد علی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام مصر مکتبہ الخانجی، شارع عبدالعزیز، ۱۹۲۰ء، ج ا ص ۱۱۹

۷۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت، لاہور اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۳ء، ص ۱۴

۸۔ امرتسری، ثناء اللہ، مولانا، حجیت حدیث اور اتباع رسول ﷺ، ہندوستان، امرتسری کتب خانہ ثنائیہ، ۱۹۲۹ء ص ا

۹۔ عثمانی، محمد تقی، مولانا، درس ترمذی، کراچی مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۹۸۰ء ص ۲۶

۱۰۔مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، سنت کی آئینی حیثیت، لاہور اسلامک پبلیکیشنز،۱۹۶۳ء ص ۱۶

۱۱۔رشید احمد، مفتی، فتنہ انکار حدیث، کراچی کتب خانہ مظہری،۱۹۸۲ء ص ۷

۱۲۔ندوی، عبدالقیوم، فہم حدیث، کراچی، ص ۱۳۸

۱۳۔اجمیری، نورالدین، حکیم، مقالہ 'انکارِ حدیث کی خشت اوّل' ماہنامہ صحیفہ اہل حدیث، کراچی، حدیث نمبر،۱۹۵۲ء ص ۱۴۷

۱۴۔سلفی، محمد اسماعیل، مولانا، حجیت حدیث، لاہور اسلامک پبلیکیشنز ہاؤس ۱۹۸۱ء ص ۱۷

۱۵۔پانی پتی، محمد اسماعیل، مقالات سرسید، لاہور مجلس ترقی ادب، ج ۱۳، ص ۱۷

۱۶۔انکار حدیث کے ان علمبرداروں کے نام درج ذیل وہ کتب سے ماخوذ ہیں۔

i۔کیلانی، عبدالرحمٰن، آئینہ پرویزیت، لاہور مکتبہ السلام، ۱۹۸۷ء ص ۱۰۱

ii۔محمد فرمان، پروفیسر، انکار حدیث ایک فتنہ ایک سازش، گجرات،۱۹۶۴ء ص ۱۷۸۔۱۷۹

۱۷۔برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، تاریخ حدیث، لاہور مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ، ۱۹۸۸ء

۱۷۔رشید احمد، مفتی، مولانا، فتنہ انکار حدیث، کراچی کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال،۱۴۰۳ھ، ص ۱۰

۱۹۔عبدالغفار حسن، مولانا، عظمتِ حدیث، مقالات مولانا عبدالجبار عمر پوری، اسلام آباد، دارالعلم، ۱۹۸۹ء ص ۴۹

۲۰۔منکرین حدیث کے مبنی برانکار حدیث لٹریچر کی تفصیل بوجہ طوالت پیش نہیں کی جاسکتی۔ چند کتب کے نام درج کئے جارہے ہیں مثلاً عبداللہ چکڑالوی کا ترجمہ قرآن بآیات القرآن، غلام احمد پرویز کا رسالہ طلوعِ اسلام، عبداللہ چکڑالوی کا رسالہ اشاعۃ القرآن اور صلوٰۃ القرآن، سرسید احمد خان کی تصنیف خطباتِ احمدیہ، اور مقالات جیراج پوری وغیرہ۔

۲۱۔پھلواروی، شاہ محمد عزالدین، علوم الحدیث، لاہور، ۱۹۳۵ء ص ۶

۲۲۔محمد ادریس کاندھلوی، 'حجیت حدیث' لاہور،۱۹۵۲ء صفحہ ۱۶

۲۳۔محمد صفدر سرفراز خان، شوقِ حدیث، حصہ اول گوجرانوالہ گکھڑ، انجمن اسلامیہ،۱۹۸۲ء، صفحہ ۹

۲۴۔محمد عاشق الٰہی، مفتی، فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر، لاہور ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۶ء ص ۹

۲۵۔ ازہری، محمد کرم شاہ، سنت خیرالانام، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،۱۹۵۳ء ص ۱۷۹

۲۶۔محمد قطب الدین، مولانا، مظاہرحق اردو ترجمہ مشکوٰۃ شریف، لاہور، ۱۹۶۶ء، ج، دیباچہ کتاب

۲۷۔سلفی، محمد اسماعیل، مولانا، حجیت حدیث، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز ہاؤس، ۱۹۸۱ء ص ۱۷۷

۲۸۔فاروقی، محمد ادریس، مقام رسالت، لاہور مسلم پبلی کیشنز،۱۹۷۰ء، ص ۱۶

۲۹۔محمد قطب الدین، مولانا، مظاہرحق، ۱۹۶۶ء، ج ا، دیباچہ کتاب

۳۰۔محمد فرمان، پروفیسر، انکار حدیث ایک فتنہ ایک سازش، گجرات، مکتبہ مجددیہ نور پور شرقی،۱۹۶۴ء ص ۲۰۹

۳۱۔محمد عاشق الٰہی، مفتی، فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر، لاہور ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۶ء ص ۷

۳۲۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، سنت کی آئینی حیثیت، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ،۱۹۶۳ء، ص ۱۷

۳۳۔قادری، عبدالغنی، پروفیسر، ریاض الحدیث، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۱۵۹

۳۴۔فہیم عثمانی، مولانا محمد محترم، حفاظت و حجیت حدیث، لاہور، دارالکتب، ۱۹۷۹ء، ص ۱۳

۳۵۔ٹونکی، ولی حسن، مفتی، عظیم فتنہ، کراچی، اقراء روضۃ الاطفال، ناظم آباد،۱۹۸۴ء ص ۲۶

تدوینِ حدیث

محمد نعیم☆

عہدِ نبوی میں کتابتِ حدیث

[مختصر تحقیقی جائزہ]

حدیثِ نبوی کے بارے میں عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ احادیث تو نبی اکرم ﷺ کے ڈیڑھ صدی بعد لکھی گئی ہیں، اس لئے ان میں غلطی کے امکانات بہت زیادہ ہیں لہٰذا احادیث سے استدلال کرنے اور اس کو ماخذِ دین سمجھنے سے گریز کرنا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے شبہات پیدا کرکے حدیثِ نبوی کو مشکوک بنانے کی جسارت کرنے والے لوگ احکامِ دین سے ہی جان چھڑا کر دین میں من مانی تاویلات کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں۔ آج تک مسلمانوں کا یہ متفقہ موقف چلا آتا ہے کہ حدیثِ نبوی، قرآن کے ساتھ دین کا اہم ترین ماخذ ہے۔ ہمارے اس خطے کی بدقسمتی ہے کہ یہ چند دہائیوں سے تواتر سے حدیث پر اعتراضات کرنے والوں کی زد میں ہے اور جدید تعلیمافتہ ذہنوں میں حدیث کے بارے میں بہت سے شکوک وشبہات کو جنم دے کر دین سے انحراف کی راہ ہموار کی جارہی ہے۔

زیر نظر مضمون میں محترم مقالہ نگار نے بڑے مختصر انداز میں دورِ نبوی میں کتابتِ حدیث کے موضوع پر دادِ تحقیق دی ہے جس سے کم از کم اس اعتراض کی حقیقت کھلتی ہے کہ ''احادیث عہدِ نبوی سے ڈیڑھ صدی بعد کی پیداوار ہیں''۔ اپنے اختصار کی وجہ سے یہ مضمون مکتوب احادیث کی ایک فہرست ہی ہے۔ اس موضوع پر مزید مباحث اور اٹھائے گئے اعتراضات کے تفصیلی وتحقیقی تجزیہ کے لئے محدث کے گذشتہ شمارہ جات میں بکثرت مضامین موجود ہیں۔ مثال کے طور پر شمارہ ۳۲/۵ میں 'صحیح بخاری کے تحریری مآخذ' از ڈاکٹر خالد ظفر اللہ اور شمارہ ۱۴/۴، ۵ میں 'احادیث کی کتابت اور عدمِ کتابت کے نبویؐ فرامین میں تطبیق' پر ڈاکٹر عبد الرء وف ظفر کا ۲/ اقساط میں گرانقدر مقالہ وغیرہ قابل مطالعہ ہیں۔ مزید تفصیل کے خواہشمند قارئین محدث کے محولہ بالا شمارہ جات اور دیگر مضامین کی طرف رجوع کریں۔ (حسن مدنی)

اسلام علاج ہے انسانی زندگی کی تمام احتیاجات کا۔ اسلام کے معنی ہیں پورے طور پر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا۔ اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور خاتم النّبیین ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا یا یوں کہیے کہ اسلام قرآن وسنت کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے دینِ حق کے لیے مخلص مؤمنوں کی ایک جماعت تیار کی تھی جس نے اسلام کو سمجھا، اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالا اور اسے آئندہ نسلوں تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے نہ صرف قرآنِ مجید ہی کی دل وجان سے حفاظت کی بلکہ سنتِ رسول کی بھی حفاظت کا حق ادا کر دیا۔ اسی لیے حفاظتِ حدیث کا اہتمام عہدِ نبویؐ ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور آپ کی ذات سے

☆ لیکچرر گورنمنٹ ڈگری کالج، دیپال پور (اوکاڑہ)

صادر شدہ احکام وافعال کو محفوظ کرنا دینی فریضہ بن گیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت آپ کے ان ارشادات کی امین تھی۔ حفاظتِ حدیث کے لیے صرف حفظ کا طریقہ ہی اختیار نہ کیا گیا بلکہ احادیث کے لکھنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے عہد کا مکتوب ذخیرہ محفوظ ہے اور عقل عام رکھنے والا آدمی اندازہ کر سکتا ہے کہ عہدِ نبوی میں کتابت حدیث کا باقاعدہ اہتمام تھا۔[1]

احادیث کے حفظ وروایت کی تاکید

احادیث کے حفظ وروایت کی تاکید مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہوتی ہے:

① نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "حدّثوا عني" ''مجھ سے حدیث بیان کرو''[2]

② حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

"بلّغوا عني ولو آية" میری طرف سے (لوگوں کو میرا پیام) پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت ہو[3]

③ حضرت ابوبکر صدیقؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

"ليبلّغ الشاهد الغائب فإن الشاهد عسى أن يبلغ من هو أوعى له منه"

''اور ضروری ہے کہ حاضر شخص غائب کو یہ حکم پہنچا دے کیونکہ ممکن ہے کہ جس شخص کو یہ حکم پہنچایا جائے، وہ حاضرین سے زیادہ اس کو محفوظ کرنے والا ہو۔''[4]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا:

"نضّر الله امرأ سمع منا شيئا فبلغه كما سمعه فربّ مبلَّغ أوعى من سامع"

''اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی چیز سنی اور پھر بالکل اسی طرح دوسروں تک پہنچا دی جس طرح سنی تھی، اس لیے کہ بہت سے ایسے لوگ جنہیں حدیث پہنچے گی وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے۔''[5]

گیارہ ہزار صحابہ کرامؓ ایسے ہیں جن کے نام ونشان آج تحریری صورت میں موجود ہیں۔ جن میں سے ہر ایک نے کم وبیش آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال وواقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا ہے یعنی جنہوں نے روایتِ حدیث کی خدمت انجام دی ہے۔[6]

صحابہ کرامؓ کا اہتمامِ سماعت؛ حفظ وکتابتِ حدیث

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ

''میں اور میرا ایک انصاری ہمسایہ قبیلہ بنو اُمیہ بن زید میں رہتے تھے اور یہ قبیلہ مدینہ کے باہر پورب (مشرق) کی طرف رہتا تھا۔ ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باری باری حاضر ہوتے، ایک روز وہ جاتا تھا اور ایک روز میں۔ میں جب جاتا تھا تو اس دن کی وحی وغیرہ سے

متعلق خبریں اس انصاری کو بتا دیتا اور جس دن وہ جاتا، وہ بھی یوں ہی کرتا تھا۔''(۷)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ سے احادیث سن کر آتے تو مل کر دہرایا کرتے حتیٰ کہ وہ اَزبر ہوجاتیں۔(۸)

حضرت ابوسعیدؓ خدری فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے گرد بیٹھے ہوئے حدیث سنتے اور لکھتے تھے۔(۹)

حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ حضور کے صحابہؓ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو مجھ سے زائد حدیثیں یاد ہوں، ہاں عبداللہ بن عمروؓ کو (حدیثیں مجھ سے زائد یاد تھیں) کیونکہ وہ لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔(۱۰)

حضرت سُلَمِی فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھا کہ لکھنے کی تختیاں ان کے پاس تھیں، ان پر وہ ابورافع سے رسول اللہ ﷺ کے کچھ افعال لکھ کر نقل کررہے ہیں۔(۱۱)

کتابتِ حدیث کے لیے احکامِ نبوی ﷺ

① حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی احادیث روایت کروں۔ میرا اِرادہ ہے کہ میں دل کے ساتھ ہاتھ سے لکھنے کی مدد بھی لوں، اگر آپ پسند فرمائیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إن كان حديثي ثم استعن بيدك مع قلبك"(۱۲)

''اگر میری حدیث ہو تو اپنے دل کے ساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد لو۔''

② حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری آنحضرت ﷺ کی مسجد میں بیٹھا کرتے اور احادیث سنتے تھے۔ وہ انہیں بہت پسند آتیں لیکن یاد نہیں رہتی تھیں، چنانچہ انہوں نے آپ سے شکایت کی کہ یارسول اللہ! میں آپ سے حدیثیں سنتا ہوں لیکن مجھے یاد نہیں رہتیں، آپ نے فرمایا:

"استعن بيمينك وأومأ بيده الخط"(۱۳)

''اپنے دائیں ہاتھ سے مدد حاصل کرو اور آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ کیا۔''

③ حضرت رافعؓ بن خدیج فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں ...... آپ نے فرمایا:

"اكتبوا ولا حرج" ''لکھ لیا کرو کوئی حرج نہیں''(۱۴)

④ حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا۔ یہ سن کر ایک یمنی شخص (ابوشاہ) نے حاضر ہوکر عرض کیا، یارسول اللہ! یہ (سب احکام) مجھے لکھ دیجئے۔ آپ نے فرمایا:

"اكتبوا لأبى فلان" ''ابوفلاں کو لکھ دو''(۱۵) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ

"اكتبوا لأبى شاه" ''ابوشاہ کو لکھ دو''(۱۶)

⑤ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جو لفظ سنتا تھا اسے یاد کرنے کے لیے لکھ لیا کرتا تھا۔ پھر قریش نے مجھے لکھنے سے منع کیا اور کہا تم ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ بشر ہیں ۔ غصے اور خوشی دونوں حالتوں میں باتیں کرتے ہیں یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا پھر میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

"اُكتب فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه إلا حق" (١٧)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، ان دونوں ہونٹوں کے درمیان (زبان) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا، اس لیے تم لکھا کرو۔''

⑥ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" قيّدوا العلم قلت وما تقييده ؟ قال كتابته" (١٨)

''علم کو قید کرو...... میں نے پوچھا: علم کی قید کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اسے لکھنا......''

⑦ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"قيِّدوا العِلمَ بالكتاب" ''علم کو لکھ کر محفوظ کرلو'' (١٩)

علم سے مراد علم حدیث ہے اسلئے کہ اَسلاف کے ہاں یہ لفظ رائے کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔

⑧ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافعؓ نے بھی احادیث لکھنے کی اجازت مانگی تو آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ (٢٠)

عہدِ نبویؐ میں لکھی گئی احادیث اور ان کے مجموعے

(١) حضرت رافعؓ بن خدیج سے روایت ہے کہ مدینہ ایک حرم ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حرم قرار دیا ہے اور یہ ہمارے پاس ایک خولانی چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔ (٢١)

(٢) رسول اللہ ﷺ کی تلوار کے قبضے میں سے ایک کاغذ ملا جس میں لکھا تھا کہ ''اندھے کو رستے سے بھٹکانے والا ملعون ہے، زمین کا چور ملعون ہے، احسان فراموش ملعون ہے'' (٢٢)

(٣) كتاب الصدقة: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتاب زکوۃ لکھوائی لیکن ابھی اپنے عمال کو بھیج نہ پائے تھے کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ آپ نے اسے اپنی تلوار کے پاس رکھ دیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر نے اپنی وفات تک اس پر عمل کیا پھر حضرت عمرؓ نے اپنی وفات تک۔ (٢٣)

(٤) صحیفہ صادقہ: حضرت عبداللہ بن عمرو نے نبی کریم ﷺ کی احادیث سے ایک صحیفہ مرتب کیا جسے 'صحیفہ صادقہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ ''صادِقه ایک صحیفہ

ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھا ہے۔'' (۲۴)

(۵) صحیفہ علی: حضرت علی نے فرمایا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں، سوائے کتاب اللہ کے اور اس صحیفہ کے جو نبی ﷺ سے منقول ہے (۲۵) ...... صحیح بخاری کی دوسری روایت کے مطابق اس صحیفہ میں دیت اور قیدیوں کے چھڑانے کے احکام ہیں اور یہ حکم کہ کافر، حربی کے (قتل کے) عوض مسلمان کو نہ مارا جائے۔ (۲۶)

(۶) حضرت انسؓ کی تالیفات: حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دس برس رہے۔ آپ نے عہدِ رسالت ہی میں احادیث کے کئی مجموعے لکھ کر تیار کر لیے تھے۔ ان کے شاگرد سعید بن ہلال فرماتے ہیں کہ ہم جب حضرت انس سے زیادہ اصرار کرتے تو وہ ہمیں اپنے پاس سے بیاض نکال کر دکھاتے اور کہتے کہ ''یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے نبی ﷺ سے سنتے ہی لکھ لی تھیں اور پڑھ کر بھی سنا دی تھیں'' (۲۷)

(۷) صحیفہ عمرو بن حزمؓ: ۱۰ھ میں جب یمن کا علاقہ نجران فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو انہیں ایک عہد نامہ تحریر فرما دیا جس میں آپ نے شرائع و فرائض وحدودِ اسلام کی تعلیم دی تھی۔ (۲۸)

(۸) قبیلہ جُہینہ کے نام تحریر: عبداللہ بن عکیم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک تحریر (ہمارے قبیلہ جہینہ) کو پہنچی۔ (۲۹)

(۹) اہل جرش کے نام خط: نبی کریم ﷺ نے ایک نامہ مبارک اہل جرش کو بھیجا تھا جس میں کھجور اور کشمش کی مخلوط نبیذ کے متعلق حکم بیان فرمایا گیا تھا۔ (۳۰)

(۱۰) حضرت معاذؓ نے یمن سے آنحضرت ﷺ سے لکھ کر دریافت کیا کہ کیا سبزیوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپ نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں۔ (۳۱)

(۱۱) عہدِ نبویؐ کے خطوط: عالم اسلام کے نامور مؤرخ ڈاکٹر حمید اللہؒ کا بیان ہے کہ عہدِ نبوی کے کوئی پونے تین سو مکتوب یکجا کیے جا چکے ہیں۔ (۳۲)

(۱۲) تبلیغی خطوط: صلح حدیبیہ کے بعد آپ نے دنیا کے چھ مشہور حکمرانوں کے نام تبلیغی خطوط روانہ فرمائے اور ان پر اپنی مہر بطورِ دستخط ثبت فرمائی۔ (۳۳) ...... قیصر وکسریٰ وغیرہ کے نام خطوط کا ذکر صحیح بخاری میں بھی موجود ہے اور خط پر مہر لگانے کیلئے چاندی کی انگوٹھی تیار کرنے کا ذکر بھی موجود ہے۔ (۳۴)

(۱۳) نومسلم وفود کے لیے صحائف: جب حضرت وائل بن حجر نے (مدینہ سے) اپنے وطن لوٹنے کے ارادے پر رسول اللہ ﷺ کے حضور عرض کیا ''یا رسول اللہ! میری قوم پر میری سیادت کا فرمان لکھوا دیجئے'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہؓ سے تین ایسے فرمان لکھوا کر وائل کے سپرد فرمائے (۳۵) ......

آپ نے مندرجہ ذیل وفود کو بھی اسلامی احکام پر مشتمل صحیفے الگ الگ لکھوا کر عنایت فرمائے : وفد قبیلہ خثعم، وفد الرياويين ، وفد ثمالته والجدان۔(۳۶)

(۱۴) ایک مرتبہ کسی لشکر کے سردار کو حضور نے ایک خط دیا اور فرمایا کہ جب تک تو فلاں فلاں مقام پر نہ پہنچ جائے اس کو نہ پڑھنا، وہ سردار جب مقامِ مقررہ پر پہنچا تو لوگوں کے سامنے حضور کا خط پڑھا اور سب کو اس کی اطلاع کر دی۔(۳۷)

(۱۵) تحریری معاہدے : ہجرت کے فوراً بعد مختلف قبائل عرب اور دوسری اَقوام سے آپ کے معاہدات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے "الوثائق السياسية" میں ایسے تحریری معاہدات کی بہت بڑی تعداد جمع کر دی ہے۔ ''دستورِ مملکت'' جو ہجرت کے صرف پانچ ماہ بعد آپ نے نافذ فرمایا تھا، وہ بھی معاہدات ہی کے سلسلے کی اہم کڑی ہے۔(۳۸) اسی طرح چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ تحریر کیا گیا۔(۳۹) اس معاہدے کو حضرت علیؓ نے تحریر فرمایا تھا۔ اس کی ایک نقل قریش نے لے لی اور ایک آنحضرت ﷺ نے اپنے پاس رکھی۔(۴۰)

(۱۶) جاگیروں کے ملکیت نامے : رسول اللہ ﷺ نے بہت سے لوگوں کو جاگیریں عطا فرمائیں اوران کے ملکیت نامے بھی تحریر کروا کے دیئے۔ مثلاً حضرت زبیر بن العوامؓ کو ایک بڑی جاگیر عطا فرماتے وقت یہ دستاویز لکھوا کر دی:

''یہ دستاویز محمد رسول اللہ ﷺ نے زبیر کو دی ہے ان کو سوارق پورا کا پورا بالائی حصے تک موضع مُورع سے موضع موقت تک دیا ہے، اس کے مقابلے میں کوئی اپنا حق اس میں نہ جتائے۔''(۴۱)

(۱۷) اَمان نامے : آپ نے بہت سے افراد اور خاندانوں کو امان نامے لکھوا کر عطا فرمائے۔ ان کا ذکر طبقاتِ ابن سعد میں بھی ملتا ہے اور البدایہ والنہایہ میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ سے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر اَمان نامہ سراقہ بن مالک کو لکھوا دیا۔

(۱۸) بیع نامے : رسول اللہ ﷺ قیمتی اشیاء کی خرید وفروخت کے وقت ان کی دستاویز بھی لکھوایا کرتے تھے۔ عبدالمجید بن وہب روایت کرتے ہیں کہ

''عداء بن خالد بن ہوذہ نے ان سے کہا: کیا میں تمہیں ایسی تحریر نہ پڑھاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے تحریر کرائی تھی۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! اس پر انہوں نے ایک تحریر نکالی، اس میں لکھا تھا: یہ اقرار نامہ ہے کہ عداء بن خالد بن ہوذہ نے محمد رسول اللہ ﷺ سے خریداری کی ......''(۴۲)

---

(۱) حفاظتِ حدیث، ڈاکٹر خالد علوی ؍ص ۵۶ تا ۶۵

(۲) مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الزہد ج ۶ ص ۵۰۱

(۳) کتاب العلم، بخاری، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل ج ۲ ص ۶۹۲

(۴) الجامع الصحیح ، از بخاری ، کتاب العلم ج ۱ ص ۱۳۵
(۵) جامع ترمذی از محمد بن عیسیٰ ترمذی ج ۲ ص ۱۲۵
(۶) خطباتِ مدراس از سید سلیمان ندوی ص ۴۴
(۷) الجامع الصحیح ، از بخاری کتاب المظالم ج ۲ ص ۱۴۵
(۸) الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع از خطیب بغدادی ج ۱ ص ۲۳۶
(۹) مجمع الزوائد از نور الدین ، الہیثمی ج ۱ ص ۱۶۱
(۱۰) الجامع الصحیح از بخاری کتاب العلم ج ۱ ص ۱۵۸
(۱۱) الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۲ ص ۳۷۱
(۱۲) سنن الدارمی از عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی ج ۱ ص ۱۲۶
(۱۳) جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۸
(۱۴) تدریب الراوی از حافظ جلال الدین سیوطیؒ ص ۲۸۶
(۱۵) الجامع الصحیح از بخاریؒ کتاب العلم ، ج ۱ ص ۱۵۷
(۱۶) جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۸
(۱۷) سنن ابی داوٗد ج ۳ ص ۱۱۷
(۱۸) المستدرک از حاکم ج ۱ ص ۱۰۶
(۱۹) جامع بیان العلم از ابن عبدالبر اندلسی ج ۱ ص ۷۲
(۲۰) مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۳۳
(۲۱) الجامع الصحیح از مسلم ج ۳ ص ۳۸۴
(۲۲) جامع بیان العلم از ابن عبدالبر اندلسی ج ۱ ص ۷۲
(۲۳) جامع ترمذی ج ۱ ص ۲۶۴
(۲۴) طبقات ابن سعد از ابن سعد ج ۲ ص ۴۰۸
(۲۵) الجامع الصحیح از بخاری ج ۲ ص ۴۴۶
(۲۶) الجامع الصحیح از بخاری ج ۱ ص ۱۵۷
(۲۷) المستدرک از حاکم ، ذکر انس بن مالک ، دائرۃ المعارف ، حیدرآباد ، دکن
(۲۸) طبقات ابن سعد از ابن سعد ج ۲ ص ۳۹
(۲۹) مشکوٰۃ المصابیح از خطیب بغدادی ج ۱ ص ۱۶۵ نسائی ج ۳ ص ۱۶۴
(۳۰) الجامع الصحیح لمسلم : ۲۴۰/۵
(۳۱) خطباتِ مدراس از سید سلیمان ندوی ص ۵۱
(۳۲) رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۳۱۱
(۳۳) طبقات ابن سعد از ابن سعد ج ۲ ص ۲۹
(۳۴) الجامع الصحیح للبخاری ج ۱ ص ۱۳۴
(۳۵) الوثائق السیاسیۃ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۱۴۲ تا ۱۴۴
(۳۶) طبقات ابن سعد از ابن سعد ج ۲ ص ۱۲۱ تا ۱۳۰
(۳۷) الجامع الصحیح للبخاری ج ۱ ص ۱۳۳
(۳۸) سیاسی وثیقہ جات از ڈاکٹر محمد حمید اللہ : ص ۱۹
(۳۹) الجامع الصحیح از مسلم کتاب الجہاد والسیر
(۴۰) خطباتِ مدراس از سید سلیمان ندوی ۱۹۲/۲۲۹
(۴۱) سیاسی وثیقہ جات از ڈاکٹر حمید اللہ......نمبر ۱۹۲/۲۲۹
(۴۲) جامع ترمذی ج ۱ ص ۴۴۸

تدوینِ حدیث

پروفیسر علی احمد چوہدری☆

حفاظتِ حدیث میں حفظ کی اہمیت

حفظ کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے یوں تو انسان کو بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں لیکن قوتِ حافظہ ان میں اہم ترین نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس خاص نعمت سے انسان مشاہدات و تجربات اور حالات و واقعات کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھتا ہے اور ضرورت کے وقت انہیں مستحضر کر کے کام میں لاتا ہے۔ انسان کا قدیم ترین اور ابتدائی طریق حفاظت 'حفظ' تھا۔ تدریجاً وہ فن کتابت سے آشنا ہوا اور تہذیبوں کے ارتقا کے ساتھ کتابت کو فروغ ہوا۔ تہذیبوں کے اس نشیب وفراز کے ہر دور میں حافظہ کی حیثیت مسلم رہی۔

اہل عرب قبل از بعثتِ نبوی ﷺ ہزاروں برس سے اپنا کام تحریر و کتابت کے بجائے حافظہ سے چلانے کے خوگر تھے۔ ان کے تاجر لاکھوں روپے کا لین دین کرتے تھے اور کوئی لکھی پڑھی دستاویز نہ ہوتی تھی۔ پائی پائی کا حساب اور سینکڑوں گاہکوں کا تفصیلی حساب وتول زبان پر رکھتے تھے۔انکی قبائلی زندگی میں نسب اور خونی رشتوں کی بڑی اہمیت تھی، پشت ہا پشت سے نسب نامے ان کے حافظے میں محفوظ رہتے تھے.

عرب بے پناہ قوت حافظہ کے مالک تھے۔ ان کے شعرا، خطبا اور اُدبا ہزاروں اشعار، ضرب الامثال اور واقعات کے حافظ تھے۔شجر ہائے نسب کو محفوظ رکھنا ان کا معمول تھا بلکہ وہ تو گھوڑوں کے نسب نامے بھی یاد رکھتے تھے۔

ان کا سارا لٹریچر بھی کاغذ پر نہ تھا بلکہ لوحِ قلب پرلکھا ہوا تھا۔ وہ کاغذ کی تحریر پر اعتماد کرنے کی بجائے حافظے پر اعتماد کرنے کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ انہیں اس پر فخر تھا اور ان کی نگاہ سے وہ شخص گر جاتا تھا جس سے بات پوچھی جائے اور وہ زبانی بتانے کی بجائے گھر سے کتاب لا کر اس کا جواب دے۔

ان کی یہ عادت اسلام کے بعد بھی تقریباً ایک صدی تک جاری رہی کہ وہ لکھنے کے باوجود یاد کرتے تھے اور تحریر پڑھ کر سنانے کی بجائے نوکِ زبان سے سنانا نہ صرف باعثِ عزت سمجھتے تھے بلکہ ان کے نزدیک آدمی کے علم پر اعتماد بھی اس طریقہ سے قائم رہتا تھا۔

موجودہ دور میں بھی مختلف اقوام میں ایسے بے شمار افراد پائے جاتے ہیں جن کے حافظوں کو بطورِ

☆ ادارۂ تعلیم و تحقیق، جامعہ پنجاب، لاہور

نظیر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ خود مسلمان علما میں یہ جملہ مشہور رہا: "العلم فی الصدور لا فی الکتب" فی الحقیقت علم وہی ہے جو انسان کو مستحضر ہو۔ اس استحضار کے لئے حافظے کے سوا اور کوئی شے نہیں ہے۔

خود ہندوستان میں سید انور شاہ کشمیری، سید نذیر حسین محدث دہلوی، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی اور حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہم اللہ بے نظیر حافظے کے مالک تھے۔

عربوں اور غیر عربوں میں آج بھی اس امر کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ اَن پڑھ لوگ اور نابینا آدمی پڑھے لکھے اور بہت انسانوں کی نسبت زیادہ یادداشت رکھتے ہیں۔ ناخواندہ تاجروں میں ایسے لوگ بکثرت دیکھے جاتے ہیں جنہیں بہت سے گاہکوں کے ساتھ اپنا ہزار ہا روپے کا لین دین تفصیل کے ساتھ یاد رہتا ہے۔ بے شمار اندھے ایسے موجود ہیں جن کی قوتِ حافظہ آدمی کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ تحریر پر اعتماد کرلینے کے بعد ایک قوم کے حافظے کی وہ حالت باقی نہیں رہ سکتی جو ناخواندگی کے دور میں اس کی تھی۔

عربوں کا تعلق جب کلامِ الٰہی سے ہوا تو ان کو رسولِ کریم ﷺ اور قرآنِ مجید سے بے پناہ عقیدت ومحبت ہوئی۔ انہوں نے قرآن وحدیث کو حفظ کرنا شروع کیا۔ بے شمار صحابہؓ نے قرآن کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ جنگِ یمامہ میں تقریباً ۷۰۰ حفاظِ قرآن صحابہ تھے جو شہید ہوگئے، جس کے خوف سے حضرت عمرؓ نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ اگر اس طرح حفاظ صحابہ دنیا سے اُٹھتے چلے گئے تو قرآن محفوظ نہ رہ سکے گا۔ ان کی اس تحریک پر حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کو کتابی شکل میں مدوّن کیا۔

یوں بھی کوئی قرآن کی آیت / سورت نازل ہوتی تو صحابہ اس کو اَزبر کرلیتے۔ یہی تعلق ان کا حدیث ِرسول ﷺ سے تھا۔

حفظِ حدیث، ارشاداتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

حضرت انس بن مالکؓ جو آپ کے خادمِ خاص تھے، کہتے ہیں کہ "ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس ہوتے اور حدیث سنتے جب ہم اُٹھتے تو ایک دوسرے سے دہراتے حتیٰ کہ ہم اس کو ازبر کرلیتے۔"

ایک اور واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ

> "ہم لوگ رسول اللہ ﷺ سے حدیثیں سنتے اور جب آپ مجلس سے تشریف لے جاتے تو ہم آپس میں حدیثوں کا دور کرتے۔ یکے بعد دیگرے ہم میں ہر شخص ساری حدیثیں بیان کرتا، اکثر رسولِ اکرم ﷺ کی محفل میں بیٹھنے والوں کی تعداد ساٹھ تک ہوجاتی اور وہ سب باری باری بیان کرتے۔ پھر ہم اُٹھتے تو حدیثیں یوں یاد ہوتیں کہ گویا وہ ہمارے دلوں پر نقش ہوگئی ہیں۔"(۱)

صحابہ زیادہ تر حفاظتِ حدیث کے سلسلہ میں سفینہ کے بجائے سینہ پر اعتماد کرتے تھے۔ ڈاکٹر صبحی صالح حفاظتِ حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں :

''حضور ﷺ کا کتابتِ حدیث سے منع کرنا اور حفظ کو اہمیت دینا، یہ آپ کی حکمتِ تدریس کا حصہ تھا تاکہ صحابہ کا حدیثِ رسول ﷺ سے ایک خاص تعلق اور ربط پیدا ہوجائے۔ یہ تربیت تدریجی اور اسلامی معاشرہ کے حوادث واَحوال سے بالکل ہم آہنگ تھی۔ یہ تربیت جامد نہ تھی کہ ایک ہی شکل وصورت پر قانع رہتی، بلکہ اس میں اشخاص وازمنہ کے احوال ومقامات کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔''(۲)

حضورِ کریم ﷺ نے جب اپنی دعوت کا آغاز کیا تو اس وقت عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج کم تھا۔ ایسے لوگوں کی تعداد تو اُنگلیوں پر گنی جاسکتی تھی جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔قرآن نے خود ان کو اَن پڑھ کہا جن کے اندر سے حضورؐ یہ دعوت لے کر اُٹھے :

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ (۳)

''اللہ وہ ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے پیغمبر بھیجا۔''

طبقاتِ ابن سعدؒ کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثتِ نبوی کے وقت سولہ سترہ سے زیادہ آدمی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب لکھنے پڑھنے کو پسند نہ کرتے تھے۔ صحرائی لوگ تو پڑھنے کو حقارت سے دیکھتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کے خلاف حقارت کا یہ جذبہ آج تک صحرائی قبائل میں بدستور باقی ہے۔ ذوالرمہ اور مخضرمی جو بہت بڑے شاعر ہیں، وہ اس بات کو چھپاتے رہے کہ وہ فن کتابت سے آشنا ہیں، کہ کہیں لوگ اُنہیں ناپسند نہ کرنے لگیں۔

کتابتِ حدیث کے عدمِ رجحان اور رسول اللہ ﷺ کی ممانعت کی وجہ سے صحابہ حافظہ پر زیادہ اعتماد کرتے۔ احادیث کو حفظ کرتے اور حافظہ کی مدد سے ہی بوقتِ ضرورت اس کو مستحضر کردیتے تھے۔ پروفیسر خالدعلوی لکھتے ہیں کہ

''حافظہ پر اعتماد ہی کا نتیجہ تھا کہ بڑی مدت تک علما حفظ ہی کرتے رہے۔ انہوں نے لکھنے کو پسند نہیں کیا۔''(۴)

امام اوزاعیؒ کا قول ہے :

"كان هذا العلم شيئا شريفاً إذا كان من أفواه الرجال يتلاقونه ويتذاكرونه فلما صار فی الكتب ذهب نوره و صار إلى غير أهله"

''حدیث کا علم قیمتی اور شریف اس وقت تھا جب لوگوں کے منہ سے حاصل کیا جاتا تھا۔ لوگ باہم ملتے جلتے رہتے تھے اور آپس میں ان کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب سے حدیثیں کتابوں میں لکھی جانے لگیں تو اس کا نور اور اس کی رونق جاتی رہی اور یہ علم ایسے لوگوں میں پہنچ گیا جو اس کے

اہل نہ تھے۔"(۵)

حضورِ کریم ﷺ نے حفاظت کے لئے دو طرح کے اقدام فرمائے۔ ایک تو یہ کہ آپ نے احادیث کو روایت کرنے کی ہمت افزائی کی اور دوسری طرف جھوٹی حدیث روایت کرنے پر سخت وعید سنائی۔

زبانی روایت کی ہمت افزائی اور ترغیب

اہل عرب ہزاروں برس سے اپنے کام کتابت کے بجائے حفظ و روایت اور زبانی کلام سے چلانے کے عادی تھے اور یہی عادت اسلام کے ابتدائی دور میں برسوں تک رہی۔ ان حالات میں قرآن کو محفوظ کرنے کے لئے تو کتابت ضروری سمجھی گئی، کیونکہ اس کا لفظ لفظ، آیات اور سورتوں کی ٹھیک اسی ترتیب کے ساتھ جو اللہ نے مقرر فرمائی تھی، محفوظ کرنا مطلوب تھا۔ حدیث میں اس ترتیب کا ہونا ضروری نہ تھا کیونکہ قرآن کی تلاوت اس طرح مطلوب تھی جس طرح اللہ نے ترتیب دی۔ اس کے الفاظ کو بدلنا کسی صورت جائز نہ تھا جبکہ سنت کی نوعیت عملی تھی۔ اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ کی طرح نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ صرف ان کا مفہوم وحی تھا جنہیں الفاظ کا جامہ حضور نبی کریمؐ پہنایا کرتے۔

حضور ﷺ کے اقوال، الفاظ اور تقاریر کے نقل کرنے میں یہ پابندی نہ تھی کہ سننے والے انہیں لفظ بلفظ اسی طرح نقل کریں بلکہ اہل زبان سامعین کے لئے یہ جائز تھا، وہ اس پر قادر بھی تھے کہ الفاظ سن کر معنی ومفہوم بدلے بغیر اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

احادیث میں قرآن کی آیتوں کی طرح یہ بھی ضروری نہ تھا کہ فلاں حدیث پہلے اور فلاں بعد میں لائی جائے۔ یہاں مقصود صرف ان احکام اور تعلیمات و ہدایات کو یاد رکھنا اور بحفاظت آگے پہنچانا تھا جو صحابہ کو حضور سے ملتی تھیں۔ اس باب میں زبانی نقل وروایات کی کھلی اجازت ہی نہ تھی بلکہ بکثرت احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضورِ کریم ﷺ نے لوگوں کو بار بار اور بکثرت اس کی تاکید فرمائی۔

نبی پاک ﷺ نے ان اشخاص کے لئے خصوصی دعا فرمائی جو آپ کی باتوں کو سن کر یاد رکھیں اور دوسروں تک پہنچائیں:

1. حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"نضر الله امرءً سمع مقالتي فوعاها......"(٦)

"اللہ تعالیٰ خوش وخرم رکھے اس بندے کو جس نے میری بات سنی اور اس کو یاد رکھا۔"

2. حضرت زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور جبیر بن مطعمؓ اور ابودرداءؓ حضورِ کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

"نضر الله امرءً سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه فرُبّ حامل فقه إلى من هو أفقه منه ورب حامل فقه ليس بفقيه" (۷)

''اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے اور دوسروں تک پہنچا دے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص سمجھ کی بات کسی ایسے شخص کو پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص جو خود فقیہ نہیں ہوتا مگر وہ فقہ اٹھائے ہوتا ہے۔''

3. حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ليبلغ الشاهد الغائب عسىٰ ان يبلغ من هو أوعىٰ" (۸)

''جو حاضر ہے، وہ اس کو پہنچا دے جو حاضر نہیں، ممکن ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی تک پہنچا دے جو اس سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔''

4. قاضی ابوشریح کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر خطبہ دیا جسے میں نے خود کانوں سے سنا اور خوب یاد رکھا۔ وہ موقع اب تک میری آنکھوں میں سمایا ہوا ہے۔ خطبہ کے اختتام پر آپ نے فرمایا: "ليبلغ الشاهد الغائب"

''جو حاضر ہیں وہ ان لوگوں سے پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہیں۔'' (۹)

5. حجۃ الوداع ۱۰ ہجری میں وہی بات کہی جو فتح مکہ کے موقع پر کہی تھی۔

6. ابوجمرہ کہتے ہیں کہ بنی عبدالقیس کا وفد بحرین سے حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم ایسے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں کہ ہم سوائے حرام مہینوں کے آپ کی خدمت میں نہیں آسکتے، لہٰذا ہم کو ایسے اعمال بتائیں کہ ہم پیچھے والوں کو اس سے مطلع کریں اور اس کے سبب ہم جنت میں چلے جائیں۔ آنحضور ﷺ نے انہیں چند احکام دیئے اور فرمایا:

"احفظوه واخبروا من وراء كم" (۱۰) ''اس کو یاد کرلو اور پیچھے والوں کو بھی بتاؤ۔''

پروفیسر خالد علوی نے مولانا سید امین الدین کی رائے نقل کی ہے کہ حضور رسالتِ مآب ﷺ نے ان صحابہ کے لئے دعا فرمائی جو حضور ﷺ کی حدیث کی حفاظت کرتے اور ضبط میں رکھتے اور پوری صحت اور اتقان کے ساتھ اس کو دوسروں تک پہنچاتے۔ حفاظتِ حدیث اور مبلغین حدیث کے لئے حضور کی مذکورہ دعا ثابت کرتی ہے کہ حفظِ حدیث اور اس کی تبلیغ، حضور کی رضا اور خوشنودی، حیاتِ صحابہ کا عظیم اور اہم سرمایہ تھا۔ صحابہ خوب جانتے تھے کہ اللہ کے رسول کو راضی رکھنا ایمان والوں کے حفظِ ایمان کے لئے نہایت ضروری ہے: (۱۱)

﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (توبہ:۶۲)

''اللہ اور اس کے رسول کو راضی رکھنا بہت ضروری ہے، اگر وہ ایمان رکھتے ہیں۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:"من رغب سنتي فليس منى" (بخاری:نمبر۵۰۶۳)

''وہ مجھ سے نہیں جس نے میری سنت سے اعراض کیا۔''

صحابہ کرامؓ حافظہ کی مدد سے حدیث کو یاد رکھنے کا کام لیتے تھے۔حضور کریم ﷺ کی اس تحریص وترغیب کا یہ نتیجہ ہوا کہ صحابہؓ ذوق وشوق سے احادیث کو یاد رکھتے جو حضور کی محفل میں حاضر نہ ہو سکتے، وہ باری باری کا شانۂ نبوت میں حاضری دیتے۔مثلاً حضرت عمرؓ نے اپنے غلام سے باری باندھی ہوئی تھی کہ ایک دن میں کا شانۂ نبوی میں حاضر ہوکر نورِ نبوت سے فیضیاب ہوں گا تو اس سے آپ کو آگاہ کروں گا لیکن جس دن میں حاضر نہ ہوسکوں تو آپ حضورؐ کے ہاں حاضر ہوکر فیض حاصل کریں اور ارشاداتِ نبوی سے مجھے آگاہ کریں۔

آنحضرت ﷺ کے ارشادات کا صحابہ دَور کرتے۔ایک دوسرے کو سناتے، مذاکرے ہوتے اور ایک دوسرے سے اخذ واستفادہ کرتے۔حضرت معاویہؓ کہتے تھے:

''میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھا۔آپ مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے مسجد میں ایک جماعت بیٹھی ہوئی پائی۔فرمایا: تم کس لئے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے فرض نماز پڑھی پھر ہم بیٹھ گئے۔ہم اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کا مذاکرہ کررہے ہیں۔آپ نے فرمایا:

''اللہ جس چیز کا ذکر کرتے ہیں،اس کا ذکر بڑھ جاتا ہے۔''(۱۲)

حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، حضرت ابوسعید اور ان کے علاوہ دیگر اکابرین صحابہ اور تابعین حدیث کے مذاکروں میں اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کو تاکید کرتے تھے۔علیؓ فرماتے تھے:

"تذاكروا الحديث و تزاوروا فإنكم إن لم تفعلوا يدرس"

''احادیث کا تکرار کیا کرو اور ایک دوسرے سے ملتے رہو اگر ایسا نہ کرو گے تو علم ضائع ہو جائے گا''

بقولِ سید منت اللہ

''صحابہ کرام میں دو چیزوں کا چرچا تھا: کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ۔ وہ اپنے وقت کو انہیں دو کاموں میں صرف کرتے اور انہیں دو چیزوں کو خود پڑھتے، دوسروں کو پڑھاتے یا ان سے سنتے رہتے تھے۔اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کو انہی چیزوں کے مذاکرہ اور حفظ کی تاکید کرتے رہے۔تو پھر جنہوں نے حدیث کو اپنا مشغلہ بنا لیا ہو، انہیں حدیثیں یاد نہ رہتیں تو اور کس کو رہتیں۔''(۱۳)

حفظِ حدیث میں حزم واحتیاط اور اس کے محرکات

صحابہ حفظِ حدیث اور روایت میں بڑی احتیاط سے کام لیتے اور اس کو وہ اپنی بڑی ذمہ داری محسوس کرتے تھے تاکہ بعد میں آنیوالی نسلوں کو حضور ﷺ کی تعلیمات صاف شفاف صورت میں بغیر کسی آمیزش

کے ملیں۔ ان کے نزدیک یہ دین ایک امانت ہے اور اس میں تغیر وتبدیلی خیانت اور بہت بڑا جرم ہے۔ بعض دفعہ تو صحابہؓ حدیث بیان کرتے ہوئے لرز اُٹھتے تھے۔ اس حزم واحتیاط کے درج ذیل محرکات تھے :

① جھوٹی احادیث پر تنبیہ

جھوٹی حدیث کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنے پر تنبیہات اور وعیدیں دراصل حفاظتِ حدیث کی ہی اہم کوشش ہے جو آپ نے روایت کے سلسلہ میں فرمائی۔ آنحضرت ﷺ نے قطعی طور پر بتایا کہ جھوٹی روایت بیان کرنے والا جہنمی ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"من كذب على متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" (مسند احمد:١/١٦٥)

''جو شخص میرا نام لے کر قصداً جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔''

٢۔ ابوسعید خدری کہتے ہیں، حضور کریم ﷺ نے فرمایا:

"حدثوا عنى ولا حرج و من كذب على متعمداً فليتبوأ مقعده من النار"

''میری باتیں روایت کرو، اس میں حرج نہیں ہے مگر میری طرف جو جان بوجھ کر جھوٹی بات منسوب کرے گا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔'' (مسند احمد:٢/١٥٩)

٣۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

"اتقوا الحديث عنى إلا ما علمتم فمن كذب متعمداً فليتبوا مقعده من النار"[١٤]

''میری طرف سے اس وقت تک کوئی بات بیان نہ کرو۔ جب تک تمہیں یہ علم نہ ہو کہ میں نے وہ کہی ہے کیونکہ جو کوئی میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔''

اس حدیث کو عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس نے بھی بیان کیا ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سناؤں تو مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ آسمان سے گر جاؤں اس سے کہ میں آنحضرت ﷺ پر جھوٹ باندھوں۔ آپ کے الفاظ ہیں :

"إذا حدثتكم عن رسول الله ﷺ لان أخر من السماء أحب إلى من ان أكذب عليه"[١٥]

صحابہ کے لئے یہ وعید بڑی زبردست بات تھی۔ اسلام پر یقین رکھنا اور دوزخ سے نہ ڈرنا دو متضاد باتیں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے حکمتِ پیغمبرانہ کے تحت حدیث کی نشر واشاعت کی تلقین اور ان میں جھوٹ کی آمیزش سے احتراز کی سخت تاکید فرمائی۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضور ﷺ اپنی سنت کو ہر طرح سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے تاکہ آنے والی نسلیں اس سے استفادہ کرسکیں۔

② عظمتِ رسول ﷺ

صحابہ آنحضورؐ کو اللہ کا نبی اور سب سے عظیم انسان تصور کرتے تھے۔ اور اس بات پر وہ دل کی

گہرائیوں سے یقین رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک آپ کی تعلیمات، ارشادات اور حالات و واقعات کی حیثیت عام انسانی وقائع کی نہ تھی کہ وہ ان کو معمولی حافظے کے سپرد کردیتے۔ ان کے لئے تو آپ کی معیت میں گزرا ہوا ایک ایک لمحہ سب سے زیادہ قیمتی تھا اور اس کی یاد کو وہ اپنا سب سے قیمتی سرمایہ سمجھتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ابوبکرؓ میری ساری عمر کی نیکیاں لے کر غارِ ثور کی ایک رات کی نیکیاں مجھے دے دے۔

③ علم صحیح

حزم و احتیاط کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضور ﷺ نے جو علم صحابہ کو دیا تھا، وہ حقائق پر مبنی تھا۔ اس کا اعتراف صحابہ خود کرتے تھے۔ حضرت جعفر طیار نے نجاشی کے سامنے جو حقیقت واضح کی وہ اس کا بین ثبوت ہے کہ ہم اس سے پہلے جاہل اور گمراہ تھے، اب حضور ﷺ ہم کو پاکیزہ ترین اور صحیح علم دے رہے ہیں۔ انہوں نے ہم کو جینا سکھایا ہے۔ اسی لئے صحابہ پوری توجہ سے آپ کی ہر بات کو سنتے تھے، ہر فعل کو دیکھتے تھے کیونکہ عملی زندگی میں عملاً اسی کا نقش پیوست کرنا تھا اور اس کی رہنمائی میں کرنا تھا۔

④ ذمہ داری کا احساس

صحابہ کو یہ بھی احساس تھا اور وہ یہ ذمہ داری محسوس کرتے تھے کہ بعد میں آنے والوں کو حضور ﷺ کے حالات اور تعلیمات بالکل صحیح صورت میں پہنچائیں اور اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ کریں۔

حضور کی وعید کے بعد تو صحابہ اور محتاط ہوگئے تھے کہ اپنی طرف سے تغیر و تبدیلی کوئی معمولی جرم نہیں بلکہ وہ اسے عظیم خیانت تصور کرتے تھے۔ دین کو امانت سمجھ کر انہوں نے آگے منتقل کیا۔

⑤ اکابر صحابہ کی تلقین

حضور پاک ﷺ کی تلقین کے علاوہ اکابر صحابہؓ بھی عام صحابہؓ کو احادیث روایت کرنے میں احتیاط کی تلقین کرتے تھے، اس معاملے میں سہل انگاری برتنے سے شدت کے ساتھ روکتے تھے۔ بعض اوقات حضورؐ کا ارشاد سن کر شہادتیں طلب کرتے تھے اور اطمینان کے لئے امتحان بھی لیتے مثلاً ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کو حج کے موقع پر عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ایک حدیث پہنچی، دوسرے سال حضرت عائشہؓ نے حج کے موقع پر ہی یہی حدیث عبداللہ کو سنانے کے لئے کہا۔ دونوں مرتبہ حضرت عبداللہؓ کے بیان میں سرمو فرق نہ پایا گیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے میت کی دادی کو میراث ۱/۶ حصہ اس وقت دیا جب مغیرہ بن شعبہؓ اور محمد بن سلمہؓ نے شہادت دی۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے جب اِذن طلب کرنے کے بارے میں حضرت عمرؓ کو

حدیث سنائی تو آپ نے ان کو ڈانٹا اور کہا کہ اگر تم اس کی شہادت پیش نہ کر سکے تو میں تمہیں سزا دوں گا۔

⑥ ماحول کا اثر

حضور ﷺ کی تعلیمات سے اسلامی ریاست کی فضا ایسی بن گئی تھی کہ تمام صحابہ پر آپ ﷺ کے اسوۂ کی ایک گہری چھاپ نظر آتی تھی۔ روایات محض زبانی ہی نہ تھیں بلکہ اسوۂ حسنہ کے آثار ونقوش ہر طرف نظر آتے تھے۔ جس بنا پر حافظہ کی غلطی سے یا اپنے ذاتی خیالات وتعصّبات کی بنا پر کوئی نرالی بات پیش کرنا بھی محال تھا۔ صحابہ کے دور میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی کہ غلط طور پر آپ کی طرف کوئی چیز منسوب کی گئی ہو۔

⑦ تقویٰ اور خوفِ الٰہی

حضور ﷺ کی سیرت کی صحابہ کی انفرادی زندگیوں پر بڑی گہری چھاپ تھی۔ یہ سابقون الأولون کی جماعت تقویٰ کے اس مقام پر فائز تھی کہ حدیث کی روایت میں سہل انگاری کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تقویٰ اور خوفِ الٰہی کی بنیاد پر روایات جو ایک دوسرے کو منتقل ہوتی تھیں، ان میں سرمو فرق نہ پایا جاتا تھا۔

⑧ خوشنودیٔ رسول ﷺ

حفظِ حدیث اور اس کی تبلیغ حضور ﷺ کی رضا اور منشائے قلبی تھا۔ حضور ﷺ کی رضا اور خوشنودی حیاتِ صحابہ کا عظیم سرمایہ تھا۔ صحابہ خوب جانتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو راضی رکھنا حفظِ ایمان کے لئے ضروری ہے۔ ایک واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ ہجرت کے بعد ایک شخص نے ایک پرتکلف مکان بنایا اور اسے چونا گچ کردیا۔ حضور ﷺ کا اِدھر سے گزر ہوا تو فرمایا یہ کس کا مکان ہے؟ گویا آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا تو جب صحابی کو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے اس طرح فرمایا ہے تو اس نے اس مکان کو منہدم کردیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں آکر اس کی خبر دی۔

ثمامہ بن اثال جب مسلمان ہوا تو اس نے یمن جاکر اہل مکہ کا غلہ بند کردیا اور کہا کہ جب تک اِذن رسول ﷺ نہ ہوگا، غلہ بند رہے گا۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے از راہِ عنایت اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ کے تورات کی ورق گردانی پر جب ابوبکرؓ نے توجہ دلائی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"رضيت بالله ربا وبالإسلام دينا و بمحمد نبيًا"

''میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔''

صحابہؓ یہ سمجھتے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ خدا کے رسول کی رضا میں خدا کی رضا ہے۔ خوشنودی رسول ﷺ کے لئے حفظِ حدیث میں احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔

کیا مکتوبہ چیز ہی قابل اعتماد ہے......؟

یہ بات کہی جاتی ہے کہ چونکہ حدیث لکھی ہوئی نہ تھی، عہدِ رسالت میں صرف حافظہ کی مدد سے ہی اس کو محفوظ رکھا جاتا تھا یا حدیث عہدِ رسالت یا عہدِ خلافت میں لکھوائی نہیں گئی تھی، اس لئے حجت نہیں۔

سید مودودی نے اس کا جواب تفصیل سے دیا ہے، ہم ان کی کتاب سے اقتباس پیش کرتے ہیں:

''قرآن کو جس وجہ سے لکھوایا گیا تھا وہ یہ تھی کہ اس کے الفاظ و معانی دونوں ہی من جانب اللہ تھے۔ اس کے الفاظ کی ترتیب ہی نہیں اس کی آیتوں، سورتوں کی ترتیب بھی خدا کی جانب سے تھی۔ اس کے الفاظ کو دوسرے الفاظ سے بدلنا بھی جائز نہ تھا۔ وہ اس لئے نازل ہوا تھا کہ لوگ انہی الفاظ میں اسی ترتیب کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔ سنت کی نوعیت اس سے مختلف تھی۔ اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ کی طرح بذریعہ وحی نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ حضورﷺ نے اس کو اپنی زبان سے ادا کیا تھا۔ پھر اس کا بڑا حصہ ایسا تھا جسے حضورؐ کے ہم عصروں نے اپنے الفاظ میں بیان کیا تھا۔ مثلاً حضورﷺ کے اخلاق ایسے تھے، زندگی ایسی تھی، فلاں موقع پر حضورﷺ نے فلاں کام کیا، حضورﷺ کے اقوال، تقریریں نقل کرنے میں کوئی پابندی نہ تھی کہ انہیں سامعین لفظ بلفظ نقل کریں۔ بلکہ اہل زبان سامعین کے لئے یہ جائز تھا اور وہ اس پر قادر بھی تھے کہ آپ کی بات سن کر معنی و مفہوم بدلے بغیر اسے اپنے الفاظ میں بیان کردیں۔

حضور کے الفاظ کی تلاوت مقصود نہ تھی بلکہ اس تعلیم کی پیروی مقصود تھی جو آپ نے دی تھی۔ احادیث میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کی طرح یہ ترتیب محفوظ رکھنا بھی ضروری نہ تھا کہ فلاں حدیث پہلے ہو اور فلاں بعد میں، اس بنا پر احادیث کے معاملہ میں یہ کافی تھا کہ لوگ انہیں یاد رکھیں اور دیانت کے ساتھ انہیں لوگوں تک پہنچائیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ کسی چیز کے حجت ہونے کے لئے اس کا لکھا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اعتماد کی اصل بنیاد اس شخص یا اشخاص کا بھروسہ کے قابل ہونا ہے، جس کے ذریعہ بات دوسروں تک پہنچے خواہ مکتوب ہو یا غیر مکتوب۔ خود قرآن اللہ تعالیٰ نے آسمان سے لکھوا کر نہیں بھیجا بلکہ نبی کی زبان سے اس کو بندوں تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی پورا انحصار اس بات پر کیا کہ جو لوگ نبی کو سچ مانیں گے وہ نبی کے اعتماد پر قرآن کو بھی کلام الٰہی مان لیں گے۔

نبی کریمﷺ کی جتنی تبلیغ و اشاعت تھی، زبانی تھی۔ آپ کے صحابہؓ مختلف علاقوں میں جا کر تبلیغ کرتے۔ وہ قرآن کی سورتیں لکھی ہوئی نہ لے جاتے تھے۔ لکھی ہوئی آیات اور سورتیں تو اس تھیلے میں پڑی رہتی تھیں جس کے اندر آپ انہیں کاتبانِ وحی سے لکھوا کر ڈال دیا کرتے تھے۔ باقی ساری تبلیغ و اشاعت زبانی ہوتی تھی۔

ایمان لانے والے، صحابہ کے اعتماد پر تسلیم کرتے تھے کہ جو کچھ وہ سنا رہا ہے، وہ اللہ کا کلام ہے

یارسول اللہ ﷺ کا حکم۔ اور جو حکم وہ پہنچا رہا ہے وہ حضور ﷺ ہی کا حکم ہے۔

تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ لکھی ہوئی چیز خود کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتی جب تک زندہ انسانوں کی شہادت اس کی توثیق نہ کرے۔ محض لکھی ہوئی چیز اگر ہمیں ملے اور ہم لکھنے والے کا خط نہ پہچانتے ہوں یا لکھنے والا خود نہ بتائے۔ یہ اس کی تحریر ہے یا ایسے شواہد موجود نہ ہوں جو اس امر کی تصدیق کریں کہ یہ تحریر اسی شخص کی ہے جس کی طرف منسوب کی گئی ہے تو ہمارے لئے وہ تحریر یقینی کیا معنی، ظنی بھی نہیں ہوسکتی۔'' (۱۶)

اس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی چیز کا لکھا ہوا ہونا ہی حجت نہیں جب تک زندہ انسانوں کی شہادت موجود نہ ہو۔ قرآن حضور ﷺ کو تحریری صورت☆ میں نہ دیا گیا تھا۔ جبریل علیہ السلام زبانی ہی وحی لاتے تھے اور حضور ﷺ بھی زبانی ہی صحابہ کو بتاتے تھے۔ آج بھی قرآن اس لئے حجت نہیں کہ یہ لکھا ہوا ہمارے پاس موجود ہے بلکہ زندہ انسانوں کی شہادت ہے جو مسلسل اس کو سنتے اور آگے بعد میں آنے والوں تک اسے پہنچاتے چلے آرہے ہیں۔ اگر قرآن کے سلسلہ میں زندہ انسانوں کی شہادت حجت ہے تو سنتِ رسول ﷺ کے بارے میں حجت کیوں نہیں۔ ☆☆

حوالہ جات ....

۱) مجمع الزوائد جلد۱ صفحہ ۱۶۱ بحوالہ حفاظت حدیث از خالد علوی، ص ۱۱۱

۲) صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم الحدیث، ص ۳۹

۳) القرآن

۴) خالد علوی، حفاظت حدیث، ص ۵۹

۵) جامع بیان العلم، جلد۱ صفحہ ۹۸ بحوالہ حفاظت حدیث از خالد علوی، ص ۵۹

۶) بخاری، الجامع الصحیح۔ کتاب العلم

۷) ابوداؤد، کتاب العلم

۸) بخاری، الجامع الصحیح

۹) بخاری، جلد۳، ص ۴۵، حدیث نمبر ۱۰۴

۱۰) بخاری، کتاب العلم، جلد۱، ص ۲۲

۱۱) خالد علوی، حفاظت حدیث، ص ۱۲۰

۱۲) دارمی، مذاکرۃ العلم، جلد۱، ص ۱۵۰

۱۳) دارمی، مذاکرۃ العلم، جلد۱، ص ۱۵۰...... (۲) سید منت اللہ رحمانی: کتابتِ حدیث، ص ۳۰

۱۴) مشکوٰۃ کتاب العلم، جلد۱، ص ۷۹

۱۵) مسند احمد، جلد۲، ص ۴۵

۱۶) مودودی سید ابوالاعلیٰ، منصب رسالت نمبر، ص ۳۳۸

خطاب: حافظ عبدالرحمٰن مدنی

حفاظتِ حدیث کے مختلف ذرائع

منکرین حدیث کی طرف سے اکثر وبیشتر اس سوال کا اعادہ وتکرار کیا جاتا ہے کہ ''احادیث چونکہ آنحضرت ﷺ کے دور میں لکھی نہ گئی تھیں، اس لئے یہ قابل حجت نہیں۔ کیونکہ جب کوئی چیز ضبطِ کتابت میں آجائے تو وہ محفوظ ہوجاتی ہے جبکہ ضبطِ کتابت سے محروم رہنے والی چیز آہستہ آہستہ محو ہوکر اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے۔ لہٰذا احادیث کا باقاعدہ کوئی وجود نہیں اور دورِ حاضر میں جن کتابوں کو کتبِ احادیث سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ عجمی سازش کا نتیجہ ہیں'' زیر نظر مضمون میں اس اعتراض کا تسلی وتشفی بخش جواب دیتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی (سنت) کس طرح محفوظ ہوئی؟

﴿فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِ اهۡتَدَوۡا﴾ (البقرۃ:۱۳۷) ''اگر یہ (یہود ونصاریٰ) اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم (صحابہؓ) ایمان لائے ہو تو پھر یہ ہدایت پا جائیں گے۔''

صحابہ کرامؓ جب رسول کریم ﷺ کی زندگی کے شب وروز تابعین کے سامنے پیش کرتے تو چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کے بارے میں خبر دیتے تھے، اس لئے ایک طرف تو ان کی یہ خبر (حدیث) دین کے لئے بنیاد متصور ہوگی اور دوسری طرف صحابہ کرامؓ کی بیان کردہ خبر ہی ہمارے لئے حجت ہوگی کیونکہ اللہ کے رسولؐ کی ساری زندگی انہی صحابہ کرامؓ کے درمیان بسر ہوئی ہے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کا آنحضرت ﷺ کی زندگی کے بارے میں کوئی خبر دینا غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی کے دو پہلو ہیں: انفرادی اور اجتماعی۔ آپؐ کی زندگی کا اجتماعی پہلو صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر ہی واضح ہوسکتا ہے اور اسے آپؐ نے ''ما أنا علیه و أصحابی'' کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے رسولِ کریم ﷺ کے دور کا معاشرہ آپؐ کی اجتماعی زندگی کا تصور پیش کرتا ہے۔ اور جب رسولِ کریم ﷺ فوت ہوگئے تو فوری طور پر یہ معاشرہ اپنی حالت تبدیل نہیں کر بیٹھا۔ اگرچہ تھوڑے بہت اختلافات بھی رونما ہوئے مگر یہ ایک فطری عمل ہے۔ اس لئے مجموعی طور پر رسولِ کریم ﷺ کی زندگی کا عمومی اور اجتماعی پہلو آپؐ کی وفات کے بعد من وعن صحابہ کرامؓ میں موجود رہا۔

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین کے دور میں بھی تقریباً وہی حالات غالب رہے جو رسولِ کریم ﷺ کی زندگی میں تھے۔ پھر ان کے بعد تبع تابعین کے دور میں بھی یہی اجتماعی رنگ غالب تھا۔ اگر صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور تبع تابعین کے اَدوار کو تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سلسلہ ۲۲۰ھ تک چلتا رہا جب کہ یہ تبع تابعین کے دور کا تقریباً اختتام تھا اور تبع تابعین تک کے اَدوار ہی کو خیر القرون

(بہترین اَدوار) سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ جس طرح صحابہ کرامؓ زندگیاں گزارتے رہے، اسی طرح تابعین نے ان کی اتباع کی اور تابعین کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو دیکھتے ہوئے تبع تابعین نے اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھالنے کی پوری کوشش کی۔ حتیٰ کہ اگر کبھی کوئی خرابی، بدعملی یا کوتاہی نظر آتی تو فوراً ٹوک کر کہہ دیا جاتا کہ رسولِ اکرم ﷺ کا عمل تو اس طرح تھا۔ جیسا کہ ایک مرتبہ ابن مسعودؓ نے دیکھا کہ لوگ گٹھلیوں پر وِرد کررہے ہیں تو انہوں نے اس پر تعجب اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"ويحكم يا أمة محمد ما أسرع هلكتكم، هؤلاء صحابة نبيكم متوافرون وهذه ثيابه لم تبل وآنيته لم تكسر ...... أو مفتتحوا باب ضلالة" (مسند دارمی، کتاب العلم (المقدمة) باب فی كراهية أخذ الرأی، رقم ٢١٥)

''اے امتِ محمد! تم پر افسوس کہ تم کتنی جلدی ہلاکت کی طرف جارہے ہو حالانکہ ابھی تو تم میں صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور اللہ کے نبیؐ کے کپڑے بھی ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور نہ ہی آپؐ کے برتن ابھی ٹوٹے ہیں ...... کیا تم گمراہی کا دروازہ کھولنا چاہتے ہو؟''

گویا صحابہ کرامؓ نے رسولِ کریم ﷺ کی باتوں کا اتنا خیال رکھا کہ گٹھلیوں کے استعمال کو 'بدعت' کہہ کر اس سے روکا اور اس عمل کو ناپسند کیا۔ رسولِ کریم ﷺ کا معاشرہ تین نسلوں تک غالب رہا اور پھر اس معاشرے میں بہت سی تبدیلیاں اور بگاڑ دَر آئے۔ اس لئے تبع تابعین کے بعد والے دور یا معاشرے کو معیاری دور یا معیاری معاشرہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

حفاظتِ حدیث بذریعہ روایت و کتابت

رسولِ کریم ﷺ کی زندگی کے بیان و روایت کرنے کو 'حدیث' کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ، تابعین کو اور تابعین، تبع تابعین کو اللہ کے رسولؐ کی زندگی اور معمولات سے آگاہ کرنے کے لئے احادیث روایت کرتے رہے۔ اس دور میں لکھنے کا رواج اس قدر عام نہیں تھا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ لکھنے کی بجائے زبانی روایت اور حفظ کو ترجیح دیتے تھے اور یہ ایک تجرباتی بات ہے کہ انسان جس چیز کو زیادہ استعمال کرتا ہے، وہی چیز زیادہ قوی ہوجاتی ہے۔ اس طرح اس دور میں حافظہ انتہائی قوی ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود ایسی چیزیں جن کا تعلق حساب و کتاب اور شماریات سے ہوتا، بعض صحابہ اسے لکھ لیا کرتے۔ نیز وہ صحابہ جنہیں یہ خدشہ ہوتا کہ آنحضرت کی بتائی ہوئی حدیثیں ہمیں بھول نہ جائیں، وہ بھی احادیث لکھ کر انہیں محفوظ کرنے کی کوشش کرتے ......:

1. حضرت علیؓ کو لوگوں کے جھگڑوں کو حل کرنے میں زیادہ دلچسپی تھی، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ: "أقضاكم علي" (بخاری، کتاب التفسیر) ''علیؓ تم میں جھگڑوں کے فیصلے میں سب سے زیادہ ماہر ہیں'' ...... چونکہ قضا میں ان کی خصوصی دلچسپی تھی، اس لئے انہوں نے قصاص

ودیت وغیرہ کے حوالے سے بعض چیزیں لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر رکھی تھیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

''ابوجُحیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، البتہ ہمارے پاس یہ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے یا وہ فہم وفراست ہے جو مسلمان آدمی کو عطا کی جاتی ہے یا پھر یہ صحیفہ ہے۔ میں نے کہا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس میں دِیت اور قیدیوں کو چھڑانے کے مسائل ہیں اور اس میں یہ (حدیث) بھی (تحریر) ہے کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔''

(بخاری: کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، حدیث نمبر ۱۱۱)

❷ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کو اللہ کے رسولؐ کے فرمودات جمع کرنے کا بڑا شوق تھا اور وہ ہر وقت اسی کوشش میں رہتے کہ آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے جب بھی کوئی بات نکلے میں فوراً اسے ضبطِ تحریر میں لے آؤں۔ حتیٰ کہ لوگوں نے ان پر اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ اللہ کے رسولؐ کبھی غصے اور کبھی خوشی کی حالت میں ہوتے ہیں اور تم اللہ کے رسولؐ کی ہر بات لکھ لیتے ہو؟ عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں احادیث لکھنے سے رُک گیا اور میں نے رسولؐ اللہ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا:

"اکتب فوالذي نفسي بیده ما یخرج منه إلا حق" (احمد:۲/۱۶۲، ابوداود:۳۶۴۶)

''(ہر حال میں) لکھا کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میری زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا......''

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی لکھی ہوئی چیزیں محفوظ رہیں اور وہ آگے اولاد دَر اولاد منتقل ہوتی گئیں۔

❸ یاد رہے کہ ان چیزوں میں زیادہ نمایاں وہ احادیث تھیں جن کا تعلق زکوٰۃ وغیرہ سے تھا۔ عرب معاشرے میں زکوٰۃ کا زیادہ تر تعلق چوپایوں سے تھا، اس لئے کہ وہ لوگ زیادہ تر اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں پالتے تھے اور انہیں زکوٰۃ کے لئے ان کے اَعداد وشمار کو مدنظر رکھنا پڑتا تھا۔ اس سلسلے میں یہ حدیث بڑی معروف ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عاملوں کے لئے زکوٰۃ کے وہ احکامات تحریری طور پر روانہ کئے جو آنحضرت ﷺ نے طے کر دیئے تھے۔

[دیکھئے: بخاری: کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الابل، باب زکوٰۃ الغنم، باب العرض فی الزکوٰۃ]

حفاظتِ حدیث بذریعہ تعامل

اصحابِ صفہ کی یہ کوشش ہوتی کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کی روشنی میں دین حاصل کریں۔ اس وقت دینی تعلیم کے حصول کا کوئی باقاعدہ کتابی طریقہ مروّج نہیں تھا بلکہ صحابہ کرامؓ آنحضرت ﷺ کے افعال اور آپؐ کے فرمودات سے دین سیکھتے اور جو شخص جس قدر زیادہ آپؐ کی معیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا، وہ اسی قدر علم دین میں دوسروں کی بہ نسبت آگے ہوتا اور اس مقصد کے حصول کے لئے صحابہ کرامؓ نے آپس میں باریاں طے کر رکھی تھیں کہ ایک دن ایک صحابی اللہ کے رسولؐ کے پاس

آ کر دین سیکھتا اور اس کا کام کاج کوئی دوسرا صحابی سنبھالتا پھر دوسرے دن یہ صحابی کام کرتا اور دوسرے کو موقع دیتا کہ آج وہ اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں حاضری دے۔ [1]

آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی شریعت صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں عملی طور پر رَچ بس جانے کی وجہ سے محفوظ ہوتی چلی گئی۔ دوسرے الفاظ میں، آنحضرت ﷺ کی زندگی میں پائے جانے والے عمومی اعمال وافعال جب صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں منتقل ہوگئے تو گویا خود آنحضرت ﷺ کی زندگی عملی طور پر محفوظ ہوگئی اور اسے ہی 'تعامل' کہا جاتا ہے۔ یہی تعامل حضورؐ کی زندگی کو تسلسل کے ساتھ اگلے لوگوں میں نسل دَرنسل بڑھاتا رہا ہے۔ لیکن اس تعامل میں اگر کہیں کوئی غلطی، تبدیلی یا اختلاف پیدا ہوتا تو وہاں احادیث (روایات) ہی کو 'فیصلہ کن' بنایا جاتا اور احادیث کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جاتا کہ تعامل میں کون سی چیز احادیث کے مطابق ہے اور کون سی مخالف؟ گویا رسولِ کریم ﷺ کی زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے اصل اور بنیاد یہ تعامل ہی ہے لیکن اس تعامل میں بوقتِ اختلاف، روایات کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے گا۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رہے کہ تعامل کا یہ سلسلہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور تبع تابعین تک معیاری اور قابل اعتبار تسلیم کیا جاتا ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کہ "خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم" (بخاری:۳۶۵۱) ''لوگوں میں سے سب سے بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان کا جو میرے بعد ہیں، پھر اُن کا جو اُن کے بعد ہیں۔'' کے مطابق یہ معیاری معاشرہ تبع تابعین کے دور کے اَواخر یعنی تقریباً ۲۲۰ھ تک کا ہے۔ [2] پھر اس کے بعد کے تعامل کی وہ حیثیت نہیں جو اس (۲۲۰ھ) سے پہلے کے تعامل کی ہے۔ لیکن اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ خیرالقرون کا ہر تعامل حجت ہے بلکہ اس دور کا تعامل آنحضرت ﷺ کی زندگی کو مثبت طور پر پیش کرنے میں بڑا کردار رکھتا ہے۔ البتہ اگر کسی جگہ کوئی اختلاف یا تبدیلی نظر آئے تو وہاں فیصلہ کن حیثیت صحیح احادیث وروایات ہی کو حاصل ہوگی۔

یاد رہے کہ خیرالقرون کے تعامل کو تو ایک طرح سے بڑی اہمیت حاصل ہے مگر اس کے بعد چونکہ معاشرے معیاری نہ رہے، اس لئے بعد والے معاشروں کے تعامل کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لئے جن لوگوں نے خیرالقرون کے بعد والے معاشروں کے تعامل کو بھی حجت قرار دینے کی کوشش کی ہے وہ غلطی پر ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں نے بڑا عجیب فلسفہ پیش کیا ہے کہ جن چیزوں (مسائل) میں اختلاف نہیں، وہ تعامل میں شامل کردی ہیں مثلاً نماز کے رکوع، سجود، تشہد، قیام وغیرہ میں اختلاف نہیں، اس لئے کہہ دیا کہ یہ

---

① اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے حوالہ سے یہ روایت بڑی اہم ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

''میں اور میرے ایک انصاری پڑوسی نے اللہ کے رسولؐ کے پاس (علم دین حاصل کرنے) جانے کے لئے باری مقرر کرلی کہ ایک دن میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جایا کروں گا اور ایک دن وہ۔ جب میری باری ہوتی تو میں وحی سے متعلقہ معلومات لے کر آتا تو اپنے ساتھی کو ان سے آگاہ کرتا اور جب اس کی باری ہوتی تو وہ بھی اسی طرح اللہ کے رسولؐ کے پاس جاتا اور جو وحی نازل ہوتی اس سے مجھے آکر آگاہ کرتا۔'' (بخاری:۸۹) ...... مرتب

② حافظ ابن حجرؒ نے اس موقف کو اختیار کیا ہے۔ (فتح الباری:۷/۶)

چیزیں تعامل سے ثابت ہیں اور یہ تعامل آج تک باقی ہے اور جن چیزوں میں اختلاف ہے مثلاً رکوع جانے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا یا آمین جہری یا سری کہنا وغیرہ، ایسے مسائل کے بارے میں کہا کہ یہ تعامل سے ثابت نہیں، حالانکہ تعامل کے نام پر ایسی تقسیم خود ساختہ ہے۔

تعامل امت اور روایتِ سنت ساتھ ساتھ

اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے کہ جس طرح خیر القرون (۲۲۰ھ تک) کا تعامل ایک اہمیت وحیثیت رکھتا ہے، اسی طرح خیرالقرون کے ختم ہونے تک احادیث کی باقاعدہ اور بنیادی کتابیں بھی تقریباً مدوّن ہوچکی تھیں مثلاً دنیا میں اس وقت حدیث کی سب سے پہلی کتاب ہمام بن مُنبہ (معروف تابعی اور حضرت ابوہریرہؓ کے شاگردِ رشید) کا وہ صحیفہ ہے جو اس وقت چھپ چکا ہے۔ پہلے یہ مخطوطے کی شکل میں محفوظ تھا جسے ڈاکٹر حمیداللہؒ (پیرس) نے تگ و دَو کرکے شائع کروایا۔ اسی طرح امام مالکؒ جن کی تاریخ پیدائش ۹۵ھ (یا ۹۷ھ) اور تاریخ وفات ۱۷۹ھ ہے، ان کی حدیث کی معروف کتاب الموطأ آج بھی موجود اور معروف ہے اور یہ کتاب بھی خیرالقرون کے اختتام سے پہلے باقاعدہ کتابی شکل میں منظر عام پر آ گئی تھی۔ اسی طرح امام بخاری کی تاریخ پیدائش بھی ۲۲۰ھ سے پہلے کی ہے۔③

اس طرح خیرالقرآن کے تعامل کے ساتھ ساتھ روایات کا کتابی صورت میں مدوّن ہوکر سامنے آنا نعم البدل قرار پاتا ہے۔ یعنی خیرالقرون کے بعد معاشرے غیر معیاری ہوتے چلے گئے لیکن تب تک کتابی صورت میں اللہ کے رسولؐ کی زندگی ایک متبادل کے طور پر محفوظ ہوکر سامنے آ چکی تھی اور پھر ان روایات کو باقاعدہ اسناد کے ساتھ جمع کیا گیا۔ اگرچہ اسناد کا یہ سلسلہ چھٹی اور ساتویں ہجری تک بھی چلتا رہا لیکن تیسری صدی ہجری میں مدوّن ہونے والی کتبِ احادیث ہی زیادہ تر مراجع ومصادر کی حیثیت اختیار کرگئیں۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ان کتابوں کے مؤلفین (محدثین) نے احادیث کو باسند روایت کیا ہے اور بعض محدثین نے اپنی کتابوں میں احادیث کی صحت کا خاص اہتمام بھی کیا ہے جبکہ دیگر محدثین نے مطلق طور پر روایات کو اسناد کے ساتھ پیش کردیا تاکہ بعد میں بھی اگر کوئی شخص کسی روایت کی تحقیق کرنا چاہے تو وہ اس روایت میں مذکور راویوں کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اُصولِ حدیث کی مدد سے بآسانی یہ تحقیق کرلے گا کہ کون سی روایت صحیح ہے اور کون سی ضعیف......؟

③ اسی طرح عبدالرزاق بن ہمام صنعانیؒ جن کی احادیث وآثار پر مشتمل ایک جامع کتاب مصنف عبدالرزاق کے نام سے معروف ہے، یہ بھی ۱۲۶ھ تا ۲۱۱ھ یعنی خیرالقرون کے دور کے محدث ہیں۔ اسی طرح ابوبکر بن ابی شیبہ کی مصنف بھی اسی دور میں لکھی جاچکی تھی۔ کیونکہ ابن ابی شیبہ کی تاریخ وفات ۲۳۵ھ ہے۔ اسی طرح امام شافعی (۱۵۰ھ تا ۲۰۴ھ) کی حدیث کی کتاب بھی اس وقت لکھی جاچکی تھی اور آج بھی مذکورہ بالا تینوں کتابیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی محدثین نے احادیث کی کتابیں اس دور میں تیار کرلی تھیں جن میں سے چند ایک آج بھی کتب خانوں میں موجود ہیں۔ (مرتب)

احادیث کے حجت ہونے کیلئے کتابت کی شرط کی حیثیت

منکرین حدیث کے اس اعتراض کا جواب تقریباً واضح ہو چکا ہے لیکن اس اعتراض کی قلعی کھولنے کیلئے ایک جدید مثال پیش خدمت ہے، جس سے یہ واضح ہوگا کہ کسی چیز کے معیار و حجت اور آئین و دستور ہونے کیلئے 'کتابت' (یعنی اس چیز کا پہلے سے لکھا ہونا) کوئی ضروری نہیں...... برطانوی معاشرے کا اصل دستور وہ رسوم و روایات ہیں جو ان کے ہاں شروع سے چلی آتی ہیں اور یہ رسوم و روایات باقاعدہ تحریری شکل میں موجود نہیں بلکہ برطانوی معاشرے کا تعامل ہی اس دستور کا محافظ ہے۔ اگر کہیں ان کے ہاں لوگوں میں کسی چیز میں اختلاف پیدا ہوجائے تو اس کا فیصلہ کرنے کیلئے ان کی عدالتیں یہ دیکھتی ہیں کہ اس قضیہ میں برطانوی معاشرے کا رواج کیا کہتا ہے اور پھر اسی رواج کے مطابق عدالت فیصلہ کرتی ہے۔

یاد رہے کہ ہر معاشرہ اپنے معاملات میں اپنا ایک خاص معیار رکھتا ہے اور اس معاشرے کے لوگ اس معیار کو فطری طور پر قائم رکھتے ہیں لیکن جب کسی معاشرے میں بیرونی پیوند کاری یا دوسری قوموں اور علاقوں کے لوگوں کا اختلاط و امتزاج بڑھ جاتا ہے تو پھر وہ معاشرہ اپنے معاملات کے لحاظ سے معیاری نہیں رہتا کیونکہ دوسری قوموں کی عادات و اطوار بھی اس میں شامل ہونے لگتے ہیں اور ایسی صورت میں ان کے لئے اپنے معاشرے کو معیاری رکھنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ اسی طرح برطانیہ میں جب باہر کے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد آ کر آباد ہوگئی تو ان کے لئے معاشرتی رسوم و روایات کے معیار کو برقرار رکھنا مشکل ہوگیا اور اس مشکل کو حل کرنے کے لئے اب انہوں نے آہستہ آہستہ اپنا دستور تحریری طور پر مرتب کرنا شروع کردیا ہے لیکن اس کے باوجود ابھی تک برطانیہ کا بنیادی دستور غیر تحریری شکل میں ہے۔ اس غیر تحریری دستور کے حوالہ سے کبھی کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ چونکہ یہ تحریر شدہ نہیں، لہٰذا قابل قبول نہیں۔ بلکہ غیر تحریری ہونے کے باوجود اسے دستور کی حیثیت حاصل رہی ہے!!

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر بالفرض آنحضرت ﷺ یا صحابہ کے دور میں احادیث تحریر شدہ نہ تھیں تو اس کے باوجود وہ حجت و معتبر تھیں کیونکہ عملی طور پر وہ مسلمان معاشرے کا حصہ بن چکی تھیں اور یہ بات بھی یاد رہے کہ فی الواقع شروع شروع میں آنحضرت ﷺ کی مکمل زندگی تحریری صورت میں نہیں ملتی لیکن اللہ کے رسولؐ کی زندگی (سنت) کے جن حصوں (احکامات) کے ضائع ہونے کا خدشہ تھا، وہ فوری طور پر حضورؐ کی موجودگی میں لکھ لی گئی تھیں اور پھر تبع تابعین کے دور کے اختتام تک اسے خیر القرون کے معاشرتی تعامل سے تحریری شکل میں بھی مدوّن کر کے محفوظ کرلیا گیا۔ [4]

[مرتب: حافظ مبشر حسین لاہوری]

[4] علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ صرف وہی چیز حجت و معتبر ہوتی ہے جو لکھی ہوئی ہو تو پھر بذاتِ خود قرآنِ مجید بھی اس شرط پر پورا نہیں اترے گا۔ اس لئے کہ قرآن مجید غیر مکتوب شکل میں وقفہ دَر وقفہ تیئیس ۲۳ رسالوں میں اللہ کے رسولؐ کے دِل پر نازل ہوتا رہا اور آپؐ اسے پڑھتے تو صحابہ کرامؓ آپؐ سے سن کر اسے یاد کرلیتے۔ لہٰذا قرآنِ مجید کی موجودہ کتابی صورت آنحضرت ﷺ کے دور میں ہرگز ایسی نہ تھی بلکہ اسے آپؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلے ابوبکرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ نے کتابی صورت میں جمع کیا۔ (مرتب)

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری
مؤلفِ 'الرحیق المختوم'

فتنۂ انکارِ حدیث

انکارِ حدیث ...... حق یا باطل؟

[ایک منکرِ حدیث کے شبہات کے جوابات]

کیا قرآن میں سب کچھ ہے اور حدیث کی ضرورت نہیں؟

انکارِ حدیث کے لئے سب سے اہم اور بنیادی نکتہ یہ تلاش کیا گیا ہے کہ قرآنِ مجید میں ہر مسئلہ کی تفصیل بیان کردی گئی ہے، اس لئے حدیث کی ضرورت نہیں۔اس کے ثبوت میں قرآن مجید کے متعلق تبیانا لکل شیئ اور تفصیلا لکل شیئ والی آیات پیش کی جاتی ہیں۔جن کا مطلب توڑ مروڑ کر اور غلط ملط بیان کرکے یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ قرآن میں ہر مسئلہ کی تفصیل موجود ہے۔

① منکرین حدیث اب ہمارا سوال سنیں؛ قرآن میں مردہ، خون، سوٴر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام قرار دیا گیا ہے اور بهيمة الأنعام حلال کیا گیا ہے۔ بهيمة الأنعام کی تفسیر قرآن میں ان جانوروں سے کی گئی ہے: اونٹنی، اونٹ، گائے، بیل، بکری، بکرا، بھیڑ اور مینڈھا۔لغت میں بھی بهيمة الأنعام کی فہرست میں یہی جانور بتائے گئے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان کے علاوہ دنیا کے بقیہ جانور حلال ہیں یا حرام؟ مثلاً کتا، بلی، گیڈر، بھیڑیا، چیتا، شیر، تیندوا، بندر، ریچھ، ہرن، چیتل، سانبھر، بارہ سنگھا، بھینسا، خرگوش، کوا، چیل، باز، شکرہ، کبوتر، مینا، فاختہ وغیرہ وغیرہ؛ یہ سارے جانور حلال ہیں یا حرام؟ یا ان میں سے کچھ حلال ہیں اور کچھ حرام؟ آپ جو جواب بھی دیں، اس کا ثبوت قرآن سے پیش کریں۔آپ کی عقلی تک بندیاں نہیں مانی جائیں گی، یعنی آپ چونکہ دعویدار ہیں کہ ہر مسئلہ قرآن میں موجود ہے اس لئے ان جانوروں میں سے جس کو حلال مانیں، اس کے حلال ہونے کا ثبوت قرآن سے دیں اور جس کو حرام مانیں، اس کے حرام ہونے کا ثبوت قرآن سے دیں اور اگر آپ قرآن سے نہ دے سکیں (اور یقیناً نہیں دے سکیں گے) تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن میں ہر مسئلہ بیان نہیں کیا گیا ہے اور حدیث کی ضرورت ہے۔کیونکہ ان جانوروں کے حلال وحرام ہونے کا قاعدہ حدیث میں بیان کردیا گیا ہے جس سے فوراً معلوم ہوجاتا ہے کہ کون سا جانور حلال ہے اور کون سا حرام......!

② دوسرا سوال یہ ہے کہ قرآن میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز کی حالت میں کھڑے ہونے، رکوع کرنے اور سجدہ کرنے کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نماز میں پہلے کھڑے ہوں یا پہلے رکوع کریں یا پہلے سجدہ کریں؟ پھر کھڑے ہوں تو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں یا لٹکا کر؟ ایک پاؤں پر کھڑے ہوں یا دونوں پر؟

لغت میں 'رکوع' کا معنی ہے جھکنا، سوال یہ ہے کہ آگے جھکیں، یا دائیں جھکیں یا بائیں جھکیں؟ پھر جھکنے کی مقدار کیا ہو؟ ذرا سا سر نیچا کریں یا کمر کے برابر نیچا کریں یا اس سے بھی زیادہ نیچا کریں؟ پھر رکوع کی حالت میں ہاتھ کہاں ہوں؟ گھٹنوں پر ٹیکیں؟ یا دونوں رانوں کے بیچ میں رکھ کر بازوؤں کو ران پر ٹیکیں؟ یا ڈنڈے کی طرح لٹکنے دیں؟

اسی طرح سجدہ کیسے کریں؟ یعنی زمین پر سر کا کون سا حصہ ٹیکیں، پیشانی کا ٹھیک پچھلا حصہ یا دایاں کنارہ یا بایاں کنارہ؟ سجدہ کی حالت میں ہاتھ کہاں رکھیں؟ رانوں میں گھسا لیں؟ یا زمین پر ٹیکیں؟ اور اگر زمین پر ٹیکیں تو صرف ہتھیلی زمین پر ٹیکیں یا پوری کہنی زمین پر ٹیکیں؟ سجدہ ایک کریں یا دو کریں؟ ان سوالات کا آپ جو بھی جواب دیں، اس کا ثبوت قرآن سے دیں۔ ان مسائل کے بارے میں آپ کی عقلی تک بندیاں نہیں مانی جائیں گی اور اگر قرآن سے ان سوالات کا جواب نہ دے سکیں (اور یقیناً نہیں دے سکتے) تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن کے حکم پر بھی عمل نہیں ہوسکتا۔

③ تیسرا سوال یہ ہے کہ قرآن میں زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نہ دینے والوں کو سخت عذاب کی دھمکی بھی دی گئی ہے۔ جس جس قسم کے لوگوں پر زکوٰۃ خرچ کرنی ہے، انہیں بھی بتا دیا گیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ کب کب وصول کی جائے؟ یعنی زکوٰۃ روز روز دی جائے؟ یا سال بھر میں ایک مرتبہ دی جائے؟ یا پانچ سال یا دس سال یا بیس سال میں ایک مرتبہ دی جائے؟ یا عمر بھر میں ایک مرتبہ دی جائے؟ پھر یہ زکوٰۃ کس حساب سے دی جائے اور کتنی کتنی دی جائے؟ یعنی غلہ کتنا ہو تو اس میں زکوٰۃ دی جائے؟ اور کتنے غلہ پر کتنی زکوٰۃ دی جائے؟ سونا چاندی کتنی ہو تو زکوٰۃ دی جائے؟ اور کس حساب سے دی جائے؟

یہ سارے مسئلے قرآن سے ثابت کیجئے۔ اگر آپ قرآن میں یہ مسائل نہ دکھلا سکیں (اور ہرگز نہیں دکھلا سکتے) تو ثابت ہوگا کہ حدیث کو مانے بغیر قرآن کے حکم پر بھی عمل ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان سارے مسائل کا بیان حدیث ہی میں آیا ہے۔

④ چوتھا سوال: قرآن میں حکم ہے کہ مسلمان جنگ میں کفار کا جو مالِ غنیمت حاصل کریں، اس کے

پانچ حصے کر کے ایک حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے نام پر الگ نکال دیا جائے جو یتیموں ،مسکینوں اور حاجت مندوں وغیرہ میں بانٹ دیا جائے۔سوال یہ ہے کہ باقی چار حصے کیا کئے جائیں؟ تمام مجاہدین پر برابر برابر بانٹ دیئے جائیں یا فرق کیا جائے؟ کیونکہ بعض لوگ اپنا ہتھیار، گھوڑا، تیر، کمان، نیزہ، بھالا، زرہ، خود، سواری کا جانور اور کھانے کا سامان خود لے کر جاتے تھے اور بعض کو اسلامی حکومت کی طرف سے یہ سامان فراہم کیا جاتا تھا۔

اسی طرح بعض لوگ بڑی بہادری اور بے جگری سے لڑتے تھے، بعض دبکے رہتے تھے، کچھ اگلی صف میں رہتے تھے، جن پر براہِ راست دشمن کا وار ہوتا تھا۔ کچھ پیچھے رہتے تھے جو خطرہ سے دور رہتے تھے۔ اب اگر ان سب کو برابر دیں تو کیوں دیں؟ اور اس کا ثبوت قرآن میں کہاں ہے؟ اور اگر فرق کریں تو کس حساب سے فرق کریں؟ قرآن سے اس کا حساب بتایئے۔ اور اگر کمانڈر کی رائے پر چھوڑ دیں تو قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ کمانڈر کی رائے پر چھوڑ دیں؟ اس کی دلیل دیجئے۔ اگر قرآن میں ان مسئلوں کا کوئی حل نہیں ہے تو کیسے کہا جاتا ہے کہ قرآن میں سارے مسئلے بیان کردیئے گئے ہیں......!!

⑤ پانچواں سوال: قرآن میں حکم ہے کہ چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو۔ اب سوال یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کاٹیں یا ایک ہاتھ؟ اور اگر ایک ہاتھ کاٹیں تو داہنا کاٹیں یا بایاں؟ پھر اسے کاٹیں تو کہاں سے کاٹیں؟ بغل سے یا کہنی سے یا کلائی سے؟ یا ان کے بیچ میں کسی جگہ سے؟ آپ جو جواب بھی دیں، اس کا ثبوت قرآن سے دیں اور اگر قرآن سے اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے تو کیسے کہتے ہیں کہ قرآن میں ہر مسئلہ بیان کردیا گیا ہے۔

⑥ چھٹا سوال: قرآن میں یہ ارشاد ہے کہ جب جمعہ کی نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ سوال یہ ہے کہ جمعہ کے دن کب پکارا جائے؟ کس نماز کے لئے پکارا جائے؟ کن الفاظ کے ساتھ پکارا جائے؟ جس نماز کے لئے پکارا جائے، وہ نماز کیسے پڑھی جائے؟ ان ساری باتوں کا ثبوت قرآن سے دیجئے۔ ورنہ تسلیم کیجئے کہ قرآن میں ہر مسئلہ بیان نہیں کیا گیا ہے۔

صاف بات یہ ہے کہ قرآن میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جو باتیں ہم نے پوچھی ہیں، ان باتوں میں اور اسی طرح زندگی کے بہت سارے مسئلے میں تنہا قرآن سے کسی طرح بھی معلوم نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کیا تھا۔ یہ طریقہ صرف حدیث سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اس لئے جب تک حدیث کو نہ مانیں، خود قرآن پر بھی عمل نہیں کرسکتے۔ فی الحال یہی سوال پیش کر کے ہم آگے بڑھتے ہیں۔

انکارِ حدیث کے اُصولی دلائل

اس ایک اصولی دلیل کا حال جان لینے کے بعد آیئے اب مدھوپوری محقق صاحب☆ کی زبانی چند اور اُصولی دلیلیں سنئے۔اس کے بعد ہمارا جواب ملاحظہ فرمایئے۔موصوف نے خود ہی سوال قائم کیا ہے اور خود ہی جواب بھی دیا ہے۔لکھتے ہیں:

''سوال: دین میں مصطلح 'حدیث' کا کیا مقام ہے؟ جواب: کچھ نہیں، کیونکہ......

(ا) دین حق ہے اور اس کی بنا علم ویقین پر ہے۔جس کی شہادت خود اللہ اور اس کے سچے فرشتے دیتے ہیں: ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَالْمَلاَئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ (النساء:١٦٦)

(ب) دین عملاً محمد رسول اللہ ﷺ والذین معه کے ذریعہ بطریق احسن مکمل ہوچکا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ:٣)

(ج) دین لوحِ قرآن پر لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً بدرجہ اکمل محفوظ ہوگیا ہے:

﴿بَلْ هُوَ قُرآنٌ مَّجِيْدٌ فِىْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ (البروج:٢١،٢٢)

برعکس اس کے ہماری حدیثیں سب کی سب یکسر ظنی، غیر یقینی اور روایت بالمعنی ہیں۔دین سے اس کا کیا تعلق؟: ﴿إِنَّ الظَّنَّ لاَ يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (النجم:٢٨) یعنی حق کے مقابلے میں 'ظن' کا کوئی مقام نہیں ہے: ﴿إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَ هُمْ مِنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾ (النجم:٢٣) یعنی ''یہ لوگ محض 'ظن' کے پیچھے دوڑتے ہیں، دراصل وہ اپنی من مانی کرتے ہیں۔حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کو ہدایت پہنچ چکی ہے۔'' اور ایک مقام پر تو خاص کر مؤمنوں کو خطاب کرکے زیادہ ظن وگمان سے کوسوں دور رہنے کا حکم صادر کردیا گیا ہے۔بلکہ یہاں تک متنبہ کردیا گیا ہے کہ بعض قیاس آرائیاں 'صریح' گناہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ (الحجرات:١٢)&

وفاتِ نبویؐ کے سینکڑوں سال بعد بعض ایرانیوں نے ادھر ادھر کی محض سنی سنائی اَٹکل پچو باتوں (جنہیں اقوالِ رسولؐ واصحابِ رسول سے منسوب کیا جاتا تھا) کا ذخیرہ جمع کرکے انہیں متفرق ومتضاد روایتوں کو 'صحیح حدیث' کا نام دے دیا اور بعد والوں نے بعض دینی اور سیاسی مصالح کی بنا پر اس کو (بزعم خویش) جزوِ دین سمجھ لیا، اور اس طرح تفقہ فی الدین اور تدبر فی القرآن کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلیا۔اس سے قبل یہی روایتیں جب تک زید، عمرو وبکر کی زبانوں پر بے روک ٹوک گشت کرتی رہیں، ان کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی، لیکن قیدِ کتابت میں آنے اور ان پر 'صحیح' کا لیبل

☆ مدھوپور، بہار، ہندوستان کے ایک نام نہاد محقق، جنہوں نے مقالہ نگار کو احادیث پر اعتراضات پر مبنی خطوط ارسال کئے۔

& ظن کے نام پر مغالطے کی وضاحت کے لئے پڑھیں: 'حدیث کے ظنی ہونے کا مفہوم' محدث، اگست ۲۰۰۱ء صفحہ ۱۱ تا ۲۲

چپکانے کے بعد انہیں 'فلاں نے فلاں سے کہا' اور 'فلاں نے فلاں سے سنا' ......
روایتوں کو بدقسمتی سے دین کی اصل واساس سمجھ لیا گیا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ مجموعہ ہائے روایات زیادہ سے زیادہ ایک طرح کے نیم تاریخی مواد کی حیثیت رکھتے ہیں اور بس۔ نیم تاریخی ہم نے اس لئے کہا کہ اولاً یہ فنِ تاریخ کے معیار پر پورے نہیں اُترتے، اور دوسرے یہ کہ ان کتب احادیث کی اکثر روایات قصہ گویوں، واعظوں اور داستان سراؤں کی خود ساختہ روایات اور من گھڑت کہانیاں ہیں۔ نیز ان جھوٹی روایات اور فرضی واقعات کا عوام میں خوب خوب پرچار کرنے کے ذمہ دار بھی یہی وعاظ وقصاص کا گروہ رہا ہے۔

ہماری 'حدیث' کا ایک دوسرا تاریک پہلو بھی ہے جو پہلے سے زیادہ افسوس ناک ہے۔ اور جسے 'اسلامی تاریخ' کا 'المیہ' کہنا چاہئے۔ مثلاً حدیث کے مجموعوں میں ایسی روایتیں بھی بکثرت ملتی ہیں جو الزام تراشی، دروغ بافی اور فحش نگاری کا مرقع ہیں۔ اس پر ستم ظریفی یہ کہ ان مخرب اخلاق اور حیا سوز 'حدیثوں' کو منسوب کیا جاتا ہے قرآن کی برگزیدہ شخصیتوں کی طرف (جیسے خود آنحضرت ﷺ، آپ کی ازواجِ مطہراتؓ، خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہؓ اور اصحابِ رسول علی الخصوص حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ)۔ یا پھر سب وشتم کے تیر چلائے جاتے ہیں تو اگلی آسمانی کتابوں کی مثالی ہستیوں پر جیسے حضرت ابراہیمؑ، یوسفؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، اور مریمؑ وغیرہم۔ غرض صحفِ اولیٰ کی منتخب شخصیتیں ہوں یا صحیفہ آخر کی پسندیدہ ہستیاں، کسی کی بھی عزت وآبرو راویانِ حدیث کی مشقِ ستم کا نشانہ بننے سے نہ بچ سکی: ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ (المرسلات:١٩)

واضح رہے کہ یہ روایتیں مسیلمہ کذاب یا ملا معین واعظ کاشفی جیسے مشہور دروغ گویوں کی نہیں ہیں بلکہ عام مسلمانوں کے 'مایہ ناز' اور 'فخر روزگار' اماموں کے 'ثقہ' راویوں کی ہیں جو آج تقریباً ہزار سال سے ان کتابوں کی زینت بنی ہوئی ہیں جو 'اصح الکتب بعد کتاب اللہ' اور 'مثلہ معہ' سمجھی جاتی رہی ہیں...... وائے گر درپس امروز بود فردائے!''

ان 'تحقیقاتِ عالیہ' اور 'فرموداتِ طیبہ' کے بعد مدھو پوری 'محقق' صاحب ایک 'ٹھوس حقیقت' کا عنوان لگا کر مزید ارشاد فرماتے ہیں:

''ہم مکلّف ہیں ایمان لانے کے اللہ اور اس کے رسولؐ پر۔ اور اللہ و رسولؐ پر ایمان لانے کے معنی ہیں اللہ کو حق جاننا اور محمدؐ (رسول اللہ) پر نازل شدہ کتاب (قرآن) کو ماننا۔ بخلاف اس کے محض سنی سنائی باتیں جو صدہا سال تک ہر کہ ومہ کی زبان پر بے روک ٹوک گشت کرتی رہی ہوں اور بالآخر انہیں محدثین نے بالکل غیر ذمہ دارانہ ذرائع سے معلوم کرکے اپنے بیاض میں نقل کیا ہو، ایسی غیر مستند اور غیر یقینی روایتوں کو اس صادق ومصدوق کی طرف منسوب کرکے انہیں 'سنت' کا نام دینا اور ان پر ایمان لانے کے لئے مسلمانوں کو مجبور کرنا سراسر بے انصافی اور انتہائی زیادتی ہے۔

مروّجہ انجیل کا نسخہ جسے خود حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے قلم بند کیا تھا (جو سفر وحضر ہر حال میں

آپؐ کے رفیق وہم جلیس رہ چکے تھے) اگر محض اس لئے قابل اعتنا نہیں سمجھا جاسکتا کہ یہ کام حضرت مسیح کی موجودگی میں نہیں بلکہ واقعہ رفع کے چالیس سال بعد انجام پایا تھا تو یہ روایتیں جنہیں نہ خود حضورؐ نے قلمبند کروایا نہ ہی آپ کے اصحاب میں سے کسی نے اس کی ضرورت سمجھی۔ بلکہ حضور کے سینکڑوں سال بعد بعض عجمیوں نے زید، عمرو وبکر سے پوچھ پوچھ کر لکھ لیا ہو، انہیں منزل من اللہ ماننے اور جزوِ دین قرار دینے کے لئے وجہ جواز کیا ہوسکتی ہے؟ اور یہ تدوین وترتیب کے دوران تقویٰ وطہارت کا اہتمام یعنی ایک ایک روایت کو قلم بند کرنے سے پہلے تازہ غسل و وضواور دو رکعت نفل ادا کرنے کا شاخسانہ نفسیاتی اعتبار سے ذہنوں میں روایتوں کی تقدیس وتکریم کا جذبہ خواہ کتنا ہی پیدا کرے لیکن نفس روایات کا جہاں تک تعلق ہے، یہ حقیقت ہے کہ اگر انہیں آبِ زمزم سے بھی غسل و وضو کر کے لکھا گیا ہوتا تو بھی اس عمل سے ان کی صحت وسقم میں کوئی فرق نہیں آتا۔''

قرآن اللہ کا کلام ہے، اس کا یقین کرنے کے لئے ہمیں رسولؐ کی رسالت پر ایمان لانا ہوگا، بغیر آپ پر ایمان لائے قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ہمارا ایمان لانا کسی درجہ میں معتبر نہ ہوگا۔ بعینہٖ اسی طرح روایتوں کو حدیثِ رسولؐ ماننے کے لئے ایک ایک روایت کے راوی پر ایمان لانا ہمارے لئے ناگزیر ہوگا بلکہ ہر روایت کے ہر سلسلہ اسناد میں جتنے راوی ہوں گے ہر ایک پر بلا استثنا ایمان لانا ہوگا۔ کیا ہمیں اللہ و رسولؐ کی طرف سے اِن اَن گنت اصحابِ اسماء الرجال پر ایمان لانے کی تکلیف دی گئی ہے۔ انا للہ ...''

جواب

مدھوپوری 'محقق' صاحب کا 'سرمایۂ تحقیقات' ختم ہوا۔ اب آیئے اس پر ہمارا تبصرہ اور جائزہ ملاحظہ فرمایئے۔ ہم نے اس کے جواب میں انہیں لکھا تھا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ دین میں حدیث کا کوئی مقام نہیں اور اس دعویٰ کی آپ نے اپنے خیال میں دو دلیلیں لکھی ہیں۔ دوسری دلیل پر تو ہم آگے گفتگو کریں گے۔ پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کی بنا علم ویقین پر ہے، احادیث ظنی ہیں۔ اس ضمن میں آپ نے وہ آیات نقل کی ہیں جن میں ظن کی مذمت کی گئی ہے۔ اور ظن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ کی یہ حرکت دیکھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ حضرات نہ تو قرآن کو مانتے ہیں اور نہ اس کو سمجھنے کا سلیقہ ہی رکھتے ہیں!!

شریعت میں ظنّ اور ظنّیات کی حیثیت

جنابِ عالی! قرآنِ مجید میں صرف ظن کی مذمت ہی نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ اسے اختیار کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے اور اسے مدارِ نجات بھی قرار دیا گیا ہے۔ سنئے، فرمایا گیا ہے:

﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوْا هٰذَا إِفْكٌ

مُّبِيۡنٌ﴾ (النور:۱۲)

''جب تم لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر الزام کے واقعہ کو سنا تو مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں نے اپنے نفسوں کے ساتھ اچھا ظن کیوں نہ قائم کیا؟ اور کیوں نہ کہا کہ یہ کھلی ہوئی جھوٹی تہمت ہے۔''

غور فرمائیے! اس میں صرف 'ظن' کو اختیار ہی کرنے کا مطالبہ نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد پر ایک معاملہ کے بارے میں فیصلہ کن رائے قائم کرنے کا بھی مطالبہ ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا:

﴿وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيۡرَةٌ اِلَّا عَلَى الۡخٰشِعِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ وَاَنَّهُمۡ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ﴾ (البقرۃ:۴۵،۴۶)

''صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو اور بے شک یہ بھاری ہے مگر ان ڈرنے والوں پر جو یہ 'ظن' رکھتے ہیں کہ انہیں اپنے ربّ سے ملنا ہے اور یہ کہ وہ اسی کی طرف پلٹ کر جائیں گے۔''

گویا قیامت کے وقوع اور اللہ سے ملاقات کا 'ظن' رکھنا ایمان کی علامت ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿اَلَا يَظُنُّ أُولٰٓئِكَ أَنَّهُمۡ مَبۡعُوۡثُوۡنَ، لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ﴾ (المطفّفین:۴،۵)

''کیا وہ لوگ ظن نہیں رکھتے کہ وہ ایک بڑے دن کے لئے اٹھائے جائیں گے؟''

گویا بعث کا ظن نہ رکھنا عدمِ ایمان کی علامت ہے اور ڈنڈی مارنے جیسی برائیوں کا سبب ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ فَيَقُوۡلُ هَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا كِتٰبِيَهۡ اِنِّىۡ ظَنَنۡتُ اَنِّىۡ مُلٰقٍ حِسَابِيَهۡ ......الخ﴾ (الحاقہ:۱۹ تا ۲۲)

''قیامت کے دن جس شخص کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی، وہ کہے گا: آؤ میری کتاب پڑھو۔ میں ظن رکھتا تھا کہ میں اپنے حساب سے ملوں گا۔ پھر وہ پسندیدہ زندگی یعنی بلند وبالا جنت میں ہوگا۔''

لیجئے جناب! یہاں ایک 'ظنی' عقیدے پر جنت مل رہی ہے اور آپ ظن اور ظنیات کو جہنم میں دھکیلنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ظن کی بنیاد پر توبہ و استغفار کیا تو ان کے اس عمل کو مدح وتعریف کے سیاق میں ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسۡتَغۡفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّأَنَابَ﴾ (صٓ:۲۴)

''داؤد نے یہ ظن کیا کہ ہم نے اسے آزمائش میں ڈال دیا ہے پس انہوں نے اپنے ربّ سے مغفرت مانگی اور رکوع کرتے ہوئے گر پڑے اور اللہ کی طرف جھک گئے۔''

آپ ظنی چیز کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں سمجھتے اور قرآن ظن پر دین کے ایک حکم کا دارو مدار رکھتا

ہے، ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾

یعنی ''مطلقہ ثلاثہ کا دوسرا شوہر اگر طلاق دے دے تو (پہلے شوہر اور اس کی مطلقہ) ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ آپس میں تراجع کرلیں (یعنی پھر بذریعہ نکاح اکٹھے ہوجائیں) اگر یہ ظن کریں کہ وہ دونوں اللہ کے حدود قائم کرسکیں گے۔'' (البقرۃ:۲۳۰)

غزوۂ تبوک میں جو تین مؤمنین خالصین بلا عذر شریک نہ ہوئے تھے، ان کی توبہ بھی جس مرحلے کے بعد قبول کی گئی، اس کا ذکر قرآن میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے:

﴿وَعَلَى الثَّلاَثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (التوبہ:۱۱۸)

''اور اللہ نے ان تین افراد کی توبہ بھی قبول کی جنہیں پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب ان پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی اور ان کی جان پر بن آئی اور انہوں نے یہ ظن قائم کرلیا کہ اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔ پھر اللہ نے ان پر رجوع کیا تاکہ وہ توبہ کریں۔ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔''

لیجئے جناب! کتنی صاف بات ہے کہ جب ان پیچھے رہ جانے والوں نے حالات کی سختی کا مزا چکھ لیا اور یہ 'ظن' قائم کرلیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں تو اللہ نے ان کی توجہ قبول کرلی۔ یعنی انہیں اللہ کی رحمت و مغفرت ان کے اسی ظن کے نتیجہ میں حاصل ہوئی۔

یہ تو یہ؛ اسلام نے اسلامی عدالت کے تمام فیصلوں کی بنیاد صرف دو عادل گواہوں پر رکھی ہے، اس سے صرف زنا کا کیس مستثنیٰ ہے۔ لیکن ان دو عادل گواہوں کی عدالت وثقاہت کس درجہ کی ہوگی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر وہ نماز کے بعد اللہ کی قسم اور اپنے اخلاص کا واسطہ دے کر گواہی دے رہے ہوں، تب بھی قرآن نے ان کے بارے میں اس احتمال کو قبول کیا ہے کہ وہ جان بوجھ کر غلط بیانی سے کام لے سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو سورۂ مائدہ: ۱۰۶ تا ۱۰۸

بلکہ گواہی کے سلسلے میں مزید ایک قانونی شق یہ رکھی ہے کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہوگی (البقرۃ:۲۸۳) ......اور خود ہی یہ بھی بتلا دیا ہے کہ عورتوں کی تعداد ایک کے بجائے دو اس لئے رکھی جارہی ہے کہ ﴿اَنْ تَضِلَّ اِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرٰى﴾ (البقرۃ: ۲۸۲) ''اگر ایک عورت معاملہ کو بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔'' یعنی ایسی گواہی بھی قبول کی جائے گی جو خود گواہی دینے والے کو یاد نہیں ہے۔ بلکہ گواہی دینے والا انسان دوسرے کی یاددہانی کی بنیاد پر گواہی دے رہا ہے۔

کہئے جنابِ عالی! اس قسم کی گواہی 'یقینیات' کے کس درجہ سے تعلق رکھتی ہے؟ اور یہ ڈھیل تو رہی نظامِ عدالت کے سلسلے میں، باقی رہیں خبریں تو ان کے سلسلے میں اس سے بھی زیادہ وسعت اور گنجائش رکھی گئی ہے۔حکم دیا گیا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا﴾(الحجرات:٦)''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق آدمی کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلو...... الخ'' اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب تقویٰ اور صالح آدمی خبر لائے تو تحقیق بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔

جنابِ محترم! جب قرآن میں نہ صرف ظن کی تعریف کی گئی ہو بلکہ اس پر دین کے بعض احکامات کا دارومدار رکھا گیا ہو، اسی پر پورے نظامِ عدالت کی بنیاد رکھی گئی ہو، اسی ظن کی بنیاد پر فیصلہ کن رائے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہو، اسی ظن کے تحت توبہ واستغفار کرنے والوں کی بخشش کی گئی ہو حتیٰ کہ اسے آخرت میں نجات کا سبب قرار دیا گیا ہو تو آپ کو یہ بات کہاں تک زیب دیتی ہے کہ آپ احادیث پر 'ظنی' ہونے کی پھبتی چست کریں۔ آپ دوسروں کو تفقہ فی الدین اور تدبر فی القرآن سے محروم قرار دیتے ہیں، دراں حالے کہ اس محرومی کے شکار درحقیقت آپ خود ہیں۔محترم کہنا پڑتا ہے کہ ایاز قدر خود بشناش

شاید آپ اس موقع پر لغت کھول کر بیٹھ جائیں اور چیخنا چلانا شروع کردیں کہ دیکھو یہ شخص 'ظن' کے مختلف معانی کو ایک دوسرے کے ساتھ گڈ مڈ کررہا ہے۔اس لئے میں آپ کی اس چیخ پکار سے پہلے ہی یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ یہ کارِخیر میں نہیں، آپ انجام دے رہے ہیں۔ آخر اس سے بڑھ کر دھاندلی اور زبردستی کیا ہوسکتی ہے کہ آپ قرآن کی ان تمام آیات اور اسلام کے اس سارے نظام کو پس پشت ڈال دیں جن میں 'ظن' کو دین اسلام کا جزوِلاینفک قرار دیا گیا ہے اور قرآن کی دو تین آیتوں کو پیش کرکے لفظ 'ظن' کے مفہوم کو غلط رنگ دیتے ہوئے یہ فیصلہ ٹھونک دیں کہ 'ظن' کے لئے دین میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے ذخیرۂ احادیث جو یکسر ظنی اور غیر یقینی ہے، اس کا دین میں کوئی مقام نہیں۔ بتایئے ! ہم نے جو آیات پیش کی ہیں، ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے اس فیصلے پر اس کے سوا کیا کہا جائے کہ ؎

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند   درجہل مرکب ابدالدہر بماند

دین کے مکمل ہونے کا مطلب

حدیث کے بے حیثیت اور بے مقام ہونے کے سلسلے میں آپ کی دوسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ

دین عملاً محمد رسول اللہ والذین معہ کے ذریعہ مکمل ہوچکا ہے۔اور قولاً لوحِ قرآن میں محفوظ ہوگیا ہے۔

غالبًا آپ کے اس 'فنکارانہ' استدلال کا منشا یہ ہے کہ اگر آپ سے یہ سوال کردیا جائے کہ محمد رسول اللہ والذین معہ کے ذریعہ عملاً جو دین مکمل ہوچکا ہے، اس کی تفصیلات کہاں دستیاب ہوں گی

تو آپ جھٹ کہہ دیں گے کہ قرآن میں۔ ممکن ہے آپ نہ کہیں لیکن آپ کے دوسرے ہم خیال حضرات یہی کہتے ہیں۔اس لئے میں آپ کی توجہ اپنے ان سوالات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو اسی مضمون کے شروع میں درج ہیں۔جن کا خلاصہ یہ ہے کہ

- قرآن میں جن جانوروں کوحرام اور جن کوحلال قرار دیا گیا ہے، انکے علاوہ بقیہ جانور حلال ہیں یا حرام؟
- نماز کے متعلق قرآن میں جو چند چیزیں مذکور ہیں، ان کے علاوہ نماز کے بقیہ حصوں کی ترکیب کیا ہے؟
- زکوٰۃ کم ازکم کتنے مال پر فرض ہے؟ کتنے فیصد فرض ہے؟ اور کب کب فرض ہے؟
- مالِ غنیمت کی تقسیم مجاہدین پر کس تناسب سے کی جائے؟
- چور کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں یا ایک؟
- جمعہ کی نماز کے لئے کب اور کن الفاظ میں پکارا جائے؟ اور وہ نماز کیسے پڑھی جائے؟

ان سوالات کو ایک بار غور سے پڑھ لیجئے اور بتایئے کہ اس سلسلے میں 'رسول اللہ ﷺ والذین معہٗ' کا عمل کیا تھا؟ اور اس عمل کی تفصیلات کہاں سے ملیں گی؟ اگر قرآن میں ملیں گی تو کس سورہ، کس پارے، کس رکوع اور کن آیات میں؟ اور اگر قرآن میں یہ تفصیلات نہیں ہیں۔ اور یقیناً نہیں ہیں تو قرآن کے بعد وہ کون سی کتابیں ہیں جو آپ کے 'معیار' پر صحیح ہیں اور ان میں یہ تفصیلات بھی درج ہیں؟

قرآن تو بڑے زور شور سے کہتا ہے کہ جو اللہ سے اُمید رکھتا ہے اور آخرت میں کامیاب ہونا چاہتا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے نمونے پر چلے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الآخِرَ﴾ (الاحزاب:۲۱) اور یہاں یہ حال ہے کہ جو مسائل پیش آتے ہیں، ان میں رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ ملتا ہی نہیں۔ اور اگر کہیں ملتا بھی ہے تو آپ اسے 'ایرانی سازش' کے تحت گھڑا گھڑایا افسانہ قرار دیتے ہیں جن پر تقدس کا خول چڑھا کر لوگوں کو بیوقوف بنایا گیا ہے، ورنہ دین میں ان کی کوئی حیثیت اور کوئی مقام نہیں۔ اب آپ ہی بتایئے کہ اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی چاہنے والے بے چارے کریں تو کیا کریں؟ ؏ خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں......؟

اس سلسلے میں سوالات اس کثرت سے ہیں کہ انہیں درج کرتے ہوئے آپ کے ملولِ خاطر کا اندیشہ ہے، اس لئے اتنے پر اکتفا کرتا ہوں ؎

اندکے باتو بگفتم و بدل ترسیدم کہ آزردۂ دل نہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میری ان گذارشات سے یہ حقیقت دوٹوک طور پر واشگاف ہوجاتی ہے کہ یہ ساری دشواریاں اور پیچیدگیاں اس لئے پیش آرہی ہیں کہ سورۂ مائدہ کی آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ...... الخ﴾ اور سورۂ بروج کی آیت ﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيْدٌ...... الخ﴾ کا مفہوم سمجھنے میں آپکے تدبر فی

القرآن اور تفقه في الدين کا طائر پندارحقائق کی دنیا سے بہت دور پرواز کر گیا ہے۔

روایت بالمعنی

اب آیئے! آپ کے چند اور 'فرمودات عالیہ' پر گفتگو ہوجائے، آپ نے حدیثوں کی بابت لکھا ہے کہ ''یہ سب کی سب یکسر ظنی، غیر یقینی اور روایت بالمعنی ہیں۔'' یہ معلوم ہی ہے کہ 'غیر یقینی' کا لفظ 'ظنی' کی تفسیر ہے اور ظن کے سلسلے میں میں اپنی گذارشات پیش کر چکا ہوں۔ رہا 'روایت بالمعنی' کا معاملہ تو سن لیجئے کہ روایت بالمعنی اگر کوئی جرم ہے تو اس جرم کا سب سے بڑا مجرم (نعوذ باللہ) خود قرآن ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ، ہودؑ اور ان کی قوم کا مکالمہ، صالحؑ اور قومِ ثمودؑ کا مکالمہ، ابراہیم اور لوط علیہما السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ، حضرت شعیبؑ اور اہل مدین و اصحاب الایکہ کا مکالمہ، حضرت موسیٰ کا فرعون سے، بلکہ جادوگروں سے اور بنی اسرائیل سے مکالمہ، اور حضرت عیسیٰ کے مواعظ و مکالمے، کیا یہ سب انہی الفاظ اور عبارتوں میں تھے، جن الفاظ اور عبارتوں کے ساتھ قرآن میں درج ہیں؟ کیا آپ اس تاریخی حقیقت کا انکار کرسکتے ہیں کہ ان پیغمبروں اور ان کی قوموں کی زبان عربی نہیں تھی......!!؟

قرآن میں ایک ہی بات کہیں کچھ الفاظ و عبارت میں ادا کی گئی ہے تو کہیں دوسرے الفاظ و عبارت میں۔ کہیں مختصر ہے کہیں مطول، بلکہ کہیں ایک جز مذکور ہے تو کہیں دوسرا جز۔ پس اگر ایک بات کے بیان کرنے میں الفاظ و عبارت، اجمال وتفصیل اور اجزاءِ گفتگو کے ذکر و عدمِ ذکر کا اختلاف اور روایت بالمعنی کوئی عیب ہے تو سب سے پہلے قرآن مجید کو اس عیب سے (نعوذ باللہ) پاک کیجئے۔ اور اگر نہیں تو پھر حدیث کے روایت بالمعنی ہونے پر آپ کو اعتراض کیا ہے؟ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ قرآن تو روایت بالمعنی سے بھرا ہوا ہے، پھر بھی یقینی کا یقینی اور احادیث کے متعلق جوں ہی آپ کے کان میں یہ آواز پہنچے کہ اس میں کچھ احادیث روایت بالمعنی بھی ہیں، بس آپ شور مچانے لگیں کہ ہٹاؤ ان احادیث کو، یہ روایت بالمعنی کی گئی ہیں۔ ان کا کیا اعتبار، اور دین سے ان کا کیا تعلق......؟

ایرانی سازش کا بدبودار افسانہ

قرآنی آیات کو آپ نے اپنی مزعومہ خرافات کے گرد طواف کرنے کے بعد اس بڑے بول کا اظہار کیا جسے منکرین حدیث کے گرگانِ باراں دیدہ اپنے سرد وگرم چشیدہ یہودی صلیبی مستشرق اساتذہ کی تقلید میں بولتے آئے ہیں اور جس کے متعلق ہر صاحبِ بصیرت بے کھٹک کہہ سکتا ہے کہ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ (الکہف:۵) ''بڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکل رہا ہے، وہ سراپا جھوٹ بک رہے ہیں۔'' اِن کے اِس بول کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث کا ذخیرہ درحقیقت

ایرانیوں کی سازش اور قصہ گویوں، واعظوں اور داستان سراؤں کی من گھڑت حکایات کا مجموعہ ہے۔

آپ کے اس دعویٰ کا پردہ فاش کرنے سے پہلے میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ اس عجمی سازش اور داستان سراؤں کی گھڑنت کا پتہ آپ نے کس طرح لگایا؟ آپ کے ذرائع معلومات کیا ہیں؟ اور آپ کے پاس اس پرشور دعویٰ کی کیا دلیل ہے؟ کیونکہ دعویٰ بلا دلیل قبول خرد نہیں!

آپ لوگوں پر حیرت ہوتی ہے کہ دعویٰ تو کرتے ہیں اس قدر زوروشور سے، اور ایسے اونچے آہنگ کے ساتھ اور دلیل کے نام پر ایک حرف نہیں۔ کیا اسی کا نام تدبر فی القرآن ہے؟ اور اسی کو تفقہ فی الدین کہتے ہیں......؟

آپ فرماتے ہیں کہ ''وفاتِ نبوی کے سینکڑوں برس بعد بعض ایرانیوں نے ادھر ادھر کی سنی سنائی اٹکل پچو باتوں کو جمع کر کے انہیں صحیح حدیث کا نام دے دیا۔'' ملخصاً

میں کہتا ہوں کہ آیئے، سب سے پہلے یہی دیکھ لیں کہ ان مجموعہ ہائے احادیث کو جمع کرنے والے ایرانی ہیں بھی یا نہیں؟ سن وار ترتیب کے لحاظ سے دورِ اول کے رواۃِ حدیث میں سرفہرست ابن شہاب زہری، سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کے نامِ نامی آتے ہیں۔ یہ سب کے سب، سب سے معزز عربی خاندان قریش سے تعلق رکھتے ہیں اور آخر الذکر تو اسلامی تاریخ کے پانچویں خلیفہ راشد کی حیثیت سے معلوم ومعروف ہیں۔

اسی طرح دورِ اوّل کے مدوّنینِ حدیث میں سرفہرست امام مالکؒ ہیں۔ پھر امام شافعیؒ اور ان کے بعد امام احمد بن حنبلؒ، ان تینوں ائمہ کے مجموعہ ہائے احادیث پوری اُمت میں متداول اور مقبول ہیں۔ یہ تینوں خالص عربی النسل ہیں۔ امام مالکؒ قبیلہ ذی اَصبح سے، امام شافعیؒ قریش کی سب سے معزز شاخ بنوہاشم سے، اور امام احمدؒ قبیلہ شیبان سے۔

یہ بنوشیبان وہی ہیں جن کی شمشیر خاراشگاف نے خورشیدِ اسلام کے طلوع ہونے سے پہلے ہی خسرو پرویز کی ایرانی فوج کو 'ذی قار' کی جنگ میں عبرتناک شکست دی تھی۔ اور جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے دور میں ایرانی سازش کے تحت برپا کئے گئے ہنگامہ ارتداد کے دوران نہ صرف ثابت قدمی کا ثبوت دیا تھا بلکہ مشرقی عرب سے اس فتنے کو کچلنے میں فیصلہ کن رول ادا کر کے عربی اسلامی خلافت کو نمایاں استحکام عطا کیا تھا۔ اور پھر جس کے شہپر وشہباز مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کی شمشیر خارا شگاف نے کاروانِ حجاز کے لئے فتح ایران کا دورازہ کھول دیا تھا۔

آخر آپ بتلا سکتے ہیں کہ یہ کیسی ایرانی سازش تھی جس کی باگ دوڑ عربوں کے ہاتھ میں تھی؟ جس کا

سرپرست عربی خلیفہ تھا اور جس کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ایسی ایسی نمایاں ترین عربی شخصیتوں نے اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ جن میں سے بعض بعض افراد کے قبیلوں کی ایران دشمنی چار دانگ عالم میں معروف تھی؟ کیا کوئی انسان جس کا دماغی توازن صحیح ہو، ایک لمحہ کے لئے بھی ایسے بدبودار افسانہ کو ماننے کے لئے تیار ہوسکتا ہے؟

دورِ اوّل کے بعد آیئے دورِ ثانی کے جامعینِ حدیث پر نگاہ ڈالیں۔ ان میں سرفہرست امام بخاری ہیں جن کا مسکن 'بخارا' تھا۔ بخارا ایران میں نہیں بلکہ ماوراء النہر (ترکستان) میں واقع ہے۔ دوسرے اور تیسرے بزرگ امام مسلم اور امام نسائی ہیں۔ان دونوں حضرات کا تعلق نیشا پور کے علاقے سے تھا اور نیشاپور ایران کا نہیں بلکہ خراسان کا جز تھا۔ اگر اس پر ایران کا اقتدار رہا بھی ہے تو اجنبی اقتدار کی حیثیت سے۔ چوتھے اور پانچویں بزرگ امام ابوداؤد اور امام ترمذی تھے۔ اول الذکر کا تعلق سجستان (خراسان) سے، ثانی الذکر کا تعلق ترمذ (ماوراء النہر، ترکستان) سے رہا ہے۔ چھٹے بزرگ کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک طبقہ ابن ماجہ کی سنن کو صحاحِ ستہ میں شمار کرکے انہیں استناد کا یہ مقام دیتا ہے، دوسرا طبقہ سنن دارمی یا مؤطا امام مالک کو صحاحِ ستہ میں شمار کرتا ہے۔ امام ابن ماجہ یقیناً ایرانی ہیں لیکن ان کی تصنیف سب سے نیچے درجے کی ہیں۔ حتیٰ کہ اکثر محدثین اسے لائق استناد ماننے کو تیار نہیں۔ آخرالذکر دونوں حضرات عربی ہیں۔ امام مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی بھی عربی ہیں۔

کیا محدثین عجمی تھے؟

یہ حقیقت اچھی طرح یاد رہے کہ جن محدثین نے احادیث کو کتابی شکل میں جمع کیا ہے، ان سب کو یا ان کی اکثریت کو عجمی قرار دینا محض فریب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج حدیث کی جو کتابیں اُمت میں رائج، مقبول اور متداول ہیں، چند ایک کے سوا، سب کے مصنّفین [مؤلفین] عرب تھے۔ ہم ذیل میں اس طرح کے عرب محدثین کی فہرست دے رہے ہیں تاکہ واقعی حقیقت دوٹوک طور پر واشگاف ہوجائے:

عرب محدثین		قبیلہ
۱۔ امام مالکؒ	۱۷۹ھ	ذی اصبح
۲۔ امام شافعیؒ	۲۰۴ھ	قریش
۳۔ امام حمیدیؒ	۲۱۹ھ	قریش
۴۔ امام اسحٰق بن راہویہؒ	۲۳۸ھ	بنوتمیم
۵۔ امام احمد بن حنبلؒ	۲۴۱ھ	بنوشیبان

۶۔امام دارمیؒ	۲۵۵ھ	بنوتمیم
۷۔امام مسلمؒ	۲۶۱ھ	بنوقشیر
۸۔امام ابوداودؒ	۲۷۵ھ	بنوازد
۹۔امام ترمذیؒ	۲۷۹ھ	بنوسلیم
۱۰۔حارثؒ بن ابی اسامہؒ	۲۸۲ھ	بنوتمیم
۱۱۔امام ابوبکر بزارؒ	۲۹۲ھ	بنوازد
۱۲۔امام نسائیؒ	۳۰۳ھ	......
۱۳۔امام ابویعلیؒ	۳۰۷ھ	بنوتمیم
۱۴۔امام ابوجعفر طحاویؒ	۳۲۱ھ	بنوازد
۱۵۔امام ابن حبانؒ	۳۵۴ھ	بنوتمیم
۱۶۔امام طبرانیؒ	۳۶۰ھ	لخم
۱۷۔امام دارقطنیؒ	۳۸۵ھ	......
۱۸۔امام حاکمؒ	۴۰۵ھ	بنوضبہ

عجمی محدثین

۱۔امام ابن ابی شیبہؒ	۲۳۵ھ
۲۔امام بخاریؒ	۲۵۶ھ
۳۔امام ابن ماجہؒ	۲۷۳ھ
۴۔امام ابن خزیمہؒ	۳۱۱ھ

اس فہرست سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن محدثین کی کتابیں رائج اور مقبول ہیں ان میں ۱۸ عرب اور صرف ۴ عجمی ہیں۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی رفیق دارالمصنّفین، اعظم گڑھ نے پہلی صدی ہجری میں پیدا ہونے والے محدثین سے لے کر آٹھویں صدی کے آخر تک وفات پانے والے مشہور اور صاحبِ تصنیف محدثین کا تفصیلی ذکر 'تذکرۃ المحدثین' نامی کتاب کی دو جلدوں میں کیا ہے۔ ان محدثین کی کل تعداد ستر ہوتی ہے۔ جن میں سے صرف ۱۲ محدثین کے متعلق یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ عجمی تھے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کو عجمی یا ایرانی سازش قرار دینے میں کتنا وزن ہے اور یہ نعرہ کس قدر پرفریب ہے۔

اسی کے ساتھ اگر یہ بات بھی مدنظر رہے کہ کتبِ احادیث کے لکھنے والوں میں پیشرو اور سرفہرست عرب محدثین ہیں۔ عجمی محدثین ان کے بعد ہیں۔ پھر ان عجمی محدثین نے اپنی کتابوں میں جو حدیثیں جمع کی ہیں، وہ وہی حدیثیں ہیں جنہیں ان کے پیشرو اور ہم عصر عربوں نے اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے تو مذکورہ بالا حقیقت مزید اچھی طرح بے نقاب ہوجاتی ہے۔

اب آپ بتائیے کہ آخر عربوں کے خلاف یہ کیسی سازش تھی جس کے دورِ اول کے تمام بڑے بڑے لیڈر عربی تھے اور عربوں کے بعد ترکستانی اور خراسانی تھے جو نسلاً عربی تھے۔ اور اگر عربی نہ بھی تسلیم

کریں تو پھر ایرانیوں سے کدور قابت رکھتے تھے اور انہوں نے سازش کا سارا مواد اپنے پیشرو عرب لیڈروں سے حاصل کیا تھا۔ اگر بدقسمتی سے اس دور کے 'سازشی ٹولے' میں ایک آدھ ایرانی نے شریک ہوکر ان کی کفش برداری اور خوشہ چینی کی بھی تو اس کو کوئی حیثیت حاصل نہ ہوسکی۔ یا تو اس کی تصنیف کو درجہ استناد ہی نہیں دیا گیا۔ یا دیا بھی گیا تو سب سے نچلے درجہ کا......؟

یہ بھی بتلا دیجئے کہ آخر یہ کیسی 'ایرانی سازش' تھی کہ 'سازشی ٹولے' اور ان کے سیاسی آقاؤں کے درمیان برابر ٹھنی رہتی تھی؟ کسی کو شہر بدر کیا جارہا ہے، کسی پر شہر کے دروازے بند کئے جارہے ہیں، کسی کو حوالہ زنداں کیا جارہا ہے، کسی پر کوڑے برس رہے ہیں، کسی کی زخمی پیٹھ پر زہریلے پھائے لگائے جارہے ہیں، کسی پاؤں میں بیڑیاں پہنائی جارہی ہیں، کسی کے کندھے اُکھڑوا کر گدھے پر بٹھایا جارہا ہے اور شہر میں گشت کرایا جارہا ہے اور کسی کے ساتھ کچھ اور ہورہا ہے!!

پھر 'سازشی ٹولہ' بھی کیسا ہے کہ اپنے آقاؤں سے ذرا دبتا نہیں؟ ان کے مقابل میں اکڑا ہوا ہے۔ ان کے بچوں کے لئے سپیشل کلاس لگانے پر آمادہ نہیں۔ عام درس میں نمایاں اور مخصوص جگہ دینے کو تیار نہیں۔ ان کے ہدایا اور تحائف کو پوری بے نیازی کے ساتھ ٹھکرا دیتا ہے اور ان کے دربار میں بھول کر بھی حاضر نہیں ہوتا۔ اگر کبھی حاضری کے لئے مجبور بھی کیا جاتا ہے تو وہ کھری کھری سناتا ہے کہ بلائیں ٹوٹ پڑتی ہیں۔ کیا یہی 'لچھن' ہوتے ہیں سازشیوں کے......؟

آخر یہ کیسا نادان 'سازشی ٹولہ' تھا کہ جن سیاسی مصالح کے حصول کے لئے اس نے اتنی خطرناک سازش رَچائی تھی، انہی سیاسی مصالح کے خلاف برسرپیکار رہا اور اس رستے میں جو جو مصیبتیں جھیلنی پڑیں نہایت ہی استقلال کے ساتھ جھیلتا رہا۔

اس 'ایرانی سازش' کا ایک اور پہلو بھی خاصا دلچسپ ہے۔ اس سازشی ٹولے کی جمع کی ہوئی کتب احادیث میں ایسی احادیث بھی ہیں جن میں قبیلوں، قوموں اور ملکوں کے فضائل و مناقب یا خرابیاں اور کمزوریاں بھی بیان کی گئیں ہیں۔ اس قسم کی احادیث میں حجاز کو 'دین کی پناہ گاہ' کہا گیا ہے۔ (بخاری ومسلم وغیرہ)۔ یمن کو 'ایمان وحکمت کا مرکز' قرار دیا گیا ہے (ایضاً)......شام کو اسلام کی چوٹی کی 'شخصیتوں کا مرکز'، 'اللہ کی منتخب کی ہوئی زمین' اور 'اسلام کا مستحکم قلعہ' کہا گیا ہے اور اس کے لئے دعائیں کی گئی ہیں۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد)

آپ کو معلوم ہے کہ مشرق کو عموماً اور ایرانیوں کے مرکزِ اقتدار (عراق) کو خصوصاً، احادیث میں کیا مقام عطا ہوا ہے؟ اسے فتنہ وفساد کا مرکز اور اُجڈوں اور اَکھڑوں کا مسکن قرار دیا گیا ہے۔ اس پر قدرتی

آفات اور تباہیوں کی آمد کی پیشین گوئی کی گئی ہے اور اسے ابلیس کی قضائے حاجت کا مقام بتلایا گیا ہے۔ (بخاری، طبرانی وغیرہ)۔ اگر ایک آدھ حدیث میں اہل ایران سے متعلق کوئی فضیلت آ بھی گئی ہے تو صرف چند افراد کے لئے رجال من ھولاء

بتایئے! آخر یہ کیسے 'بدھو' قسم کے 'سازشی' لوگ تھے کہ سارے فضائل و کمالات تو عطا کردیے اپنے عرب دشمنوں کو؟ اور ساری پستی اور خرابی منتخب کرلی، اپنے لئے اور اپنے آقاؤں کے لئے؟ کیا سازش اسی طرح کی جاتی ہے؟ اور کیا ایسی ہی اُلٹی سیدھی تدبیروں سے سیاسی بالادستی حاصل ہوتی ہے؟

بریں عقل و دانش بباید گریست

آیئے آپ کو ایک اور حقیقت کی طرف متوجہ کروں۔ جسے مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم، گوجرانوالہ نے لکھا ہے، لکھتے ہیں:

> ''پھر آپ نے کبھی اس پر بھی غور فرمایا کہ اسلامی حکومت سرزمین حجاز سے شروع ہوکر اقطارِ عالم تک لاکھوں مربع میل زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ آپ یہ سوچیں آپ کو صلح سے کوئی ملک ملا۔ خود سرزمین حجاز میں قدم قدم پر لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ مکہ پر فوج کشی کی ضرورت ہوئی۔ نجد لڑائی سے ملا۔ شام، عراق، حبش، یمن کے بعض علاقوں پر لڑنا پڑا۔ سمندر کے ساحلی علاقوں پر جنگیں ہوئیں۔
>
> آنحضرت ﷺ کو اپنی زندگی میں کم وبیش بیاسی جنگیں لڑنا پڑیں۔ پھر یہ جنگوں کا سلسلہ خلیفہ ثالث کی حکومت کے درمیانی ایام تک جاری رہا۔ پھر خلیفہ ثالث کے آخری دور سے شروع ہوکر حضرت علیؓ کا پورا زمانہ قریب قریب باہمی آویزش کی نذر رہا۔ ۴۱ھ کے بعد جوں ہی ملک میں امن قائم ہوا، خلفاے بنی اُمیہ نے شخصی کمزوریوں کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ کا سلسلہ شروع کردیا۔ ہندوستان، اندلس، بربر، الجزائر، تمام علاقے جنگ ہی سے اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے۔
>
> پھر آپ کے قلم اور دماغ نے سازش کا نزلہ صرف 'فارس' پر کیوں گرایا؟ محض ملک گیری اور فتوحات کی بنا پر بغاوتیں، سازشیں تصنیف کی جاسکتی ہیں تو حجازی سازش، ہندوستانی سازش، بربری اور اندلسی سازش کیوں نہیں بنائی گئی؟ کیا شام کے یہودی معصوم، عراق اور روم کے مشرک اور عیسائی فارسیوں سے زیادہ پاک باز تھے؟ ان کی حکومتیں مسلمانوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ نہیں اُتریں؟ مصر میں اسلامی فتوحات سے قبطی اور مصری قوموں کا وقار پامال نہیں ہوا۔ پھر آپ مصری سازش کے متعلق کیوں نہیں سوچتے؟
>
> اگر عقل کا دیوالیہ نہیں دے دیا گیا تو اپنی فتوحات کی پوری تاریخ پر غور فرمایئے۔ چین کے سوا شاید ہی کوئی ملک ہے جہاں مسلمانوں کے خون نے زمین کو لالہ زار نہ کیا ہو۔ مغربی سمندر کے سواحل پر آپ کی فوجیں برسوں لنگر انداز رہیں۔ ان لوگوں پر آپ کو سازش کا شبہ کیوں نہیں؟ آپ اُلٹا خود ہی ان کی سازش کا شکار ہوگئے......!!

غزالی، ابن مکرم، ابن عربی، ابن العربی، شاطبی، ابن حزم، یحییٰ بن یحییٰ مصمودی وغیرہم، قرطبہ اور اندلس کے علما کو سازشی نہیں کہا جاتا۔ اگر خراسان، بخارا، قزوین، ترمذ، نساء کے علما پر حدیث سازی کی تہمت اس لئے لگائی گئی ہے کہ ان بزرگوں نے سنت کے پرانے تذکروں، صحابہ اور تابعین کی بیاضوں اور سلف اُمت کے مسودات سے تدوین حدیث کے لئے راہیں ہموار کیں تو علمائے اندلس نے بھی سنت کی کچھ کم خدمت نہیں کی کہ شروحِ حدیث، فقہ الحدیث اور علومِ سنت کی خدمت میں ان بزرگوں نے لاکھوں صفحات لکھ ڈالے۔ ان خدمات کو کیوں سازش نہیں کہا گیا۔ منکرین سنت کے پورے خاندان میں کوئی عقلمند نہیں جو ان حقائق پر سنجیدگی سے غور کرے، کیا علومِ دینی اور فنونِ نبوت کی ساری داستان میں آپ کو صرف علمائے فارس ہی مجرم نظر آئے!!

من کان هذا القدر مبلغ علمه فلیستتر بالصمت والکتمان''

(حدیث کی تشریعی اہمیت از مولانا محمد اسمٰعیل سلفیؒ: ص ۶۹ تا ۷۱)

آیئے اس 'ایرانی سازش' کے متعلق مولانا موصوف کے بعض اور تبصرے ملاحظہ فرماتے چلئے۔ مولانا موصوف لکھتے ہیں:

''آج سے تقریباً ایک صدی پہلے حکومت نہ انتخابی تھی؛ نہ جمہوری نمائندگی کی سند ان کو حاصل تھی۔ نہ وہ حکومتیں عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی تھیں بلکہ اس وقت کی حکومتیں شخصی ہوتی تھیں یا زیادہ سے زیادہ کوئی قوم حاکم ہوجاتی، باقی لوگ محکوم ہوتے تھے۔ اقتدار میں عوام کی جوابدہی قطعاً ملحوظ نہیں رکھی جاتی تھی۔ نہ حکومت کسی آئین کی پابند ہوتی تھی۔ بادشاہ کی رائے اور بادشاہ کا قلم پورا آئین ہوتا تھا۔ یا وہ لوگ جو بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملا کر حکومت کے منظورِ نظر ہوجائیں۔

ایسی حکومتوں کے ساتھ ہمدردی ذاتی ضرورتوں کی وجہ سے ہوتی تھی۔ یا بادشاہ کے ذاتی اخلاق اور کریکٹر کی وجہ سے۔ اگر کوئی انقلاب ہوجائے تو انقلاب سے ملک متاثر تو ہوتا تھا لیکن اس کی وجہ بادشاہ یا اس کے خاندان کے ساتھ ہمدردی نہیں ہوتی تھی، بلکہ یہ تاثر آنے جانے والی حکومتوں کے مقاصد کی وجہ سے ہوتا۔

فارسی حکومت شخصی تھی۔ یزدگرد کی موت پر اس کا خاتمہ ہوگیا۔ یزدگرد کا خاندان یقیناً اس انقلاب میں پامال ہوا ہوگا۔ لیکن تاریخ اس وقت کسی ایسی سازش کا پتہ نہیں دیتی جو اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کے طور پر کی گئی ہو۔ نوشیرواں کے بعد ویسے بھی کسریٰ کی حکومت روبہ انحطاط تھی، ان کے کردار میں عدل وانصاف کے بجائے استبداد روز بروز بڑھ رہا تھا۔ عوام کو حکومت کے ساتھ کوئی دلچسپی اور محبت نہیں تھی۔ پھر سازش کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

مذہباً فارسی حکومت آتش پرست تھی۔ اسلام نے توحید کے عقیدہ کی سادگی سے یہودیت اور عیسائیت تک کو متاثر کیا۔ بت پرستی ان کے سامنے نہ ٹھہر سکی، آتش پرستی کی وہاں کیا مجال تھی۔ اسلام کی تعلیمات اس مسئلہ میں نہایت مدلل اور واضح تھیں، ان میں کوئی چیز ڈھکی چھپی نہ تھی۔

اسلام کا موقف عقیدۂ توحید کے معاملے میں کھلی کتاب تھا۔ وہ دوسروں کے شبہات اور اعتراضات بڑی کشادہ دلی سے سنتا تھا۔مخالفین کے شبہات کی تردید اور اصلاح میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ نہ ہی اپنے نظریہ کوکسی پر جبراً ٹھونستا تھا، پھراس کے خلاف کیوں سازش کی جائے......کون کرے؟ اور کس طرح کرے؟

فارسی حکومت کا چراغ خلیفہ ثانی کی حکومت میں گل ہوا۔ یزدگرد کوخود اس کی رعایا نے قتل کیا اور اس کے خاتمہ میں مسلم عساکر کی مدد کی۔ پھر سازش کی ضرورت کیسے ہوئی؟ فارس کی فتح کے بعد ہزاروں فارسی اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ جزیہ دیتے رہے، انہیں کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔ ان کے معبد (آتش کدے) مدتوں قائم رہے۔ جو لوگ ان سے اسلام کی طرف راغب ہوئے انہیں اسلام نے پوری ہمدردی کے ساتھ اپنی آغوش میں عزت کی جگہ دی۔

جہاں مذہب یوں آزاد ہو اور سیاست اس طرح بے اثر، ملک کے عوام مسلمانوں کی فتوحات پر خوشیاں مناتے ہوں، جب وہ جنگی مصالح کی بنا پر کسی مقام سے پیچھے ہٹنا پسند کریں تو اس علاقہ میں صف ماتم بچھ جائے۔تعجب ہوتا ہے کہ ادارۂ طلوعِ اسلام اور جناب اسلم جیراجپوری نے سازش کے جراثیم کوکون سی عینک سے دیکھ لیا!!

تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عدل گستری اور انصاف پسندی کی وجہ سے فارسی بالکل مطمئن ہوگئے تھے۔ فاتحین کی علم دوستی کے اثرات سے فارس کے تمام ذہین لوگ سیاست چھوڑ کر فوراً علم کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اس راہ میں انہوں نے آخرت کی سربلندیوں کے علاوہ علمی دنیا میں بہت بڑا نام پیدا کیا، اور حکومت کے خلاف سازش کا ان کی زبان پر کبھی نام تک نہیں آیا۔ یہ سازش کا پورا کیس مولانا جیراجپوری کے کاشانہ اور ادارۂ طلوع اسلام کے دفتر میں تیار ہوا ہے۔ واقعات کی روشنی میں اسے ثابت کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

سازش کی یہ عجیب قسم ہے کہ سازشیوں نے فاتحین کا مذہب قبول کیا۔ پھران کے علوم کی اس قدر خدمت کی کہ فاتحین اپنے علوم کی حفاظت سے بےفکر اور کلی طور پر مطمئن ہوگئے۔ پھر فاتحین نے ان میں سے اکثر علوم اور علما کی سرپرستی کی۔ (مقدمہ ابن خلدون:۵۸)

معلوم ہے کہ اُموی خلفاء کے وقت شاہی درباروں میں عجمیوں کو وہ اقتدار حاصل نہ تھا جو عباسی درباروں میں برامکہ کو حاصل ہوا۔لیکن اُن کا دامن دین کی خدمات سے بالکل خالی تھا۔ قرآن وسنت اور دینی علوم تو بڑی بات ہے، برامکہ سے تو عربی زبان کی بھی کوئی خدمت نہ ہوسکی۔

ہارون الرشید نے امام مالکؒ اور ان کے درس کی سرپرستی کی کوشش کی، لیکن امام مالک نے اسے بےاعتنائی سے مسترد کردیا، روپیہ دینے کی کوشش کی تو پورے استغنا سے واپس کردیا۔

سازش کا آخر یہ مقصد ہوسکتا تھا کہ شاہی دربار تک رسائی ہو، مال و دولت اور حکومت میں حصہ ملے، اب دربار خود درِ دولت پر حاضر ہوتا ہے، اپنی ساری بلندیاں چھوڑ کر پورے انکسار، انتہائی

احترام سے خزانوں کے دروازے کھلتے ہیں۔ تھیلیاں باادب پیش ہوتی ہیں، اور 'سازشی' ہیں کہ نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔

بادشاہ عرض کرتے ہیں تشریف لے چلئے، آنکھیں فرشِ راہ ہوں گی، فارسی سازش کے سرغنہ یا فن حدیث کے سالارِ قافلہ فرماتے ہیں:"والمدينة خيرلهم لو كانوا يعلمون" مطلب یہ کہ اس بڑے دربار سے علیحدگی میرے لئے ناممکن ہے۔

پھر سازشیوں کا یہ پورا گروہ مختلف عجمی ممالک سے ہزاروں میل سفر طے کرکے مدینہ منورہ پہنچ کر امام کی خدمت میں تحصیل علم کے لئے پیش ہوتا ہے اور کوئی سوچتا نہیں کہ شیخ عرب ہے، یہ عجمی النسل کہیں پوری سازش کا راز فاش نہ کردے۔

عرب استاد کے عجمی شاگرد مدتوں استفادہ کرتے ہیں اور انہیں علوم کا درس ہوتا ہے۔ ساتھی ساتھی پر جرح کرتا ہے۔ ایک دوسرے کی کمزوریوں کے کھلے بندوں تذکرے ہوتے ہیں۔ عرب محدثین عجمی علما پر تنقید کرتے ہیں، عجمی اہل عرب کے نقائص کی نشاندہی کرتے ہیں۔ لیکن اس سازش کا سراغ جس کے اختراع کا سہرا 'طلوعِ اسلام' کے دفتر پر ہے، نہ کسی عرب کو لگا، نہ کسی عجمی کو۔ نہ استاد نے اسے محسوس کیا نہ شاگرد نے نہ ساتھی نے!!

پھر تعجب یہ ہے کہ فارس کی فتح پہلی صدی کے اوائل میں ہوئی اور اس سازش کا منصوبہ تیسری صدی میں بنایا گیا۔ تقریباً پورے دوسو سال فارسی بے وقوف آرام کی نیند سوتے رہے۔ یعنی جب شکست کا درد اور کوفت تازہ تھی، اس وقت تو فارسیوں کو کوئی احساس نہ ہوا۔ لیکن تین سو سال کے بعد درد کی بے قراریاں انگڑائیاں لینے لگیں اور فارسی سازشیوں نے بخاری رمسلم اور کتبِ صحاح کی صورت اختیار کرلی۔ فيا للعقول وأربابها

پھر اتنی بڑی سازش جس نے اسلامی اور تعلیمی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، دنیا کے مسلم اور غیر مسلم مؤرخوں کی آنکھیں بے کار ہوگئیں، قلم ٹوٹ گئے اور زبانیں گنگ؟...... ان کی ضخیم کتابیں اس عظیم الشان سازش کے تذکرے سے یکسر خالی ہیں۔ یہ راز سب سے پہلے یورپ کے ملحد مُکتشفین پر کھلا اور اس کے بعد دفتر طلوعِ اسلام کے دریوزہ گروں نے کچھ ہڈیاں مستعار لے لیں۔ ﴿فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ﴾''

(حدیث کی تشریعی اہمیت: ص۴۲ تا ۴۹)

ہماری ان گذارشات سے واضح ہوگیا کہ ایرانی سازش کا جو شاخسانہ آپ کے رہنماؤں نے چھوڑا ہے وہ کوئی 'ٹھوس حقیقت' نہیں بلکہ ایک 'بدبودار افسانہ' ہے۔ جس نے اسلام کے دانا دشمن یہودی مستشرق گولڈ زیہر اور اس کے رفقا کی کوکھ سے جنم لیا ہے اور حافظ اسلم، مسٹر پرویز اور پاکستان کے کچھ بے علم یا محدود العلم کلرکوں کی گود میں پل کر جوان ہوا ہے۔ اور اب آپ جیسے 'محقق' حضرات اسے عام مسلمانوں

کے حلق میں ٹھونسنے کے لئے اپنے 'سرمایۂ تحقیقات' کی حیثیت سے اس کی نمائش کرتے پھر رہے ہیں۔

خیر جناب! 'سازشی ٹولے' نے پہلی صدی میں اپنی 'سازش' کا آغاز کیا اور تیسری صدی کے اخیر تک مکمل کرلیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اب ہزار برس بعد یعنی اب سے کوئی اَسی برس پہلے آپ حضرات کے ہوش وحواس نے انگڑائی لی اور یہودی وصلیبی مستشرقین کی خرد بین لگا کر آپ حضرات نے یہ انکشاف کیا کہ یہ اُمت تو اپنے آغاز سے اب تک 'ایرانی سازش' کا شکار ہے۔ یہ انکشاف بڑی دیر سے ہوسکا۔ اب یہ آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکا ہے۔ اس کی حیثیت مشت بعد از جنگ کی ہے۔ اس لئے اسے شیخ سعدیؒ کے مشورہ کے مطابق آپ اپنے ہی کلے پر مار لیجئے۔ اتنی دیر کے بعد ایسے فوجداری مقدمات کی تفتیش نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی دانشمند اس موضوع پر سوچنے کی کوشش کرسکتا ہے!!

روایتوں کے متفرق اور متضاد ہونے کی حقیقت

آپ نے روایتوں کو متفرق اور متضاد لکھا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی غیر مسلم آپ سے یہ سوال کر بیٹھے کہ آپ کا قرآن ابتداءً متفرق تھا یا مجتمع؟ اور اگر مجتمع تھا تو کس لوح پر، وہ لوح کہاں ہے؟ اسے کس نے دیکھا ہے؟ اور اس بات کی شہادت کیا ہے کہ انہوں نے دیکھا ہے؟ پھر یہ شاہدین قابل اعتبار تھے بھی یا نہیں؟ انہوں نے اپنی شہادت کن کن لوگوں کے سامنے اَدا کی؟ پھر ان لوگوں کی حیثیت کیا تھی؟ وھلم جرّا، اگر آپ کے سامنے ایسے سوالات پیش کردیئے جائیں تو آپ کیا جواب دیں گے؟ حدیث تو خیر 'فلاں نے فلاں سے اور فلاں نے فلاں سے' کے واسطے سے حضور ﷺ تک پہنچ بھی جاتی ہے۔ مگر آپ لوحِ قرآن کے لئے تو اتنا بھی ثبوت فراہم نہیں کرسکتے۔

باقی رہا تضاد کا معاملہ تو یہ محض ایک 'ہوا' ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ صحیح احادیث میں کوئی تضاد نہیں۔ ظاہر بینی کے لحاظ سے اگر آپ حضرات نے کچھ مثالیں فراہم کرلی ہیں تو ایسی مثالیں قرآن کے نہ ماننے والوں نے خود قرآن سے فراہم کی ہیں تو کیا آپ تسلیم کرلیں گے کہ (نعوذ باللہ) قرآن میں بھی تضاد ہے؟ پھر آپ حضرات اپنی 'تدبر فی القرآن' کی مخصوص صلاحیت کو بروے کار لاتے ہوئے قرآنی آیات کا جیسا کچھ مفہوم سمجھتے ہیں، ان کے لحاظ سے تو قرآن مجید تضاد سے بھرا نظر آئے گا۔ مثال دیکھنی ہو تو پچھلے اوراق پلٹ لیجئے (اور اگلے صفحات میں بھی ملاحظہ فرمائیے گا) ظن کی بحث میں آپ کی پیش کردہ جن قرآنی آیات پر ہم نے بحث کی ہے، وہ سب کی سب آپ کے بتلائے ہوئے مفہوم کے اعتبار سے خود قرآن ہی کی دوسری آیات سے ٹکرا رہی ہیں۔

روایات کی کتابت میں تاخیر

آپ کو اس کا بھی اِدعا ہے کہ روایتیں کتابت میں آنے سے پہلے زید، عمرو، بکر کی زبانوں پر بے روک ٹوک گشت کررہی تھیں، اور قیدِ کتابت میں آنے کے بعد اس پر 'صحیح' کا لیبل چسپاں کردیا گیا۔ ان کی حیثیت نیم تاریخی مواد کی ہے...... وغیرہ

مجھے آپ لوگوں کی جرأت پر حیرت ہے۔ جن حوالوں کی بنیاد پر آپ قیدِ کتابت کی تاریخ متعین کرتے یا کرسکتے ہیں، انہی حوالوں کی رو سے یہ بات بالکل صاف اور قطعی طور پر عیاں ہے کہ احادیث کے قیدِ کتابت میں آنے سے پہلے صرف دو طبقے پائے جاتے ہیں: ایک صحابہ کرام کا طبقہ اور دوسرا تابعین عظام کا۔ پہلا طبقہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے 'والذین معہ' سے تعبیر کیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جن کی عملی معیت کو شامل کرکے آپ دین کو مکمل مان رہے ہیں اور دوسرا طبقہ ان کے تربیت یافتگان کا ہے جسے قرآن نے ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ (التوبہ: ۱۰۰) سے تعبیر کیا ہے۔ کیا قرآن کے یہ دونوں مقدس طبقے آپ کی نگاہ میں ایسے ہی ایرے غیرے، نتھو خیرے قسم کے ہیں کہ آپ انہیں زید عمرو بکر جیسی اہانت آمیز تعبیر کا نشانہ بنائیں، اور اقوال وافعالِ رسولؐ کے متعلق ان کی روایت اور بیان کو ایک کافر کی بے سند تاریخی روایت کے برابر بھی نہ سمجھیں؟ تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو!

یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ جن کتابوں اور حوالوں کی بنیاد پر آپ حضرات نے یہ شگوفہ چھوڑا ہے کہ جن حدیثوں پر 'صحیح' کا لیبل چسپاں کیا گیا ہے، وہ حدیثیں قیدِ کتابت میں آنے سے پہلے زید، عمرو، بکر کی زبانوں پر بے روک ٹوک گشت کرتی تھیں اور قصہ گویوں، داستان سراؤں اور واعظوں کی گھڑی ہوئی ہیں ان کتابوں اور حوالوں سے آپ حضرات اپنا دعویٰ قطعاً ثابت نہیں کرسکتے۔ ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا

ان کتابوں اور حوالوں سے جو کچھ سمجھا جاسکتا ہے، وہ یہی ہے کہ اُسوۂ رسولؐ، صحابہ کرامؓ کے درمیان عملاً بھی محفوظ تھا اور قولاً بھی۔ اور اس کے بعد والے طبقوں تک منتقل ہوا۔ پھر تدوین حدیث کے زمانے میں کچھ لوگوں نے اپنے مختلف النوع اغراض کے لئے حدیثیں گھڑیں اور کوشش کی کہ اپنی گھڑی ہوئی احادیث کو اُسوۂ رسولؐ یعنی صحیح احادیث کے ساتھ گڈمڈ کرکے اپنے دیرینہ مقاصد کو حاصل کرلیں۔ مگر وہ اس میں بری طرح ناکام ہوئے۔ شیعوں نے اہل بیت کے سیاسی تفوق کے لئے حدیثیں گھڑیں۔ اباحیت پسندوں نے اپنی راہ ہموار کرنے کے لئے اور عقلیت پسندوں نے اپنی عقلیت کو وجہ جواز فراہم کرنے کے لئے۔ گھڑنے والوں نے اپنی جعلی احادیث کی ترویج کا طریقہ یہ سوچا کہ کچھ مشہور اصحاب حدیث کی صحیح اور قوی سندوں سے ان جعلی احادیث کو روایت کریں تاکہ کسی کو ان کی صحت میں شک نہ ہو۔ لیکن جوں ہی

یہ روایتیں اہل علم کے سامنے آئیں، گھڑنے والے پکڑے گئے۔ کیونکہ کسی بھی بڑے محدث کے ہزاروں شاگرد ہوا کرتے تھے۔ اب ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص اس محدث سے ایسی حدیث روایت کرے جو ان ہزاروں شاگردوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہ ہو اور وہ اس پر بھی اس کا اعتبار کرلیں۔ ایسے راوی پر فوراً جرح شروع ہوتی تھی۔ پچیسیوں تنقیحات ایسی تھیں کہ کسی جعلساز کے لئے نکل بھاگنے کی کوئی راہ باقی نہ بچتی۔ تھوڑی سی زد وخورد کے بعد اسے ہتھیار ڈال دینے پڑتے اور اپنی جعلسازی کا اقرار کرلینا پڑتا۔

محدثین نے حدیث کی صحت پرکھنے کے لئے ایسے سخت اصول وضوابط بنائے اور ایسا کڑا معیار مقرر کیا کہ دنیا آج تک اس کی نظیر نہ لاسکی۔ کوئی دس لاکھ افراد کی زندگیاں کھنگال کر رکھ دیں۔ پھر جملہ افراد کو اس کسوٹی پر پرکھ کر کھرا کھوٹا الگ کر دکھایا۔

تدوینِ حدیث کے تیسرے اور چوتھے دور میں ان جعلی احادیث کا ذخیرہ بھی تالیفی شکل میں باقاعدہ علیحدہ کردیا گیا، تاکہ راہِ حق کے راہرو کے لئے کسی بھی مرحلہ میں مشکل پیش نہ آسکے!!

یہ ہے کہ واقعہ کی اصل صورت جو ان کتابوں اور حوالوں سے مستفاد ہوتی ہے جن کی بنیاد پر آپ حضرات نے 'ایرانی سازش' کا بدبودار افسانہ تیار کیا ہے۔ اگر آپ کا ایمان بالقرآن آپ کو صدق ودیانت کی اجازت دیتا ہے تو واقعہ کو اس کی حقیقی صورت میں پیش کیجئے اور قبول کیجئے، ورنہ اپنے دعویٰ کی دلیل لایئے......!!

آپ کے استدلال کی نوعیت بالکل وہی ہے کہ کسی گھر میں چور گھس جائے تو آپ گھر والے ہی کو چور کہنے لگیں اور جب آپ سے ثبوت مانگا جائے تو آپ فرمائیں کہ ثبوت یہ ہے کہ اس کے گھر میں چور گھسے تھے، یا کوئی پولیس پارٹی ڈاکوؤں کو گرفتار کر لائے تو آپ پولیس پارٹی ہی کو ڈاکو کہیں اور ثبوت یہ پیش کریں کہ انہوں نے ڈاکوؤں کو گرفتار کیا ہے۔

جنابِ والا! محدثین نے جعل سازوں سے کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے اور نہ اپنے ذخیرے میں ان کی روایات کو دَر آنے دیا ہے؛ بلکہ ان کی جعل سازی پکڑ کر لوگوں کو بتلایا ہے کہ فلاں نے فلاں سے روایتیں گھڑی ہیں۔ اس فرض شناسی پر خود محدثین اور ان کی روایتیں آخر موردِ الزام کیسے ٹھہر گئیں۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

آپ نے ذرا آگے چل کر اسی سلسلے میں اناجیل اربعہ کی استنادی حیثیت کی کمزوری بھی بطورِ شہادت پیش کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ذہن پر یہ ضابطہ کابوس بن کر مسلط ہو چکا ہے کہ کوئی بھی واقعہ اسی وقت قابل قبول ہوسکتا ہے جب کہ وہ علی الفور قیدِ کتابت میں آچکا ہو۔ صرف چند برسوں کی تاخیر بھی اسے مشکوک بلکہ ناقابل قبول بنا دینے کے لئے کافی ہے، اگرچہ درمیان کے ناقلین اور

رواۃ کتنے ہی زیادہ مستند اور قابل اعتماد کیوں نہ ہوں، بلکہ خود واقعہ کے عینی شاہد ہی نے اسے کیوں نہ قلم بند کیا ہو۔

میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ کا یہ ضابطہ تسلیم کرلیا جائے تو پھر قرآن مجید کی استنادی حیثیت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ قرآنِ مجید میں گذشتہ اقوام (قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ مدین واصحاب الایکہ، قومِ ابراہیم، قومِ لوط، قومِ سبا وغیرہ وغیرہ) کے واقعات ان کے وقوع کے ہزار ہا ہزار برس کے بعد قلم بند کیے گئے ہیں۔ پھر آپ کے مذکورہ بالا اُصول کی رو سے انہیں کیونکر مستند تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ ایک دشمنِ اسلام بالکل آپ ہی کے لب ولہجہ اور اندازِ گفتگو میں کہہ سکتا ہے کہ یہ سارے واقعات عرب قصہ گو اور داستان سرا اپنی شبانہ محفلوں، قومی میلوں اور بازاری اجتماعات میں دارا وسکندر اور رستم واسفند یار کے قصوں کی طرح گرمی محفل کے لئے بیان کیا کرتے تھے۔ یہ محض عرب کی دیو مالائی کہانیوں کا حصہ تھے، ان کی کوئی حیثیت واہمیت نہ تھی۔ بلکہ یہ زید، عمرو، بکر کی زبان پر بے روک ٹوک گشت کیا کرتے تھے، لیکن ہزاروں برس بعد جب قرآن نے انہی قصوں کو قانونِ قدرت کے تاریخی تسلسل کی شہادت کی حیثیت سے پیش کیا تو کلامِ الٰہی بن گیا جس پر ایمان لانا واجب قرار پاگیا اور جس کا انکار کرنا کفر ٹھہر گیا۔ بھلا ان قصوں کا کیوں کر اعتبار کیا جائے جو ہزار ہا برس تک قصہ گویوں اور داستان سراؤں کا موضوعِ سخن بنے رہے، ہر کہ ومہ کی زبان پر بے روک ٹوک گشت کرتے رہے اور جنہیں ان کے وقوع کے ہزار ہا برس بعد ایک نبوت کے دعویدار نے قیدِ کتابت میں لاکر وحی الٰہی اور دین وایمان کا جزو قرار دے دیا۔

بتائیے! اگر آپ کے سامنے دشمن اسلام یہ سوال پیش کردے تو آپ اپنے مذکورہ بالا اُصول پر قائم رہتے ہوئے کیا جواب دے سکتے ہیں؟ اور اگر قرآن کی استنادی حیثیت ماننے اور منوانے کے سلسلے میں آپ اس اُصول کے پابند نہیں تو حدیث کی استنادی حیثیت کے معاملے میں اس اصول کی پابندی پر آپ کو اصرار کیوں ہے......؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو محفوظ، مستند اور قابل اعتماد قرار دینے کے لئے اس کا قیدِ کتابت میں آیا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے۔ یعنی یہ اُصول اور معیار ہی سرے سے غلط ہے کہ اگر کوئی بات اپنے وقوع کے وقت قیدِ کتابت میں آ گئی تو قابل اعتماد ہوگی، ورنہ نہیں۔ اس لئے یہ خیال صحیح نہیں کہ قرآن اس لئے قابل اعتماد واِستناد ہے کہ وہ لکھوا لیا گیا تھا۔ اور احادیث اس لئے قابل اعتماد واستناد نہیں کہ وہ عہدِ رسالت اور عہدِ خلافت میں لکھوائی نہیں گئی تھیں۔ بلکہ اس سلسلہ میں معاملہ کی جو صحیح نوعیت ہے، اسے ذیل کے الفاظ میں سنئے:

''اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ سمجھ لینی چاہئے کہ قرآن کو جس وجہسے لکھوایا گیا، وہ یہ تھی کہ اس کے الفاظ اور معنی دونوں من جانب اللہ تھے۔ اس کے الفاظ کی ترتیب ہی نہیں، اس کی آیتوں کی ترتیب اور سورتوں کی ترتیب بھی اللہ کی طرف سے تھی۔ اس کے الفاظ کو دوسرے الفاظ سے بدلنا بھی جائز نہ تھا۔ اور وہ اس لئے نازل ہوا تھا کہ لوگ انہی الفاظ میں اسی ترتیب کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔ اس کے مقابل میں سنت کی نوعیت بالکل مختلف تھی، وہ محض لفظی نہ تھی بلکہ عملی بھی تھی، اور جو لفظی تھی، اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ کی طرح بذریعہ وحی نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ حضور نے اس کو اپنی زبان میں ادا کیا تھا۔ پھر اس کا ایک بڑا حصہ ایسا تھا جسے حضور کے ہمعصروں نے اپنے الفاظ میں بیان کیا تھا۔ مثلاً یہ کہ حضور کے اخلاق ایسے تھے، حضور کی زندگی ایسی تھی، اور فلاں موقع پر حضورؐ نے یوں عمل کیا۔

حضورؐ کے اقوال وتقریریں نقل کرنے کے بارے میں بھی یہ پابندی نہ تھی کہ سننے والے انہیں لفظ بلفظ نقل کریں۔ بلکہ اہل زبان سامعین کے لئے یہ جائز تھا اور وہ اس پر قادر بھی تھے کہ آپ سے ایک بات سن کر معنی ومفہوم بدلے بغیر اسے اپنے الفاظ میں بیان کردیں۔ حضورؐ کے الفاظ کی تلاوت مقصود نہ تھی بلکہ اس تعلیم کی پیروی مقصود تھی جو آپ نے دی ہو۔ احادیث میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کی طرح یہ ترتیب محفوظ کرنا بھی ضروری نہ تھا کہ فلاں حدیث پہلے ہو اور فلاں اس کے بعد۔ اس بنا پر احادیث کے معاملے میں یہ بالکل کافی تھا کہ لوگ اسے یاد رکھیں اور دیانت کے ساتھ انہیں لوگوں تک پہنچائیں۔ ان کے معاملے میں کتابت کی وہ اہمیت نہ تھی جو قرآن کے معاملے میں تھی۔

دوسری بات جسے خوب سمجھ لینا چاہئے، یہ ہے کہ کسی چیز کے سند اور حجت ہونے کے لئے اس کا لکھا ہوا ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے۔ اعتماد کی اصل بنیاد اس شخص یا ان اشخاص کا بھروسے کے قابل ہونا ہے جس کے یا جن کے ذریعہ سے کوئی بات دوسرے تک پہنچے، خواہ وہ مکتوب ہو یا غیر مکتوب۔ خود قرآن کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے لکھوا کر نہیں بھیجا بلکہ نبی کی زبان سے اس کو بندوں تک پہنچایا۔ اللہ نے پورا انحصار اس بات پر کیا کہ جو لوگ نبی کو سچا مانیں گے، وہ نبی کے اعتماد پر قرآن کو ہمارا کلام مان لیں گے۔ نبی ﷺ نے بھی قرآن کی جتنی تبلیغ واشاعت کی، زبانی ہی کی۔ آپ کے جو صحابہ مختلف علاقوں میں جا کر تبلیغ کرتے تھے، وہ قرآن کی سورتیں لکھی ہوئی نہ لے جاتے تھے۔ لکھی ہوئی آیات اور سورتیں تو اس تھیلے میں پڑی رہتی تھیں جس کے اندر آپ ﷺ انہیں کاتبانِ وحی سے لکھوا کر ڈال دیا کرتے تھے۔ باقی ساری تبلیغ واشاعت زبان سے ہوتی تھی اور ایمان لانے والے اس ایک صحابی کے اعتماد پر یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ جو کچھ وہ سنا رہا ہے، وہ اللہ کا کلام ہے یا رسول اللہ ﷺ کا جو حکم وہ پہنچا رہا ہے، وہ حضور ہی کا حکم ہے۔

تیسرا اہم نکتہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ لکھی ہوئی چیز بجائے خود کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتی، جب تک

کہ زندہ اور قابل اعتماد انسانوں کی شہادت اس کی توثیق نہ کرے۔ محض لکھی ہوئی کوئی چیز اگر ہمیں ملے اور ہم اصل لکھنے والے کا خط نہ پہچانتے ہوں، یا لکھنے والا خود نہ بتائے کہ یہ اسی کی تحریر ہے، یا ایسے شواہد موجود نہ ہوں جو اس امر کی تصدیق کر دیں کہ یہ تحریر اسی کی ہے جس کی طرف منسوب کی گئی ہے تو ہمارے لئے محض وہ تحریر یقینی کیا معنی، ظنی حجت بھی نہیں ہو سکتی...... یہ ایک اصولی حقیقت ہے جسے موجودہ زمانے کا قانونِ شہادت بھی تسلیم کرتا ہے اور فاضل جج خود اپنی عدالت میں اس پر عمل فرماتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ قرآنِ مجید کے محفوظ ہونے پر ہم جو یقین رکھتے ہیں، کیا اس کی بنیاد یہی ہے کہ وہ لکھا گیا تھا؟ کاتبینِ وحی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے صحیفے جو حضورؐ نے املا کرائے تھے، آج دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ اگر موجود ہوتے تو بھی آج کون یہ تصدیق کرتا کہ یہ وہی صحیفے ہیں جو حضورؐ نے لکھوائے تھے۔ خود یہ بات بھی کہ حضورؐ اس قرآن کو نزولِ وحی کے ساتھ ہی لکھوا لیا کرتے تھے، زبانی روایات ہی سے معلوم ہوئی ہے، ورنہ اس کے جاننے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا۔ پس قرآن کے محفوظ ہونے پر ہمارے یقین کی اصل وجہ اس کا لکھا ہوا ہونا نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ زندہ انسان زندہ انسانوں سے مسلسل اس کو سنتے اور آگے زندہ انسانوں تک اسے پہنچاتے چلے آرہے ہیں۔ لہٰذا یہ خیال ذہن سے نکال دینا چاہئے کہ کسی چیز کے محفوظ ہونے کی واحد سبیل اس کا لکھا ہوا ہونا ہے۔

ان اُمور پر اگر فاضل جج اور ان کی طرح سوچنے والے حضرات غور فرمائیں تو انہیں یہ تسلیم کرنے میں ان شاء اللہ کوئی زحمت پیش نہ آئے گی کہ اگر معتبر ذرائع سے کوئی چیز پہنچے تو وہ سند بننے کی پوری قابلیت رکھتی ہے خواہ وہ لکھی نہ گئی ہو۔

تمام منکرین حدیث بار بار قرآن کے لکھے جانے اور حدیث کے نہ لکھے جانے پر اپنے دلائل کا دارومدار رکھتے ہیں۔ لیکن یہ بات کہ حضورؐ اپنے زمانے میں کاتبانِ وحی سے نازل شدہ وحی لکھوا لیتے تھے۔ اور اس تحریر سے نقل کر کے حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں قرآن کو مصحف کی شکل میں لکھا گیا، اور بعد میں اسی کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے شائع کیں، یہ سب کچھ محض حدیث کی روایات ہی سے دنیا کو معلوم ہوا ہے، قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نہ حدیث کی روایات کے سوا اس کی کوئی دوسری شہادت دنیا میں کہیں موجود ہے۔ اب اگر حدیث کی روایات سرے سے قابل اعتماد ہی نہیں تو پھر کس دلیل سے دنیا کو آپ یقین دلائیں گے کہ فی الواقع قرآن حضورؐ کے زمانے میں لکھا گیا تھا؟

کسی کا یہ کہنا کہ عہدِ نبوی کے رواجات، روایات، نظائر، فیصلوں، احکام اور ہدایات کا پورا ریکارڈ ہم کو 'ایک کتاب' کی شکل میں مرتب شدہ ملنا چاہئے تھا، درحقیقت ایک خالص غیر عملی طرزِ فکر ہے اور وہی شخص یہ بات کہہ سکتا ہے جو خیالی دنیا میں رہتا ہو۔ آپ قدیم زمانے کے عرب کی حالت چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے آج اس زمانے کی حالت کو لے لیجئے جب کہ احوال و وقائع کو ریکارڈ کرنے کے لئے ذرائع بے حد ترقی کر چکے ہیں۔ فرض کر لیجئے کہ اس زمانے میں کوئی لیڈر ایسا

موجود ہے جو ۲۳ سال تک شب و روز کی مصروف زندگی میں ایک عظیم الشان تحریک برپا کرتا ہے۔ ہزاروں افراد کو اپنی تعلیم وتربیت سے تیار کرتا ہے۔ ان سے کام لے کر ایک پورے ملک کی فطری، اخلاقی، تمدنی اور معاشی زندگی میں انقلاب پیدا کرتا ہے۔ اپنی قیادت و رہنمائی میں ایک نیا معاشرہ اور ایک نئی ریاست وجود میں لاتا ہے۔ اس معاشرے میں اس کی ذات ہر وقت ایک مستقل نمونہ ہدایت بنی رہتی ہے۔ ہر حالت میں لوگ اس کو دیکھ دیکھ کر یہ سبق لیتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ ہر طرح کے لوگ شب و روز اُس سے ملتے رہتے ہیں اور وہ ان کو عقائد و افکار، سیرت و اخلاق، عبادات و معاملات، غرض ہر شعبۂ زندگی کے متعلق اُصولی ہدایات بھی دیتا ہے اور جزئی اَحکام بھی۔ پھر اپنی قائم کردہ ریاست کا فرمانروا، قاضی، شارع، مدبر اور سپہ سالار بھی تنہا وہی ہے۔ اور دس سال تک اس مملکت کے تمام شعبوں کو وہ خود اپنے اُصولوں پر قائم کرتا اور اپنی رہنمائی میں چلاتا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آج اس زمانے میں یہ سارا کام کسی ایک ملک میں ہو تو اس کا ریکارڈ 'ایک کتاب' کی شکل میں مرتب ہوسکتا ہے؟

کیا ہر وقت اس لیڈر کے ساتھ ٹیپ ریکارڈ لگا رہ سکتا ہے؟ کیا ہر آن فلم کی مشین اس کی شبانہ روز نقل وحرکت ثبت کرنے میں لگی رہ سکتی ہے؟ اور اگر یہ نہ ہوسکے تو کیا آپ کہیں گے کہ وہ ٹھپا جو اس لیڈر نے ہزاروں لاکھوں افراد کی زندگی پر، پورے معاشرے کی ہیئت اور پوری ریاست کے نظام پر چھوڑا ہے، سرے سے کوئی شہادت ہی نہیں ہے جس کا اعتبار کیا جاسکے؟ کیا آپ یہ دعویٰ کریں گے کہ اس لیڈر کی تقریر سننے والے، اس کی زندگی دیکھنے والے، اس سے ربط وتعلق رکھنے والے بے شمار افراد کی رپورٹیں سب کی سب ناقابل اعتماد ہیں، کیونکہ خود اس لیڈر کے سامنے وہ 'ایک کتاب' کی شکل میں مرتب نہیں کی گئیں اور لیڈر نے ان پر اپنے ہاتھ سے مہر تصدیق ثبت نہیں کی؟ کیا آپ فرمائیں گے کہ اس کے عدالتی فیصلے اور اس کے انتظامی احکام، اس کے قانونی فرامین، اس کے صلح و جنگ کے معاملات کے متعلق جتنا مواد بھی بہت سی مختلف صورتوں میں موجود ہے، اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک 'جامع و مانع کتاب' کی شکل میں تو ہے ہی نہیں؟'' (ترجمان القرآن: منصبِ رسالت نمبر، ص۳۳، ۳۴، ۱۶۳، ۳۳۶ تا ۳۳۸)

اس وضاحت کے بعد یہ بھی عرض ہے کہ آپ ذخیرۂ حدیث کو فن تاریخ کے معیار پر پورا اُترتا ہوا تسلیم نہیں کرتے، اس لئے آپ کو چیلنج ہے کہ آپ دنیا کے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ معیارِ تاریخ کو معیارِ حدیث کے ہم پلہ ہی ثابت کردیجئے، صرف بڑا بول بول دینا کوئی کمال نہیں!!

الزام تراشی اور نگاری کلامی کے الزام کی حقیقت

آپ نے منکرین حدیث کا اندازِ اِدّعا بلکہ اندازِ افترا اختیار کرتے ہوئے حدیث کے ایک اور 'تاریک پہلو' کی نشاندہی کی ہے جسے آپ کے بقول 'اسلامی تاریخ' کا 'المیہ' کہنا چاہئے کہ حدیث کے

مجموعوں میں ایسی روایات بکثرت ملتی ہیں جو'الزام تراشی'، 'دروغ بافی' اور 'فحش نگاری' کا مرقع ہیں۔

اور اس 'بکثرت' کی مقدار خود آپ لوگوں کی نشاندہی کے مطابق ایک فیصدی بھی نہیں۔ کیا اسی کو 'بکثرت' کہا جاتا ہے؟ پھر جہاں تک 'دروغ بافی' کا سوال ہے تو حقیقت کھل چکی ہے۔ جب تک آپ یہودی مستشرقین کی خردبین لگا کر دیکھیں گے، یرقان کے مریض کی طرح آپ کو ہر طرف دروغ ہی دروغ نظر آئے گا کیونکہ یہ مرض آپ کے رَگ و پے میں سرایت کرچکا ہے۔ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ آپ حقیقت پسندی اختیار کریں۔ اور معاملہ کو اس کی صحیح اور اصل شکل میں ملاحظہ فرمائیں۔ ورنہ جب تک آپ گھر کے مالک اور محافظ کو چور اور پولیس پارٹی کو ڈاکو سمجھیں گے، آپ کو اس بیماری سے نجات نہیں مل سکتی۔

باقی رہا 'الزام تراشی' اور 'فحش نگاری' کا دعویٰ تو یہ بھی سراسر زبردستی ہی ہے۔ آپ کے اشارے یا تو ان روایات کی طرف ہیں جن کے جھوٹ ہونے کی قلعی خود محدثین نے کھول دی ہے۔ لیکن آپ کمال ڈھٹائی سے ان چوری پکڑنے والوں ہی کو چور کہہ رہے ہیں یا پھر آپ نے ایسی باتوں کو'الزام تراشی' اور 'فحش نگاری' قرار دے دیا ہے جن کی نظیریں خود قرآن میں موجود ہیں۔ تو کیا (نعوذ باللہ) آپ قرآن میں 'الزام تراشی' اور 'فحش نگاری' تسلیم کریں گے؟ اگر نہیں تو پھر حدیث اور روایات کی ویسی ہی باتوں کو آپ 'الزام تراشی' اور 'فحش نگاری' قرار دینے پر کیوں تلے بیٹھے ہیں؟ آپ نے جن روایات کی طرف اشارہ کیا ہے، آیئے اُنہیں میں سے ایک آدھ سے اس کی توضیح کرتے ہیں:

آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لیا ہے۔ ان کی بابت صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ اُنہوں نے اپنی زندگی میں تین کذبات کا ارتکاب کیا ہے۔ کذب، جھوٹ، غلط اور خلافِ واقعہ بات کو کہتے ہیں۔ صحیح بخاری کی یہ روایت سنتے ہی آپ حضرات بھی، اور قائلین حدیث میں سے بعض عقلیت پسند بھی سیخ پا ہوجاتے ہیں۔ لیکن آیئے ذرا سنجیدگی سے اس روایت پر غور کریں!!

اس روایت میں جن تین کذبات کا انتساب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کیا گیا ہے، ان میں سے دو کی تفصیلات خود قرآن میں مذکور ہیں۔ قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ

> حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے باتیں کررہے تھے۔ اچانک انہوں نے تاروں پر ایک نظر ڈالی اور کہا کہ میں بیمار ہوں۔ قوم چلی گئی اور حضرت ابراہیم نے جھٹ اُٹھ کر ان کے بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ قوم نے واپس آکر معاملے کی تفتیش کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ تمہاری حرکت ہے؟ انہوں نے کہا: بلکہ اس بڑے بت نے یہ حرکت کی ہے، اگر تمہارے یہ معبود بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو......الخ

اس میں دو باتیں قابل غور ہیں: (۱) ایک یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کا عذر جس

سیاق وسباق میں کیا تھا، اس کا منشا یا تو یہ تھا کہ میں تمہارے ساتھ چلنے کے لائق نہیں۔ یا یہ کہ بیماری کے سبب میرے لئے بات چیت کرنی مشکل ہے۔لیکن جوں ہی قوم ہٹی، وہ جھٹ اُٹھے اور بتوں پر پل پڑے۔ اگر واقعتاً وہ ایسے ہی بیمار تھے جیسی بیماری کا اظہار فرمایا تھا تو کیا وہ بت خانے تک پہنچ سکتے تھے؟ اور بتوں کو توڑ سکتے تھے؟ (۲) دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے بت شکنی کا الزام بڑے بت پر عائد کیا۔ کیا واقعتاً اُسی نے باقی بتوں کو توڑا تھا؟ یقیناً نہیں۔ ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دونوں باتیں خلافِ واقعہ کہی تھیں، جسے عربی زبان میں 'کذب' کہتے ہیں۔

تیسرے واقعہ کی تفصیل صحیح بخاری میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ

> ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سارہ کے ہمراہ ایک جابر حکمراں کے علاقے سے گزرے۔ وہ حکمراں خوبصورت عورتیں چھین لیتا تھا۔ اگر ساتھ میں شوہر ہوتا تو قتل کر دیا جاتا تھا۔ حضرت سارہ کو بھی اس حکمران نے طلب کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم مجھے اپنا بھائی ظاہر کرنا۔

متعدد مآخذ میں اس کی وضاحت بھی ہے کہ حضرت سارہ کچھ دور کے تعلق سے حضرت ابراہیمؑ کی بہن ہوتی تھی؛ یوں بھی وہ دینی بہن تھیں۔ لیکن جس سیاق میں وہ اپنے آپ کو بہن کہتیں، اس سے سننے والا یہ سمجھتا کہ وہ حقیقی بہن ہیں۔ اس لئے یہ بات خلافِ واقعہ ہوئی۔

یہ تینوں معاملے ایک اور پہلو سے بھی قابل غور ہیں۔ پہلے اور دوسرے موقع پر خلافِ واقعہ بولے بغیر بھی مقصد حاصل ہوسکتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہہ سکتے تھے کہ آج مجھے معاف رکھیں، میں آپ حضرات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسی طرح وہ بڑے بت کا نام لئے بغیر کہہ سکتے تھے کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ اپنے ان معبودوں سے پوچھ لو، اگر بولتے ہوں۔ لیکن تیسرا موقع بڑا نازک تھا۔ بیوی اور جان دونوں خطرے میں تھے۔ ایسی صورت میں قرآن نے ارتکابِ کفر کی اجازت دی ہے: ﴿اِلاَّ مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ﴾ اس لئے یہ تیسرا واقعہ بھی قرآن کی نگاہ میں معیوب نہیں۔

یہ ہے ان تین کذبات کا خلاصہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں سے پہلے دو کی نسبت خود قرآن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی ہے۔ صحیح بخاری میں ان کا صرف حوالہ دیا گیا ہے۔ البتہ تیسرا واقعہ صرف صحیح بخاری میں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ آپ اس نسبت کو 'الزام تراشی' اور 'دروغ بافی' کا مرقع قرار دے رہے ہیں تو آپ کے اس الزام کا صرف ۱/۳ حصہ صحیح بخاری پر عائد ہوتا ہے جس کے جواز کا فتویٰ دینے میں خود قرآن بھی شریک ہے اور اس الزام کا باقی ۲/۳ حصہ قرآن پر عائد ہوتا ہے۔ غور فرمائیے کہ آپ نے کس جسارت اور دلیری کے ساتھ حدیث دشمنی کے جوش میں قرآنِ مجید ہی کو 'الزام تراشی' اور 'دروغ بافی' کا مرقع قرار دے دیا۔ فنعوذ بالله من شرور أنفسنا

⊙ آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا نام بھی لیا ہے۔ حالانکہ صحیح احادیث میں تو ان پر کوئی الزام نہیں۔ بلکہ انہیں کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم کہا گیا ہے اور قید خانے میں ان کی ثابت قدمی پر ان کی مدح وتوصیف کی گئی ہے۔

البتہ قرآن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے حقیقی بھائی سے ساز باز کرکے ان کے غلے میں شاہی برتن رکھ دیا۔ پھر اپنے بھائیوں کے قافلے پر چوری کا الزام عائد کرا کر ان کی تلاشی لی اور حقیقت چھپانے کے لئے پہلے دوسرے بھائیوں کی تلاشی لی، پھر اپنے حقیقی بھائی کے غلہ سے برتن نکال کر دوسرے بھائیوں سے لئے گئے اقرار کے مطابق اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس روک لیا۔

غالباً آپ کے ذہن میں یہی واقعہ تھا۔لیکن آپ کو یہ یاد نہیں رہا کہ اس کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ اسلئے آپ نے اسے شانِ انبیا کے خلاف سمجھ کر احادیث اور روایتوں پر 'الزام تراشی' کا الزام تراشنے میں اپنی چابک دستی کا مظاہرہ فرما دیا۔لیکن آپ کی اس چابک دستی کی زَد حدیث کے بجائے قرآن پر آ پڑی۔

قریب قریب یہی معاملہ ان بقیہ شخصیتوں کا ہے جن کے اسماءِ گرامی آپ نے ذکر کئے ہیں، اگر تفصیل میں آپ جانا چاہتے ہیں تو چلئے ہم بھی تیار ہیں ع

سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار میں مجنوں   کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے!

ہماری اس توضیح سے یہ حقیقت بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ آیا امام بخاریؒ کا نام سن کر جماعت اہلحدیث پر 'سہم کا دورہ' پڑ جاتا ہے، یا آپ حضرات پر جوشِ مخالفت میں سرسامی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، جس کے بعد آپ حضرات کو ہوش ہی نہیں رہتا کہ آپ کیا بک رہے ہیں اور کس کے خلاف بک رہے ہیں۔

آپ نے حدیث پر 'مثلہ معہ' کی پھبتی بھی چست فرمائی ہے۔مگر بتایئے کہ جب قرآن مجید نے اُسوۂ رسولؐ کو مدارِ نجات قرار دے کر اپنے بنیادی احکام تک کی تفصیلات اسی پر چھوڑ دی ہیں، اور اس اُسوۂ کو اس حد تک وسعت دی ہے کہ پیغمبروں کے خواب تک کو وحی الٰہی اور حکم الٰہی کا درجہ دے رکھا ہے اور جگہ جگہ ایسی وحی کے حوالے دیئے ہیں جن کا قرآن میں کہیں نام ونشان تک نہیں تو خود اس قرآن کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا؟ حدیث سے پہلے آپ کی اس پھبتی کی زَد تو خود قرآن ہی پر پڑ رہی ہے۔اگر آپ اسے ماننے کے لئے تیار نہیں تو آئندہ ہم اس اجمال کی تفصیل بھی پیش کرسکتے ہیں۔

اَن گنت راویوں پر ایمان لانے کا معاملہ

آپ نے یہ بھی سوال اٹھایا ہے کہ قرآن پر ایمان لانے کے لئے رسولؐ کی رسالت پر ایمان لانا

ضروری ہے۔ پس اسی طرح روایتوں کو حدیثِ رسولؐ ماننے کے لئے تمام راویوں پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔تو کیا ہمیں اللہ اور رسولؐ کی طرف سے اَن گنت راویوں پر ایمان لانے کی تکلیف دی گئی ہے؟

اولاً : میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے حضورؐ کو خود دیکھا ہے؟ اور حضورؐ پر قرآن کے نزول کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ بلکہ آپ تو چودھویں صدی میں پیدا ہوئے ہیں۔ اب آپ بتائیے کہ آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوا کہ حضور پیغمبر تھے؟ اور آپ پر یہی قرآن نازل ہوا تھا جو اس وقت ہمارے ہاں متداول ہے؟ آپ یہی کہیں گے کہ اس امت کے اجتماعی نقل وتواتر سے یہ قرآن ہم تک پہنچا ہے، اس لئے ہم اس کی صحت کا یقین رکھتے ہیں۔

اب مجھے عرض کرنے دیجئے کہ آپ کے مقرر کئے ہوئے اُصول کے مطابق قرآن پر ایمان لانے کے لئے صرف حضورؐ کی رسالت پر ایمان لانا کارآمد نہ ہوسکے گا، بلکہ اس چودہ سو برس کے دوران پیدا ہونے والے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر (خواہ زاہد ومتقی ہوں، خواہ فاسق و فاجر) ایمان لانا ہوگا تو کیا ہمیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اس اُمت کے اَن گنت نیک و بدانسانوں پر ایمان لانے کی تکلیف دی گئی ہے؟ ذَلِك لله

ثانیاً : قرآن نے جو یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کرلو، جس کا صاف تقاضا یہ ہے کہ اگر 'متقی' خبر لائے تو تحقیق کی بھی حاجت نہیں، یوں ہی مان لو۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اگر اُسوۂ رسولؐ کے متعلق کوئی شخص کوئی خبر دے تو قرآن کے اس اصول اور حکم پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ اگر قرآن کے اس حکم پر عمل کیا گیا، اور اس کی بتائی ہوئی خبر قابل قبول ثابت ہوئی تو کیا اس خبر کو ماننے کیلئے اس شخص پر ایمان لانا پڑے گا؟ اگر ایمان لانا پڑے گا تو پھر ایسے جتنے بھی افراد پر ایمان لانا پڑے، لائیے؛ یہ تو عین حکم قرآنی کا اتباع ہوگا۔ اور اگر نہیں لانا پڑے گا تو پھر آپکے اس چیخ و پکار کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ روایتوں کو قبول کرنے کا مطالبہ کرکے درحقیقت ہم سے اَن گنت راویوں پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا جارہا ہے؟

اللہ کے بندے! اپنے تفقہ فی الدین اور تدبر فی القرآن کی کچھ تو لاج رکھنی تھی۔ ہماری پچھلی گذارشات سے واضح ہوچکا ہے کہ آپ جس چیز کو ایک 'ٹھوس حقیقت' سمجھے بیٹھے ہیں وہ درحقیقت ایک پھسپھسا تخیل ہے جس کی حیثیت ﴿كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ن اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ﴾ (ابراہیم:۲۶) سے زیادہ نہیں ہے۔

اگر کوئی ٹھوس حقیقت ہے تو صرف یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب پر ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا، آپ کی اطاعت کرنا، آپ کے فیصلوں کو دل کی

تنگی و ناگواری کے بغیر تسلیم کرنا اور ان فیصلوں کے مقابل میں اپنے آپ کو خود مختار نہ سمجھنا، آپ کے اُسوے اور طریق عمل کی پیروی کو رضاے الٰہی اور نجاتِ آخرت کا مدار سمجھنا اور آپ کے اوامر ونواہی کی پابندی کرنا فرض ہے۔ یہ سارا فرض خود قرآن نے عائد کیا ہے، اس فرض کو عائد کرنے کے بعد اس نے دین کے بڑے اہم اہم اور بنیادی قسم کے مسائل میں خاموشی اختیار کرلی ہے۔ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم سینکڑوں جگہ دیا ہے مگر ان کی تفصیلات سے خاموشی ہے۔ اسی طرح اس نے زندگی کے بے شمار مسائل میں صرف بعض بنیادی اُمور کی طرف اشارہ کرکے خاموشی اختیار کرلی ہے۔ کیونکہ اس نے باقی تفصیلات کا دارومدار اُسوۂ رسولؐ پر رکھ دیا ہے۔

اب جو لوگ یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ قرآن سے باہر اُسوۂ رسولؐ کہیں بھی محفوظ نہیں رہ گیا ہے، اور احادیث کے نام سے جو ذخائر اُمت کے ہاتھ میں متداول ہیں، ان کی کوئی حیثیت اور کوئی مقام نہیں، وہ درحقیقت قرآن کو ناقابل عمل اور اس کی رہنمائی کو سراپا لغو سمجھ رہے ہیں، اور انکارِ حدیث کا لبادہ اوڑھ کر قرآنی تعلیمات کو روندنے اور کچلنے کی کوشش کررہے ہیں۔

وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز و درماندہ اور مجبور و بے بس سمجھ رہے ہیں کہ اس نے اُسوۂ رسولؐ کی پیروی کا حکم تو دے دیا اور اسے مدارِ نجات تو ٹھہرا دیا، لیکن چند ہی برس بعد جب چند 'ایرانی سازشیوں' نے اس اُسوۂ رسولؐ کے خلاف 'سازش' کی تو اپنی تمام تر قوت وطاقت، ملک و جبروت اور حکمت وقہرمانی کے باوجود ان کی 'سازش' کو ناکام نہ بنا سکا، اُمتِ مرحومہ کی دستگیری نہ کرسکا اور ہمیشہ کے لئے گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیا۔

وہ لوگ اپنے یہودی مستشرقین کی پلائی ہوئی شراب 'حقیقت پسندی' کے نشے میں بدمست ہوکر ساری اُمت کو بیوقوف سمجھ بیٹھے ہیں اور سول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی شاہراہِ ہدایت سے کٹ کر اور لوگوں کو کاٹ کر اپنی عقلی تک بندیوں کے خارزار پر دوڑانا چاہتے ہیں، جو سراسر بے انصافی اور انتہائی زیادتی ہے اور جس کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء:۱۱۵)

''جو شخص ہدایت واضح ہوجانے کے بعد رسول اللہؐ کی مخالفت اختیار کرے گا، اور مؤمنین کی راہ سے الگ تھلگ اپنی راہ بنائے گا، ہم اسے اسی راہ پر ڈال دیں گے جسے اس نے اختیار کیا ہے، اور اسے جہنم میں جلائیں گے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔''

☆☆

حجیتِ حدیث

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

'حجیتِ حدیث' پر بعض شبہات کا جائزہ

ذیل میں جسٹس ایس اے رحمٰن کے ایک خط پر مولانا کا تبصرہ شائع کیا جارہا ہے۔ یہ خط اس مراسلت کا ایک حصہ ہے جو 'ترجمان القرآن' کے صفحات میں موصوف اور پروفیسر عبدالحمید صدیقی کے درمیان ہوئی تھی۔ ادارہ

جسٹس ایس اے رحمٰن اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:

''جہاں تک قرآن حکیم کا تعلق ہے، تفسیر وتعبیر کا حق برقرار رکھتے ہوئے ہر شخص اس سے اتفاق کرے گا لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں......سنت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔''

ان الفاظ سے یہ گمان ہوتا ہے کہ موصوف کے نزدیک قرآن تو اسلامی احکام معلوم کرنے کے لئے ضرور مرجع وسند ہے مگر وہ سنت کو یہ حیثیت دینے میں اس بنا پر متامل ہیں کہ اس کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اب یہ بات ان کے بیان سے واضح نہیں ہوتی کہ اس مسئلے میں کیا چیز مختلف فیہ ہے؟

کیا سنت کا ماخذِ قانون ہونا مسلمانوں میں اختلافی مسئلہ ہے؟

اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ بجائے خود سنت (یعنی رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل اور امرونہی) کا ماخذِ قانون اور مرجعِ احکام ہونا ہی مختلف فیہ ہے تو میں عرض کروں گا کہ یہ ایک خلافِ واقعہ بات ہے۔ جس روز سے اُمتِ مسلمہ وجود میں آئی ہے، اس وقت سے آج تک یہ بات اہل اسلام میں کبھی مختلف فیہ نہیں رہی ہے۔ تمام اُمت نے ہمیشہ اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مؤمنوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطاع اور متبوع ہیں، ان کے حکم کی اطاعت اور ان کے امرونہی کا اتباع ہر مسلمان پر واجب ہے۔ جس طریقے پر چلنے کی انہوں نے اپنے قول وعمل اور تقریر سے تعلیم دی ہے، اس کی پیروی پر ہم مامور ہیں اور زندگی کے جس معاملے کا بھی انہوں نے فیصلہ کردیا ہے، اس میں کوئی دوسرا فیصلہ کرلینے کے ہم مجاز نہیں ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ تاریخ اسلام کی گذشتہ ۱۴ صدیوں میں کس نے اور کب اس سے اختلاف کیا ہے۔ نرالی اُپج نکالنے والے کچھ منفرد اور شاذ قسم کے خبطی تو دنیا میں ہمیشہ ہر گروہ میں پائے جاتے رہے ہیں۔ اس طرح کے افراد نے کبھی مسلماتِ قوم کے خلاف کوئی بات کردی ہو تو اس کی بنا پر یہ کہہ دینا صحیح نہیں ہے کہ ایک عالم گیر مسلمہ مختلف فیہ ہوگیا ہے، اس لئے وہ مسلمہ نہیں رہا۔ اس طرح تو خبطیوں کی تاخت سے قرآن بھی نہیں بچا ہے۔ کہنے والے تحریفِ قرآن تک کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں۔ اب کیا

ان کی وجہ سے ہم کلامِ الٰہی کے مرجع وسند ہونے کو بھی مختلف فیہ مان لیں گے......؟

کیا اختلاف کی گنجائش ہونا سنت کے ماخذِ قانون ہونے میں مانع ہے؟

لیکن اگر سنت کا بجائے خود مرجع وسند ہونا مختلف فیہ نہیں ہے بلکہ اختلاف جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے اور ہوا ہے، وہ اس امر میں ہے کہ کسی خاص مسئلے میں جس چیز کے سنت ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہو وہ فی الواقع سنتِ ثابتہ ہے یا نہیں؟ تو ایسا ہی اختلاف قرآن کی آیات کے مفہوم ومنشا میں بھی واقع ہوتا ہے۔ ہر صاحبِ علم یہ بحث اٹھا سکتا ہے کہ جو حکم کسی مسئلے میں قرآن سے نکالا جارہا ہے، وہ درحقیقت اس سے نکلتا ہے یا نہیں؟ فاضل مکتوب نگار نے خود قرآن مجید میں اختلاف تفسیر وتعبیر کا ذکر کیا ہے اور اس اختلاف کی گنجائش ہونے کے باوجود وہ بجائے خود قرآن کو مرجع وسند مانتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اسی طرح الگ الگ مسائل کے متعلق سنتوں کے ثبوت وتحقیق میں اختلاف کی گنجائش ہونے کے باوجود فی نفسہٖ 'سنت' کو مرجع وسند تسلیم کرنے میں انہیں کیوں تامل ہے؟

یہ بات ایک ایسے فاضل قانون دان سے جیسے کہ محترم مکتوب نگار ہیں، مخفی نہیں رہ سکتی کہ قرآن کے کسی حکم کی مختلف ممکن تعبیرات میں سے جس شخص، ادارے یا عدالت نے تفسیر وتعبیر کے معروف علمی طریقے استعمال کرنے کے بعد بالآخر جس تعبیر کو حکم کا اصل منشا قرار دیا ہو، اس کے علم اور دائرہ کار کی حد تک وہی حکمِ خدا ہے، اگرچہ یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ حقیقت میں بھی وہی حکم خدا ہے۔ بالکل اسی طرح سنت کی تحقیق کے علمی ذرائع استعمال کرکے کسی مسئلہ میں جو سنت بھی ایک فقیہ، یا لیجسلیچر (قانون ساز مجلس) یا عدالت کے نزدیک ثابت ہوجائے، وہی اس کے لئے حکم رسولؐ ہے، اگرچہ قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حقیقت میں رسولؐ کا حکم وہی ہے۔

ان دونوں صورتوں میں یہ امر تو ضرور مختلف فیہ رہتا ہے کہ میرے نزدیک خدا یا رسول کا حکم کیا ہے اور آپ کے نزدیک کیا؟ لیکن جب تک میں اور آپ خدا اور اس کے رسولؐ کو آخری سند (Final Authority) مان رہے ہیں، ہمارے درمیان یہ امر مختلف فیہ نہیں ہوسکتا کہ خدا اور اس کے رسول کا حکم بجائے خود ہمارے لئے قانون واجب الاتباع ہے۔ لہٰذا میں جناب ایس اے رحمٰن صاحب کی یہ بات سمجھنے سے معذور ہوں کہ احکامِ فقہ کی تحقیق میں وہ قرآن کو تو ان اختلافات کے باوجود مرجع وسند مانتے ہیں جو اس کے منشا کی تعیین میں واقع ہوسکتے ہیں اور ہوئے ہیں، مگر سنت کو یہ حیثیت دینے میں اس بنا پر تامل کرتے ہیں کہ جزئیاتِ مسائل کے متعلق سنتوں کی تشخیص کرنے میں اختلافات واقع ہوئے ہیں اور ہوسکتے ہیں۔

کیا احادیثِ موضوعہ کی موجودگی واقعی بے اطمینانی کی موجب ہے؟

آگے چل کر صاحبِ موصوف سنت کو سند قرار نہ دینے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ''متعدد احادیث موضوعہ، متداولہ مجموعوں میں شامل ہوگئی ہیں۔'' اور اس کے ساتھ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''اس موضوع پر ضخیم کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔''

بظاہر اس ارشاد سے ان کا مدعا یہ متصور ہوتا ہے کہ سنت ایک مشکوک چیز ہے۔ ممکن ہے کہ یہ شبہ اختصارِ بیان کی وجہ سے پیدا ہوتا ہو اور فی الواقع ان کا مدعا یہ نہ ہو۔ لیکن اگر ان کا مدعا یہی ہے تو میں عرض کروں گا کہ وہ اس مسئلے پر مزید غور فرمائیں۔ ان شاء اللہ انہیں خود محسوس ہوگا کہ جس چیز کو وہ سنت کے مشکوک ہونے کی دلیل سمجھ رہے ہیں، وہی دراصل اس کے محفوظ ہونے کا اطمینان دلاتی ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے اس سوال کو چھوڑ دیتا ہوں کہ وہ کون سے متداول مجموعے ہیں جن میں احادیثِ موضوعہ شامل ہوگئی ہیں۔ اگرچہ مختلف محدثین نے جو مجموعے بھی مرتب کئے ہیں، ان میں اپنی حد تک پوری چھان بین کرکے انہوں نے یہی کوشش کی ہے کہ قابل اعتماد روایات جمع کریں۔ مگر اس معاملے میں صحاحِ ستہ اور موطأ کا پایہ کس قدر ہے، وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ تاہم تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ سن بھی لیں کہ سب مجموعوں میں موضوعات نے کچھ نہ کچھ راہ پالی ہے تو غور طلب بات یہ ہے کہ وہ 'ضخیم کتابیں' جن کا ذکر فاضل مکتوب نگار کررہے ہیں، آخر ہیں کس موضوع پر؟ ان کا موضوع یہی تو ہے کہ کون کون سی حدیثیں وضعی ہیں، کون کون سے راوی کذاب اور وضاعِ حدیث ہیں، کہاں کہاں موضوع احادیث نے راہ پائی ہے، کس کتاب کی کون کون سی روایات ساقط الاعتبار ہیں، کن راویوں پر ہم اعتماد کرسکتے ہیں اور کن پر نہیں کرسکتے، 'موضوع' کو 'صحیح' سے جدا کرنے کے طریقے کیا ہیں اور روایات کی صحت، ضعف، علت وغیرہ کی تحقیق کن کن طریقوں سے کی جاسکتی ہے؟

ان ضخیم کتابوں کی اطلاع پاکر تو ہمیں امن کا ویسا ہی اطمینان حاصل ہوتا ہے جیسا کسی کو یہ سن کر ہو کہ بکثرت چور پکڑ لئے گئے ہیں، بڑے بڑے جیل خانے ان سے بھر گئے ہیں، بہت سے اموالِ مسروقہ برآمد کرلئے گئے ہیں اور سراغ رسانی کا ایک باقاعدہ انتظام موجود ہے جس سے آئندہ بھی چور پکڑے جاسکتے ہیں۔ لیکن تعجب کی بات ہوگی اگر کسی کے لئے یہی اطلاع اُلٹی بے اطمینانی کا موجب ثابت ہو اور وہ اسے بدامنی کے ثبوت میں پیش کرنے لگے۔ بے شک بڑی مثالی حالت امن ہوتی، اگر چوری کا سرے سے کبھی وقوع ہی نہ ہوتا۔ بلا شبہ اس طرح کی واردات ہوجانے سے کچھ نہ کچھ بے اطمینانی تو پیدا ہو ہی جاتی ہے، لیکن مکمل حالتِ امن زندگی کے اور کس معاملے میں ہم کو نصیب ہے جو یہاں ہم اسے طلب

کریں۔ جس حالت پر ہم دنیا میں بالعموم مطمئن رہتے ہیں، اس کے لئے اتنا امن کافی ہے کہ چوروں کی اکثریت پکڑ کر بند کردی جائے اور جو قلیل تعداد بھی آزاد پھر رہی ہو، اس کے پکڑے جانے کا معقول انتظام موجود ہو۔ کیا ہمارے سپریم کورٹ کے فاضل جج سنت کے معاملے میں اتنے امن پر قانع نہیں ہوسکتے؟ کیا وہ اس مکمل امن سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہیں جس میں سرے سے چوری کے وقوع ہی کا نام ونشان نہ پایا جائے......؟

روایات کی صحت جانچنے کے اصول

آخر میں فاضل محترم تحریر فرماتے ہیں:

''میں اس معاملے میں بھی افراط وتفریط کا قائل نہیں۔ سنن متوارث جن کا تعلق طریق عبادات مثلاً نماز یا مناسکِ حج وغیرہ سے ہے، ان کی حیثیت مصئون ومامون ہے۔ لیکن باقی ماندہ موادِ احادیث، روایت کے ساتھ درایت کے اصولوں پر پرکھا جانا چاہئے پیشتر اس کے کہ اس کی حجیت قبول کی جائے، میں تاریخی تنقید کا قائل ہوں۔''

یہ ایک حد تک صحیح نقطہ نظر ہے لیکن اس میں چند اُمور ایسے ہیں جن پر میں آں محترم کو مزید غور وفکر کی دعوت دوں گا۔ جس تاریخی تنقید کے وہ قائل ہیں، فنِ حدیث اسی تنقید ہی کا تو دوسرا نام ہے۔ پہلی صدی سے آج تک اس فن میں یہی تنقید ہوتی رہی ہے اور کوئی فقیہ یا محدث اس بات کا قائل نہیں رہا ہے کہ عبادات ہوں یا معاملات، کسی مسئلے کے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ سے نسبت دی جانے والی کسی روایت کو تاریخی تنقید کے بغیر حجت کے طور پر تسلیم کرلیا جائے۔ یہ فن حقیقت میں اس تنقید کا بہترین نمونہ ہے اور جدید زمانے کی بہتر سے بہتر تاریخی تنقید کو بھی مشکل ہی سے اس پر کوئی اضافہ وترقی (Improvement) کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ محدثین کی تنقید کے اُصول اپنے اندر ایسی نزاکتیں اور باریکیاں رکھتے ہیں جن تک موجودہ دور کے ناقدین تاریخ کا ذہن بھی ابھی تک نہیں پہنچا ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر میں بلاخوفِ تردید یہ کہوں گا کہ دنیا میں صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت وسیرت اور ان کے دور کی تاریخ کا ریکارڈ ہی ایسا ہے جو اس کڑی تنقید کے معیاروں پر کسا جانا برداشت کرسکتا تھا جو محدثین نے اختیار کی ہے، ورنہ آج تک دنیا کے کسی انسان اور کسی دور کی تاریخ بھی ایسے ذرائع سے محفوظ نہیں رہی ہے کہ ان سخت معیاروں کے آگے ٹھہر سکے اور اس کو قابل تسلیم تاریخی ریکارڈ مانا جاسکے۔ مجھے افسوس ہے کہ ہمارے جدید زمانے کے اہل علم اس فن کا تحقیقی مطالعہ نہیں کرتے اور قدیم طرز کے اہل علم جو اس میں بصیرت رکھتے ہیں، وہ اس کو عصر حاضر کی زبان اور اسالیبِ بیان میں پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اسی

وجہ سے باہر والے تو درکنار خود ہمارے اپنے گھر کے لوگ آج اس کی قدر نہیں پہچان رہے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علومِ حدیث میں سے اگر صرف ایک علل حدیث ہی کے فن کی تفصیلات سامنے رکھ دی جائیں تو دنیا کو معلوم ہو کہ تاریخی تنقید کس چیز کا نام ہے؟ تاہم میں یہ کہوں گا کہ مزید اصلاح وترقی کا دروازہ بند نہیں ہے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ روایات کو جانچنے اور پرکھنے کے جو اُصول محدثین نے اختیار کئے ہیں، وہ حرفِ آخر ہیں۔ آج اگر کوئی ان کے اصولوں سے اچھی طرح واقفیت پیدا کرنے کے بعد ان میں کسی کمی یا خامی کی نشاندہی کرے اور زیادہ اطمینان بخش تنقید کے لئے کچھ اُصول معقول دلائل کے ساتھ سامنے لائے تو یقیناً اس کا خیر مقدم کیا جائے گا☆ ہم میں سے آخر کون یہ نہ چاہے گا کہ کسی چیز کو رسول اللہ ﷺ کی سنت قرار دینے سے پہلے اس کے سنتِ ثابتہ ہونے کا تیقن حاصل کرلیا جائے اور کوئی کچی پکی بات حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب نہ ہونے پائے۔

'درایت' کی حقیقت

احادیث کے پرکھنے میں روایت کے ساتھ درایت کا استعمال بھی، جس کا ذکر محترم مکتوب نگار نے کیا ہے، ایک متفق علیہ چیز ہے۔ اگرچہ درایت کے مفہوم، اصول اور حدود میں فقہاء ومحدثین کے مختلف گروہوں کے درمیان اختلاف رہے ہیں، لیکن بجائے خود اس کے استعمال پر تقریباً اتفاق ہے اور دور صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک اسے استعمال کیا جارہا ہے البتہ اس سلسلے میں جو بات پیش نظر رہنی چاہئے اور مجھے امید ہے کہ فاضل مکتوب نگار کو بھی اس سے اختلاف نہ ہوگا، وہ یہ ہے کہ درایت صرف انہی لوگوں کی معتبر ہوسکتی ہے جو قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے مطالعہ وتحقیق میں اپنی عمر کا کافی حصہ صرف کرچکے

☆ یہاں نشان زدہ جملہ خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ فن حدیث میں ترمیم اور اضافہ کی اجازت اسے ہی دی جاسکتی ہے جو پہلے فن حدیث میں مہارت حاصل کرکے 'اہل فن' بن جائے، وہ محدثین کی خدمات کا اعتراف کرنے کے ساتھ اس فن میں انہی کے انداز میں مزید بہتری کا خواہش مند ہو۔ مثلاً اس دور میں علامہ البانی کی فن حدیث میں حیثیت مسلمہ رہی ہے، ان جیسی امتیازی محدثانہ شان رکھنے والا اگر کوئی ترمیم واضافہ کرنا چاہتا ہے تو وہی اضافہ فن حدیث میں اضافہ معتبر ہوگا۔ دیگر علوم میں بھی دنیا بھر میں یہی اصول چلتا ہے کہ ماہرفن ہی ترمیم واضافہ کے مجاز ہوتے ہیں۔

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں نکلتا کہ فن حدیث سے ناواقف شخص 'اصلاح' کے نام پر فن حدیث کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دے جیسا کہ اکثر منکرین حدیث کا اصل مقصد تو دین بیزاری اور عقل وفلسفہ پر اندھا اعتماد ہوتا ہے لیکن وہ اس کا اظہار احادیث کی تنقید کے نت نئے اُصول پیش کرکے کرتے ہیں۔ بعض کو عربی لغت کا لپکا ہوتا ہے اور بعض کو اپنے خانہ ساز مفہوم کو شریعت بنانے کا چسکا اور اس مقصد کے لئے وہ اپنا سارا زورِ تحقیق احادیث پر نکالتے ہیں۔ یہ رویہ کسی طور مناسب نہیں، بالخصوص اس کم علمی کے دور میں، ترمیم واصلاح کی عمومی اجازت دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گی۔

ہوں، جن میں ایک مدت کی ممارست نے ایک تجربہ کار جوہری کی سی بصیرت پیدا کردی ہو اور خاص طور پر یہ کہ جن کی عقل اسلامی نظامِ فکر وعمل کے حدودِ اربعہ سے باہر کے نظریات، اصول اور اقدار لے کر اسلامی روایات کو ان کے معیار سے پرکھنے کا رجحان نہ رکھتی ہو۔☆ بلاشبہ عقل کے استعمال پر ہم کوئی پابندی نہیں لگا سکے، نہ کسی کہنے والے کی زبان پکڑ سکتے ہیں لیکن بہرحال یہ امر یقینی ہے کہ اسلامی علوم سے کورے لوگ اگر اناڑی پن کے ساتھ کسی حدیث کو خوش آئند پاکر قبول اور کسی کو اپنی مرضی کے خلاف پاکر ردّ کرنے لگیں یا اسلام سے مختلف کسی دوسرے نظامِ فکر وعمل میں پرورش پائے ہوئے حضرات یکا یک اٹھ کر اجنبی معیاروں کے لحاظ سے احادیث کے ردّ وقبول کا کاروبار پھیلا دیں تو مسلم ملت میں نہ ان کی درایت مقبول ہوسکتی ہے اور نہ اس ملت کا اجتماعی ضمیر ایسے بے تکے عقلی فیصلوں پر کبھی مطمئن ہوسکتا ہے۔ اسلامی حدود میں تو اسلام ہی کی تربیت پائی ہوئی عقل اور اسلام کے مزاج سے ہم آہنگی رکھنے والی عقل ہی ٹھیک کام کرسکتی ہے۔ اجنبی رنگ ومزاج کی عقل یا غیر تربیت یافتہ عقل بجز اس کے کہ انتشار پھیلائے، کوئی تعمیری خدمات اس دائرے میں انجام نہیں دے سکتی۔

☆ مولانا کے ہاں درایت کے اسی کھلے مفہوم سے جو عقل، رائے اور ذوق کو بھی شامل ہو، علمائے اہل حدیث کو شدید اختلاف رہا ہے۔ مولانا کا یہ کہنا کہ ''جن میں ایک مدت کی ممارست نے ایک تجربہ کار جوہری کی سی بصیرت پیدا کردی ہو......'' دوسرے لفظوں میں یہ ایک ایسے میزان پر حدیث کے پورا اُترنے کا تقاضا ہے جس کی ذاتی حیثیت خود مولانا کے نزدیک مستند اور مستحکم نہیں۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''یہ چیز (مذکورہ کسوٹی) چونکہ سراسر ذوقی ہے اور کسی ضابطہ کے تحت نہیں آتی، نہ آسکتی ہے۔ اس لئے اس میں اختلاف کی گنجائش پہلے بھی تھی، اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی ......پھر یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ ایک شخص کا ذوق لامحالہ دوسرے شخص کے ذوق سے کلیۃً مطابق ہی ہو۔'' (تفہیمات: ص۳۲۴)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''ذوق کسی ضابطہ کے تحت نہیں آتا اور نہ ہی آسکتا ہے بلکہ ہر ایک کا ذوق اپنا اپنا ہے۔ اس لئے اس میں اختلاف کی گنجائش پہلے بھی رہی، اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔''

اگر مولانا کے اس تصورِ درایت کو مان لیا جائے تو یہ رفعِ اختلاف نہیں بلکہ اختلافات کی ایک ابتدا ہوگی۔ اسی تصورِ درایت پر تنقید کرتے ہوئے حافظ عبداللہ محدثؒ روپڑی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''...... جب ذوق ایک قسم کا مزاج ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ کے گہرے مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے تو وہ کون سی سنت ہے جس میں گہرے مطالعہ سے یہ مزاج پیدا ہوگا؟ اگر تو وہ سنت ایسی ہے جو سنداً صحیح ہو اور آپ کے ذوق کی تعمیر کرے، ظاہر ہے کہ اس سنت کی صحت سنداً ہی ہوگی کیونکہ وہ اس ذوق سے پہلے آپ کو پہنچ چکی ہوگی۔ تو برائے مہربانی اس ذوق کو پرے ہی رکھیں اور اسی صحت پر اکتفا کریں جو اس سے پہلے آپ کو حاصل تھی...... اسی طرح کتاب اللہ میں بھی گہرا مطالعہ بغیر سنت کے نہیں ہوسکتا کیونکہ سنت کتاب اللہ کی تفسیر ہے پس آپ کا ذوق بے وقت کی راگنی ہے۔''

سنت کے معتبر ہونے کے دلائل

سنت کی جو تقسیم محترم مکتوب نگار نے ''سنن متوارث جن کا تعلق طریق عبادت سے ہے'' اور ''باقی ماندہ مواد احادیث'' میں کی ہے، اور ان میں سے مقدم الذکر کو مصئون و مامون اور مؤخر الذکر کو محتاجِ تنقید قرار دیا ہے، اس سے اتفاق کرنا بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔ بظاہر اس تقسیم میں جو تصور کام کر رہا ہے، وہ یہ ہے کہ جو طریقے نبی اکرم ﷺ نے عبادات کے متعلق سکھائے تھے، وہ تو اُمت میں عملاً جاری ہوگئے اور نسل کے بعد نسل ان کی پیروی کرتی رہی، اس لئے یہ 'متوارث' سنن محفوظ رہ گئیں، باقی رہے دوسرے معاملاتِ زندگی تو ان میں حضور اکرم ﷺ کی ہدایات نہ عملاً جاری ہوئیں، نہ ان پر کوئی نظامِ تمدن ومعاشرت کام کرتا رہا، نہ وہ بازاروں اور منڈیوں میں رائج ہوئیں، نہ عدالتوں میں ان پر فیصلے ہوئے، اس لئے وہ بس متفرق لوگوں کی سینہ بسینہ روایات تک محدود رہ گئیں اور یہی مواد ایسا ہے کہ اب اس میں بڑی دیدہ ریزی کے بعد قابل اعتبار چیزیں تلاش کرنی ہوں گی۔ فاضل مکتوب نگار کا تصور اگر اس کے سوا کچھ اور ہے تو میں بہت شکر گزار ہوں گا کہ وہ میری غلط فہمی رفع کردیں۔ لیکن اگر یہی ان کا تصور ہے تو میں عرض کروں گا کہ ...... یہ تاریخِ سنت کی واقعی صورت حال سے مطابقت نہیں رکھتا!!

اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے عہدِ نبوت میں مسلمانوں کے لئے محض ایک پیر ومرشد اور واعظ نہیں تھے بلکہ عملاً ان کی جماعت کے قائد، رہنما، حاکم، قاضی، شارع، مربی، معلم سب کچھ تھے۔ اور عقائد وتصورات سے لے کر عملی زندگی کے تمام گوشوں تک مسلم سوسائٹی کی پوری تشکیل آپ ہی کے بتائے سکھائے اور مقرر کئے ہوئے طریقوں پر ہوئی تھی۔ اس لئے یہ کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے نماز، روزے اور مناسکِ حج کی جو تعلیم دی ہو، بس وہی مسلمانوں میں رواج پاگئی ہو، اور باقی باتیں محض وعظ و ارشاد میں مسلمان سن کر رہ جاتے ہوں۔ بلکہ فی الواقع جو کچھ ہوا وہ یہ تھا کہ جس طرح آپ ﷺ کی سکھائی ہوئی نماز فوراً مسجدوں میں رائج ہوئی اور اسی وقت جماعتیں اس پر قائم ہونے لگیں، ٹھیک اسی طرح شادی بیاہ اور طلاق و وراثت کے متعلق جو قوانین آپ ﷺ نے مقرر کئے، انہی پر مسلم خاندانوں میں عمل شروع ہوگیا، لین دین کے جو ضابطے آپ ﷺ نے مقرر کئے، انہیں کا بازاروں میں چلن ہونے لگا، مقدمات کے جو فیصلے آپ ﷺ نے کئے، وہی ملک کا قانون قرار پائے، لڑائیوں میں جو معاملات آپ ﷺ نے دشمنوں کے ساتھ اور فتح پاکر مفتوح علاقوں کی آبادی کے ساتھ کئے، وہی مسلم مملکت کے ضابطے بن گئے اور فی الجملہ اسلامی معاشرہ اور اس کا نظامِ حیات اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ انہی سنتوں پر قائم ہوا جو آپ ﷺ نے یا تو خود رائج کیں یا جنہیں پہلے کے مروّج طریقوں میں سے بعض کو برقرار رکھ کر آپ ﷺ

نے سنتِ اسلام کا جز بنا لیا۔ یہ وہ معلوم و متعارف سنتیں تھیں جن پر مسجد سے لے کر خاندان، منڈی، عدالت، ایوانِ حکومت اور بین الاقوامی سیاست تک مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے تمام ادارات نے حضورِ اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں عملدرآمد شروع کر دیا تھا اور بعد میں خلفائے راشدین کے عہد سے لے کر دورِ حاضر تک ہمارے اجتماعی ادارات کا ڈھانچہ انہی پر قائم ہے۔

پچھلی صدی تک تو ان ادارات کے تسلسل میں ایک دن کا انقطاع بھی واقع نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد اگر کوئی انقطاع رونما ہوا ہے تو صرف حکومت و عدالت اور پبلک لاء کے ادارات عملاً درہم برہم ہوجانے کی وجہ سے ہوا ہے۔ اگر آپ 'متوارث' سنتوں کی محفوظیت کے قائل ہیں تو عبادات اور معاملات دونوں سے تعلق رکھنے والی یہ سب معلوم و متعارف سنتیں متوارث ہی ہیں۔ ان کے معاملے میں ایک طرف حدیث کی مستند روایات اور دوسری طرف امت کا متواتر عمل، دونوں ایک دوسروں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ان میں مسلمانوں کی بے راہ روی سے جو الحاقی چیز بھی کبھی داخل ہوئی ہے، علماءِ اُمت نے اپنے اپنے دور میں بروقت 'بدعت' کی حیثیت سے اس کی الگ نشاندہی کردی ہے اور قریب قریب ہر ایسی بدعت کی تاریخ موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد کس زمانے سے اس کا رواج شروع ہوا، مسلمانوں کے لئے ان بدعات کو سننِ متعارفہ سے ممیّز کرنا کبھی مشکل نہیں رہا ہے۔

اخبارِ احاد کی حیثیت

ان معلوم و متعارف سنتوں کے علاوہ ایک قسم سنتوں کی وہ تھی جنہیں حضورِ اکرم ﷺ کی زندگی میں شہرت اور رواج عام حاصل نہ ہوا تھا، جو مختلف اوقات میں حضور اکرم ﷺ کے کسی فیصلے، ارشاد، امرونہی، تقریر واجازت یا عمل کو دیکھ کر یا سن کر خاص خاص اشخاص کے علم میں آئی تھیں اور عام لوگ ان سے واقف نہ ہوسکے تھے۔ یہ سنتیں عبادات اور معاملات دونوں ہی طرح کے اُمور سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ ان کا تعلق صرف معاملات سے تھا۔ ان سنتوں کا علم جو متفرق افراد کے پاس بکھرا ہوا تھا، اُمت نے اس کو جمع کرنے کا سلسلہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد فوراً ہی شروع کردیا۔ کیونکہ خلفا، حکام، قاضی، مفتی اور عوام سب اپنے اپنے دائرہ کار میں پیش آمدہ مسائل کے متعلق کوئی فیصلہ یا عمل اپنی رائے اور استنباط کی بنا پر کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری سمجھتے تھے کہ اس معاملے میں آنحضرت ﷺ کی کوئی ہدایت تو موجود نہیں ہے۔ اسی ضرورت کی خاطر ہر اس شخص کی تلاش شروع ہوئی جس کے پاس سنت کا کوئی علم تھا، اور ہر اس شخص نے جس کے پاس ایسا کوئی علم تھا خود بھی اس کو دوسروں تک پہنچانا اپنا فرض سمجھا۔ یہی روایتِ حدیث کا نقطہ آغاز ہے اور ۱۱ھ ہجری سے تیسری چوتھی صدی تک ان

متفرق سنتوں کو فراہم کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔

موضوعات گھڑنے والوں نے ان کے اندر آمیزش کرنے کی جتنی بھی کوششیں کیں وہ قریب قریب سب ناکام ہوگئیں، کیونکہ جن سنتوں سے کوئی حق ثابت یا ساقط ہوتا تھا، جن کی بنا پر کوئی چیز حرام یا حلال ہوتی تھی، جن سے کوئی شخص سزا پاسکتا تھا یا کوئی ملزم بری ہوسکتا تھا، غرض یہ کہ جن سنتوں پر احکام اور قوانین کا مدار تھا، ان کے بارے میں حکومتیں اور عدالتیں اور اِفتاء کی مسندیں اتنی بے پروانہیں ہوسکتی تھیں کہ یوں ہی اٹھ کر کوئی شخص 'قال النبیﷺ' کہہ دیتا اور ایک حاکم یا جج یا مفتی اسے مان کر کوئی حکم صادر کرڈالتا۔ اسی لئے جو سنتیں احکام سے متعلق تھیں، ان کے بارے میں پوری چھان بین کی گئی، سخت تنقید کی چھلنیوں سے ان کو چھانا گیا، روایت کے اصولوں پر بھی انہیں پرکھا گیا اور درایت کے اصولوں پر بھی، اور وہ سارا مواد جمع کردیا گیا جس کی بنا پر کوئی روایت مانی گئی ہے یا ردّ کردی گئی ہے تاکہ بعد میں بھی ہر شخص اس کے ردّ و قبول کے متعلق تحقیقی رائے قائم کرسکے۔

ان سنتوں کا ایک معتد بہ حصہ فقہا اور محدثین کے درمیان متفق علیہ ہے اور ایک حصے میں اختلافات ہیں۔ بعض لوگوں نے ایک چیز کو سنت مانا ہے اور بعض نے نہیں مانا۔ مگر اس طرح کے تمام اختلافات میں صدیوں اہل علم کے درمیان بحثیں جاری رہی ہیں اور نہایت تفصیل کے ساتھ ہر نقطہ نظر کا استدلال، اور وہ بنیادی مواد جس پر یہ استدلال مبنی ہے، فقہ اور حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ آج کسی صاحبِ علم کے لئے بھی مشکل نہیں ہے کہ کسی چیز کے سنت ہونے یا نہ ہونے کے متعلق تحقیق سے خود کوئی رائے قائم کرسکے۔ اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ سنت کے نام سے متوحش ہونے کی کسی کے لئے بھی کوئی معقول وجہ ہوسکتی ہے۔ البتہ ان لوگوں کا معاملہ مختلف ہے جو اس شعبۂ علم سے واقف نہیں ہیں اور جنہیں بس دور ہی سے حدیثوں میں اختلافات کا ذکر سن کر گھبراہٹ لاحق ہوگئی ہے!!

احکامی احادیث کی امتیازی حیثیت

اس سلسلے میں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ احادیث میں جو مواد احکام سے متعلق نہیں ہے بلکہ جس کی نوعیت محض تاریخی ہے، یا جو فتن، ملاحم، رقاق، مناقب، فضائل اور اسی طرح کے دوسرے اُمور سے تعلق رکھتا ہے، اس کی چھان بین میں وہ عرق ریزی نہیں کی گئی ہے جو احکامی سنتوں کے باب میں ہوئی ہے۔ اس لئے موضوعات نے اگر راہ پائی بھی ہے تو زیادہ تر انہی ابواب کی روایات میں پائی ہے۔ احکامی سنتیں بے اصل اور جھوٹی روایتوں سے تقریباً بالکل ہی پاک کردی گئی ہیں۔ ان سے تعلق رکھنے والی روایتوں میں ضعیف خبریں تو ضرور موجود ہیں مگر موضوعات کی نشاندہی مشکل ہی سے کی جاسکتی

ہے اور اخبارِ ضعیفہ میں سے بھی جس کسی کو فقہ کے کسی سکول نے قبول کیا ہے، اس بنا پر کیا ہے کہ اس کے نزدیک وہ قرآن سے، سنن متعارفہ کے جانے پہچانے نظام سے، اور شریعت کے جامع اُصولوں سے مناسبت رکھتی ہے۔

محترم مکتوب نگار کی چند سطروں پر یہ تفصیلی تبصرہ میں نے صرف اس لئے کیا ہے کہ یہ سطریں کسی عام آدمی کے قلم سے نہیں نکلی ہیں بلکہ ایک ایسے بزرگ کے قلم سے نکلی ہیں جنہیں ہمارے سپریم کورٹ کے جج کی بلند پوزیشن حاصل ہے۔ سنت کی شرعی و قانونی حیثیت کے متعلق اس پوزیشن کے بزرگوں کی رائے میں ذرّہ برابر بھی کوئی کمزور پہلو ہو تو وہ بڑے دور رَس نتائج پیدا کرسکتا ہے۔

قریب کے زمانے میں سنت کے متعلق عدلیہ کی بعض دوسری بلند پایہ شخصیتوں کے ایسے ریمارکس بھی سامنے آئے ہیں جو صحیح نقطہ نظر سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ جو باتیں میں نے اس تبصرے میں عرض کی ہیں، انہیں فاضل مکتوب نگار ہی نہیں، ہمارے دوسرے حکامِ عدالت بھی اسی بے لاگ نگاہ سے ملاحظہ فرمائیں جس کی ہم اپنی عدلیہ سے توقع رکھتے ہیں۔

('ترجمان القرآن' بابت دسمبر ۱۹۵۸ء)

حجیتِ حدیث

مولانا عبدالخالق محمد صادق
مرکز دعوۃ الجالیات، کویت

مقامِ حدیث اور بزمِ طلوعِ اسلام، کویت

'اصولِ حدیث' کی رو سے حدیث اور سنت دو مترادف اصطلاحات ہیں جن سے مراد نبی اکرم ﷺ کے اقوال و افعال اور تقریرات ہیں، گویا حدیث یا سنت قرآنِ کریم کی عملی تفسیر اور بیان وتشریح کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو نازل کرکے اس کے احکامات کی عملی تطبیق کے لئے نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو نمونہ قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

''بے شک رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں آپ کے لئے بہترین نمونہ اور اُسوہ ہے۔''

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآنی احکامات کی تفصیل اور عملی تفسیر لوگوں کے سامنے پیش کی تاکہ اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق قرآنی تعلیمات پر عمل کیا جاسکے۔

نبی اکرم ﷺ کو نسل انسانی ہی سے مبعوث کرنے کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ لوگوں کے لئے آپ کی اقتداء واتباع ممکن ہوسکے۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الأَرْضِ مَلاَئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُوْلاً﴾ (بنی اسرائیل:۹۵)

''اے پیغمبر! فرما دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔''

چنانچہ رسول یا نبی کا کام صرف لاکر کتاب تھما دینا یا پڑھ کر سنا دینا ہی نہیں بلکہ اس کی تفہیم اور عملی تطبیق پیش کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے اور اُسوہ کا مفہوم بھی یہی ہے۔

'اُسوہ' کا مفہوم

اُسوۃ یا اِسوۃ عربی زبان کا لفظ ہے اور أسَا سے مصدر ہے جس کا مطلب القدوۃ یعنی قابل اقتدا چیز ہے۔ عرب کہتے ہیں: "فلان يأتسي بفلان أي يرضى لنفسه ما رضيه ويقتدي به وكان في مثل حاله" کہ ''فلاں نے فلاں کو اُسوہ بنایا یعنی اس نے اپنے متقدیٰ اور آئیڈیل کی پسند کو اپنی پسند سمجھا اور ہر حال میں اس کی نقل کرنے کی کوشش کی''۔ اور "ولي في فلان أسوة أي قدوة" 'فلاں میرا اُسوہ یعنی آئیڈیل ہے۔'' (لسان العرب: لفظ أسا ۱۴/۳۴)

امام راغب فرماتے ہیں: "هی الحالة التی یكون الانسان علیها فی اتباع غیره"

''کسی کو اُسوہ بنانے سے مراد انسان کی وہ حالت ہے جس میں وہ اپنے مقتدیٰ کی پیروی کے وقت ہوتا ہے۔'' (المفردات فی غریب القرآن، ص ۶۸)

لہٰذا لغتِ عرب میں 'اُسوہ' سے مراد کسی کے اقوال وافعال اور عملی زندگی ہے۔

طلوعِ اسلام کے سربراہ مسٹر پرویز 'اُسوۂ حسنہ' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جو شخص رسول اللہ ﷺ کے ارشاد یا کسی عمل کی صداقت سے انکار کرتا ہے، میرے نزدیک وہ مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کے ارشادات واعمال سے وہ ماڈل ترتیب پاتا ہے جسے خدا نے 'اُسوۂ حسنہ' قرار دیا ہے۔ اُسوۂ حسنہ سے انکار نہ صرف انکارِ رسالت ہے بلکہ ارشادِ خداوندی سے انکار ہے۔ اس انکار کے بعد کوئی شخص کیسے مسلمان رہ سکتا ہے۔'' (مضمون 'سوچا کرو': ص ۱۱)

قارئین ذرا غور فرمایئے، 'اُسوۂ حسنہ' کے مفہوم کی تعیین میں چنداں فرق نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا پرویز صاحب نے یہ بیان سادہ لوح مسلمانوں کو فریب میں مبتلا کرنے کے لئے دیا ہے؟ جیسا کہ طلوعِ اسلام کی روش ہے کہ ماہنامہ 'طلوع اسلام' کے ٹائٹل پر 'بخاری ومسلم' کی حدیث درج ہوتی ہے اور مندرجات سب کے سب احادیث کے ردّ میں ...... یا پھر واقعتاً ان کا یہی عقیدہ ہے!!؟

اگر واقعتاً ان کا یہی ایمان ہے تو پھر ہم سوال کرنے کی جسارت کریں گے کہ چلو آپ کے بقول آپؐ کے ارشادات تو ہوئے قرآنِ کریم کی شکل میں ہیں، لیکن آپؐ کے اعمال کون سے ہیں؟ ان کا پتہ کیسے چلے گا؟ کیونکہ آپ کے بقول احادیث تو آپ ﷺ سے دو صدیاں بعد میں لکھی گئیں ہیں؟ احادیث کے بارے میں ایسا منفی رویہ رکھنے کے بعد جناب پرویز کے اِس فرمان کا کیا بنے گا...... !!

''جو شخص رسول اللہ ﷺ کے ارشاد یا کسی عمل کی صداقت سے انکار کرتا ہے میرے نزدیک وہ مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا۔''

قرآن وحدیث میں باہمی ربط

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حدیثِ رسولِ مقبول ﷺ قرآنِ پاک کا بیان اور تفسیر ہے۔ دونوں آپس میں لازم وملزوم اور من جانب اللہ ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا انکار دوسرے کے انکار کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ قرآنِ کریم کو نازل کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ اس کے احکام پر عمل کیا جائے اور جب تک اس دستورِ کامل کے جامع الفاظ کی تشریح نہیں کی جائے گی تب تک اللہ کی منشا کے مطابق اس پر عمل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ قرآن کی تشریح وتوضیح کی چند ممکنہ صورتیں ہوسکتی ہیں:

<u>پہلی صورت:</u> ہر شخص کو یہ حق دے دیا جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اس کی تشریح کرے، لیکن یہ نظریہ

کئی لحاظ سے ناقابل قبول ہے: ❶ اس سے بعثتِ انبیاء و رسل علیہم السلام کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے...... ❷ ایسا کرنے سے اُمت بے شمار گروہوں میں بٹ جائے گی جو کہ روحِ اسلام کے منافی ہے۔ جیسا کہ منکرین حدیث نماز کے سلسلے میں باہم مخالف اور بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں، حالانکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ ''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔'' ...... ❸ اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق اس کے احکام پر عمل نہیں ہو سکے گا اور گمراہی پھیلے گی...... ❹ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾ کا وجود ہی ختم ہو جائے گا، ہر ایک اپنی راہ کو مستقیم قرار دے گا اور اپنی عقل کو عقل کل سمجھ کر نیا طرزِ جنوں ایجاد کر لے گا۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ قرآن کی توضیح وتشریح نبی اکرم ﷺ اپنے دور میں اپنی ذاتی مرضی سے کریں اور آپ کے بعد جو بھی مسلمانوں کا امام یا سربراہ یا 'مرکزِ ملت' ہو وہ اپنی مرضی سے کرے، لیکن یہ نظریہ بھی کئی لحاظ سے گمراہ کن ہے:

(۱) خود قرآنِ کریم اس نظریے کو غلط قرار دیتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو قرآن کی من مانی تعبیر کا اختیار ہو۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم:۳،۴)

''اور وہ (یعنی نبی اکرم ﷺ) اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کہتے۔ ان کی بات تو صرف وہی ہوتی ہے جو اُتاری جاتی ہے۔''

اسی طرح جب نبی اکرم ﷺ نے کسی وجہ سے شہد نہ کھانے کی قسم کھا لی تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو یہ تنبیہ فرمائی: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التحریم:۱)

''اے نبی (ﷺ)! جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کر دیا ہے، آپ اسے کیوں حرام کرتے ہیں؟...... کیا (اس لئے کہ) آپ اپنی ازواجِ مطہرات کی رضا چاہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

(۲) اس نظریہ سے اطاعتِ رسول اللہ ﷺ کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے اور پرویز کے اس نظریہ کے مطابق تو واجب الاطاعت رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس نہیں بلکہ 'مرکزِ ملت' یعنی وقت کی حکومت واجب الاطاعت قرار پاتی ہے۔ بلکہ وہی اللہ اور رسول ﷺ دونوں کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے منافی ہے کہ اطاعت اللہ کے سوا کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے حتیٰ کہ خود رسول کے متعلق واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بتلا دیا گیا کہ اسے بھی قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ

لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ لہٰذا اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکزِ نظامِ اسلامی ہے جہاں سے قرآنی احکام نافذ ہوں۔'' (معراجِ انسانیت: ص ۳۱۸)

اور اسی کتاب کے صفحہ ۳۲۳ پر لکھتے ہیں:

''اس لئے مرکزِ ملت کو قرآن کریم میں 'اللہ اور رسول' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔''

قارئین! خود اندازہ فرمایئے کہ جب انسان اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق قرآن کی تفسیر کرتا ہے تو باقی احکام تو اپنی جگہ، خود اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول اللہ ﷺ کے تصور کو ہی بدل دیتا ہے اور مرکز ِملت یعنی سربراہانِ اسلامی مملکت کو ہی اُلوہیت اور رسالت کے مقام پر فائز کردیتا ہے۔

یہ نظریہ سرے سے ہی غلط ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی رسالت عالمگیر ہے اور آپ قیامت تک کے لئے مطاع ومقتدیٰ ہیں اور آپ کا اُسوۂ حسنہ قیامت تک کے لئے واجب الاتباع ہے۔

تیسری صورت: تیسری اور صحیح صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی منشا اور حکم کے مطابق قرآنِ کریم کی تبیین وتفسیر فرمائیں اور اس کا عملی نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ جیسا کہ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

فكان السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعانى أحكام الكتاب (الموافقات۴/۱۰)

''گویا کہ حدیث کتاب اللہ کے اَحکام کی شرح وتفسیر ہے۔''

ویسے بھی معمولی سی عقل کا حامل شخص بھی آسانی سے یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ صاحبِ کلام ہی مرادِ کلام سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ اس کے مقتضی، مفہوم اور اسرار ورموز اور مقصود ومطلوب وہ خود بیان کرے تو تب ہی اس کی منشا کے مطابق تعمیل احکام ممکن ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دستورِ ابدی (قرآنِ کریم) کو نازل کرکے اس کے قوانین کی تمام شقوں کی توضیح بھی نبی اکرم ﷺ کو سکھا دی تھی تاکہ اُمت کے لئے قانونِ الٰہی کی کسی شق میں ابہام باقی نہ رہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (النحل:۴۴)

''اور ہم نے آپ ﷺ پر 'ذکر' اس لئے نازل کیا تاکہ آپؐ لوگوں کو اس کے مطالب ومفاہیم بیان کریں اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔''

آیتِ مبارکہ میں لفظ لِتُبَيِّنَ کی 'ل' غایت کے لئے ہے یعنی نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی غرض وغایت قرآنی احکام کی تبیین اور وضاحت ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ 'بیان' قرآن سے الگ چیز کا نام ہے اور اسی کو 'حدیث' کہا جاتا ہے۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَالَّذِیْ أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا﴾ (الانعام۱۱۴)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے آپکی طرف ایسی کتاب نازل کی جس کی تفصیل بیان کردی گئی ہے''۔

اس آیتِ مبارکہ میں لفظ مُفَصَّلًا عربی گرامر کی رو سے اَلْکِتَابُ سے حال بن رہا ہے ہے اور حال وذو الحال میں مغایرت ہونے کے قاعدہ سے پتہ چلتا ہے کہ 'تفصیل' اور 'الکتاب' دو الگ چیزیں ہونی چاہئیں اور وہ دوسری شے 'حدیث' ہے۔

نیز دونوں آیاتِ کریمہ سے واضح اور ظاہر ہے کہ کتاب کی تبیین وتفصیل بھی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ مزید برآں قرآنِ کریم میں اس کی صراحت بھی موجود ہے۔ سورۃ القیامہ میں ہے: ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ (القیامہ:١٩) ''پھر اس کی تشریح بھی ہمارے ذمہ ہے۔''

گرامر کی رو سے آیت میں لفظ ثُمَّ تراخی کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے قرآن اتارا اور پھر اس کا بیان اتارا یعنی حدیث بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ اور سورۂ ہود میں ہے:

﴿آلر، كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾ (ہود:١)

''یہ کتاب جس کی آیات محکم کی گئی ہیں اور پھر حکیم خبیر (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ سے چند چیزیں ثابت ہوتی ہیں:

① کتاب اللہ کی آیات دو طرح کی ہیں:

(i) محکمات: مثلاً اوامر و نواہی اور حلال وحرام وغیرہ سے متعلق آیات۔

(ii) متشابہات: مثلاً حروفِ مقطعات اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ جلیلہ سے متعلق آیات وغیرہ۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ﴾ (آلِ عمران:٧)

''قرآنِ کریم کی کچھ آیات محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں ......اور کچھ متشابہ۔''

② آیاتِ محکمات کے بارے میں فرمایا گیا ہے: "فُصِّلَتْ" یعنی ان کی تفصیل بیان کردی گئی ہے اور آیاتِ متشابہات کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗ إِلَّا اللّٰهُ﴾ کہ ''ان کی حقیقت اللہ کو معلوم ہے۔'' ہم ان کی حقیقت جاننے کے مکلّف نہیں، ہمارا فرض بس ان پر ایمان لانا ہے۔

لہٰذا یہ دعویٰ از خود دم توڑ گیا کہ قرآنِ کریم میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے اور حدیث کے ذریعے اس کی تفصیل معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ آیاتِ محکمات کی تفصیل کہاں ہے؟ تو مذکورہ آیات اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ ان کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر اُتاری اور آپؐ نے صحابہ کو بیان فرمائی جو کہ آپ کے فرامین کی شکل میں محفوظ ہے۔

لیکن جو لوگ اس بات کو نہیں مانتے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ پھر قرآن کریم کے اس دعویٰ: ﴿ثُمَّ

إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ اور ﴿ثُمَّ فُصِّلَتْ﴾ کا کیا مطلب؟ اس دعویٰ کے مطابق وہ بیان اور تفصیل کہاں ہے؟

مثلاً ﴿أَقِيْمُوْا الصَّلاَةَ﴾ کا ہر مسلمان کو حکم ہے۔ نماز کی ہیئت، رکعات اور جزئیات کی وضاحت کہاں ہے کہ ہم کیسے، کتنی اور کب نماز ادا کریں؟

⊙ اسی طرح ﴿آتُوْا الزَّكَاةَ﴾ کا حکم ہے، اب زکوٰۃ کے نصاب، مقدار اور کس پر زکوٰۃ ہے کس پر نہیں ...... اس کی تفاصیل قرآنِ کریم میں کہاں ہیں؟

⊙ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّا اَجِدُ فِيْ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً أَوْدَمًا مَّسْفُوْحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِاللّٰهِ بِهٖ﴾ (الانعام:۱۴۵)

''کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں، میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا لہو یا سور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔''

اور انہی چیزوں کا ذکر سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ میں بھی کیا گیا ہے، اسی طرح سورۃ المائدۃ میں ہے:

﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ﴾ (المائدۃ:۱)

''تمہارے لئے چوپائے (چرنے والے جانور) حلال کردیئے گئے ہیں۔''

لغت میں بهيمة الأنعام کا اطلاق اونٹنی، اونٹ، گائے، بیل، بکری، بکرا، بھیڑ اور مینڈھا پر ہوتا ہے اور تفسیر قرآن میں بھی انہی چیزوں کا ذکر ہے۔

اگر احادیث حجیت نہیں ہیں تو مندرجہ ذیل سوالات کا جواب ہمیں کہاں سے ملے گا؟

① قرآنِ کریم نے ميتة یعنی از خود مر جانے والے جانور کو حرام قرار دیا ہے؟ اب منکرین حدیث سے سوال ہے کہ مچھلی جب پانی سے باہر آتی ہے تو مر جاتی ہے، بالخصوص 'فریز' کی ہوئی مچھلیاں۔ تو اس کا کیا حکم ہے۔ اگر حلال کہتے ہو تو پھر اس کو قرآن سے ثابت کیا جائے یا حرام ہونے کا فتویٰ دیا جائے۔ اگر اس کی حلت کو قرآن سے ثابت نہیں کر سکتے تو پھر نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کو مان لو:

أحلّت لنا ميتتان: السمك والجراد (مسند احمد:۹۷/۲، فتح الباری:۶۲۱/۹)

''اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دو مردار حلال قرار دیئے ہیں: مچھلی اور مکڑی''

② مردہ جانور، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام قرار دیا گیا ہے اور بهيمة الأنعام کو حلال۔

اب بتائے کہ کتا، بلی، گیدڑ، شیر، چیتا، ہاتھی، ریچھ، شکرا اور چیل حلال ہیں یا حرام؟ قرآنِ کریم میں ان کی وضاحت کہاں ہے؟ جبکہ قرآن کریم میں ہے کہ

﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ﴾ (الانعام:۱۴۵)

''میں مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کے علاوہ قرآن میں کھانے والوں کے لئے کوئی چیز حرام نہیں پاتا''

③ لہٰذا اگر قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور احادیث پر آپ کو یقین نہیں ہے تو قرآن سے ان جانوروں کو حرام ثابت کریں یا پھر ان کے حلال ہونے کا فتویٰ دیں؟ ورنہ اس حدیث کی حجیت کو تسلیم کرلیں:

كل ذی ناب من السباع وكل ذی مخلب من الطير (مسند احمد:۳۳۲/۱،۴،۱۹۳)

''ہر کچلی والا جانور اور ہر پنجے سے شکار کرنے والا پرندہ حرام ہے۔''

④ پرویز صاحب کا دعویٰ ہے کہ:

''جو احادیث قرآن کے خلاف نہیں، میں انہیں صحیح سمجھتا ہوں۔'' (شاہکارِ رسالت، ص۴۹۷)

اس بنا پر پرویزی فکر کے حاملینسے ہمارا سوال یہ ہے کہ جن احادیث ِمبارکہ میں نماز اور زکوٰۃ کی تفاصیل موجود ہیں، وہ قرآنِ کریم کی کس آیت ِمبارکہ کے خلاف ہیں؟ اگر وہ احادیث قرآن کے خلاف نہیں تو پرویز نے ﴿وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ﴾ (البقرة:۳) کا درج ذیل مفہوم کہاں سے لیا ہے؟

''اس مقصد کے لئے یہ لوگ اس نظام کو قائم کرتے ہیں جس میں تمام افراد قوانین خداوندی کا اتباع کرتے جائیں۔'' (مفہوم القرآن:۳/۱)

یعنی 'اقامت ِصلوٰۃ' سے مراد ایک نظام قائم کرنا ہے، رکوع وسجود اور قیام وقعود پر مشتمل نماز مراد نہیں ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ

''قرآنِ کریم کی خاص اصطلاح 'اقامت ِصلوٰۃ' ہے جس کے عام معنی نماز قائم کرنا یا نماز پڑھنا کئے جاتے ہیں۔ لفظ صلوٰۃ کا مادہ 'ص ل وٗ' ہے جس کے بنیادی معنی کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں اس لئے صلوٰۃ میں قوانین خداوندی کے اتباع کا مفہوم شامل ہوگا۔ بنابریں اقامت ِصلوٰۃ سے مفہوم ہوگا ایسے نظام یا معاشرے کا قیام جس میں قوانینِ خداوندی کا اتباع کیا جائے۔''
(مفہوم القرآن: جلد اول، ص۷)

جب ایک چیز کے مفہوم کا تعین خود صاحب ِقرآن نے کردیا ہے تو پھر اپنی طرف سے اس مفہوم کے خلاف ایک نیا نظریہ پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اسی طرح 'زکوٰۃ' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''زکوٰۃ کا مروّجہ مفہوم یہ ہے کہ اپنی دولت میں سے ایک خاص شرح کے مطابق روپیہ نکال کر خیرات کے کاموں میں صرف کیا جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس میں بھی زکوٰۃ کے قرآنی مفہوم کی ایک جھلک پائی جاتی ہے، لیکن قرآنِ کریم نے اسے ان خاص معانی میں استعمال نہیں کیا۔''
(مفہوم القرآن، جلد اوّل، ص۷)

ان تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پرویز کا یہ دعویٰ کہ ''جو شخص رسول اللہ ﷺ کے ارشاد یا کسی

عمل کی صداقت سے انکار کرتا ہے میرے نزدیک وہ مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا۔'' اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ ''جو احادیث قرآن کے خلاف نہیں، میں انہیں صحیح سمجھتا ہوں۔'' محض دھوکہ دہی پر مبنی ہے۔

مذکورہ تمام دلائل یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ قرآن کی طرح حدیث بھی وحی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے آخری منتخب پیغمبر ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔

قرآنِ کریم کی طرح حدیث بھی محفوظ ہے؟

بدیہی سی بات ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا مقصد تب ہی پورا ہوگا کہ اس کی تشریح وتوضیح بھی محفوظ ہو کیونکہ مقصود تو عمل کرنا ہے اور معروف قاعدہ ہے: وما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب

''جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہو، وہ خود بھی واجب ہوتا ہے۔''

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت (حدیث) دونوں کو قیامت تک کے لئے محفوظ کرنے کا انتظام فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾(الحجر:۹)

''بے شک ہم نے ذکر اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''

یہاں اللہ تعالیٰ نے لفظ قرآن اور الکتاب کی بجائے لفظ 'الذکر' استعمال کیا ہے جو حدیث کو بھی شامل ہے کیونکہ قرآنِ مجید میں یہ لفظ نبی ﷺ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورۃ الطّلاق کی آیت ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذِكْرًا، رَّسُوْلًا يَّتْلُوْ عَلَيْكُمْ......﴾ میں رسول 'ذکر' سے بدل ہے۔

یہی سبب ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سوا کائنات میں کوئی فرد و بشر ایسا نہیں جس کی کامل سیرت اور سوانح حیات محفوظ ہوں۔ جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی سنت کی حفاظت کی ہے۔

کیا موضوع روایات گھڑ لینا اس بات کو مستلزم ہے کہ حدیث غیر محفوظ ہے؟

اگر کسی کے بعض موضوع روایات کو گھڑ لینے سے پوری احادیثِ مبارکہ کو ترک کرنا لازم آتا ہے تو پھر تو قرآن کریم کی آیات بھی گھڑنا ثابت شدہ ہے، کیا اسے بھی غیر محفوظ سمجھا جائے۔ چنانچہ یہ امر تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے کہ مسیلمہ کذاب نے اپنی طرف سے کچھ عبارات وضع کر کے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ قرآن ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ (البدایہ والنہایہ:۱۵/۵)

اسی طرح ۱۹۹۹ء میں انٹرنیٹ پر بعض لوگوں نے قرآن کے مشابہ عبارات بنا کر انہیں 'سورۃ المسلمون' اور 'سورۃ التجسد' کے نام سے شائع کیا تھا۔ (دیکھئے مجلّہ الوعی عدد ۱۳۳، صفر ۱۴۱۹ھ)

تو کیا اس سے قرآن پاک کی صداقت پر کوئی حرف آیا ہے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ قرآن کے ماہرین اور حفاظ نے فوراً اس کی تردید کی۔

اسی طرح اگر کسی نے موضوع روایات بنالی تھیں تو ان سے حدیث کی صداقت پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ محدثین کرام نے لوگوں کو ان وضعی اور من گھڑت روایات سے متنبہ کردیا ہے۔ اسی لئے جب حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے سامنے اس خطرے کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا تھا:

"تعيش لها الجهابذة" (الباعث الحثيث، تدريب الراوى)

کہ "ماہرین حدیث موجود ہیں جو لوگوں کو موضوع روایات سے آگاہ کریں گے۔"

کیا احادیث، نبی ﷺ کی وفات کے کافی عرصہ بعد لکھی گئیں؟

مسٹر پرویز لکھتے ہیں:

"یہ کوششیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بہت عرصہ بعد شروع ہوئیں۔ مثلاً ان مجموعوں میں سب سے زیادہ مستند مجموعہ امام بخاری کا سمجھا جاتا ہے، وہ حضورؐ کی وفات کے دواڑھائی سو سال بعد مرتب ہوا تھا۔ یہ مجموعے کسی سابقہ تحریری ریکارڈ سے مرتب نہیں ہوئے تھے۔ زبانی روایات جمع کی گئی تھیں۔" (اسبابِ زوالِ اُمت، ص ۶۳)

اس بیان سے چند چیزیں سامنے آتی ہیں:

- احادیث دیر سے مرتب ہوئیں۔
- سابقہ ریکارڈ نہیں تھا زبانی جمع کی گئیں۔
- سب سے پہلے امام بخاریؒ نے احادیث جمع کیں۔

قارئین! پرویز صاحب نے سادہ لوح مسلمانوں کو بڑے پرکشش انداز میں فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذرا غور فرمایئے کہ کیا دیر سے کسی چیز کو مرتب کرکے پیش کرنا عیب ہے؟ اگر عیب ہے تو پھر فرمایئے کہ قرآنِ کریم میں کتنے ہزار سال بعد گذشتہ اُمم کے واقعات ہمارے سامنے بیان کئے گئے؟ اور دوسری بات کہ کیا کسی چیز کا تحریری ریکارڈ نہ ہونا اور صرف حفظ اور یاد ہونا اس چیز کی اہمیت کو ختم کردیتا ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے قائدین کی ہر ہر اَدا کو حفظ کرلیتے ہیں تو کیا نبی اکرم ﷺ پہ جان فدا کرنے والے صحابہ کرامؓ جنہیں اپنے تو اپنے، گھوڑوں تک کے نسب نامے اور کارنامے بھی ازبر تھے اور وہ عرب جنہیں اپنے حافظے پر ناز تھا، کیا وہ اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کے الفاظ کو یاد نہ رکھ سکے ہوں گے؟ اور پھر نبی ﷺ کی یہ ترغیب بھی تھی کہ "نضر الله امرأ سمع مقالتی فوعاها" (ترمذی ۲۶۵۸، مسند احمد ۴/۸۰) اور پھر نبی اکرم ﷺ بالاہتمام صحابہؓ کو احادیثِ مبارکہ یاد کرواتے تھے اور صحابہ کرام اس اعتقاد کے ساتھ احادیث یاد کرتے کہ وہ قرآنِ کریم کی تفسیر ہیں اور ان کے بغیر قرآن پر عمل کرنا ناممکن

ہے۔حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ

مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کو سوتے وقت یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی : "اللهم أسلمت وجهى إليك وفوضت أمرى إليك وألجات ظهرى إليك رغبة ورهبة إليك لا ملجأ ولا منجأ منك إلا إليك، آمنت بكتابك الذى أنزلت وبنبيك الذي أرسلت" فرماتے ہیں: میں نے چاہا کہ اس دعا کو آپ کے سامنے دہراؤں تا کہ اچھی طرح یاد ہوجائے تو میں نے ساری دعا آپؐ کو ہو بہو سنا دی،صرف "بنبيك" کی جگہ "برسولك" کہہ دیا تو آپؐ نے فرمایا: "لا وبنبيك الذى أرسلت" کہ ایسے نہیں بلکہ ویسے پڑھو جیسے میں نے آپ کو سکھایا یعنی "بنبيك" (صحیح البخاری مع الفتح: ۱۲/۱۱، حدیث ۶۳۱۱)

اس روایت سے چند باتیں سامنے آتی ہیں:

- نبی اکرم ﷺ اپنی احادیثِ مبارکہ نہایت اہتمام کے ساتھ صحابہ کرامؓ کو سکھاتے تھے۔
- صحابہ کرامؓ کا حافظہ اتنا مضبوط تھا کہ جو کچھ سنتے ،فوراً حفظ ہو جاتا۔
- صحابہ کرامؓ احادیث سننے کے آپ ﷺ سے تصحیح کروایا کرتے تھے۔
- صحابہ کرامؓ نہایت اہتمام سے نبی اکرم ﷺ کے الفاظ کو ازبر کرنے کی کوشش کرتے اور خود نبی اکرم ﷺ بھی صحابہ سے اس کا اہتمام کروایا کرتے ۔اگر بنبيك کی جگہ رسولك کہہ بھی دیا جاتا تو خلاف واقعہ نہ تھا، کیونکہ آپ ﷺ نبی بھی تھے اور رسول بھی۔ چونکہ اللہ کی طرف نازل شدہ الفاظ بنبيك تھے ،اس لئے آپ ﷺ نے وہی الفاظ سکھائے۔☆

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ

''ہم تقریباً ساٹھ آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس ہوتے اور آپ ﷺ ہمیں احادیث سکھاتے۔ پھر جب آپ تشریف لے جاتے تو ہم آپس میں مذاکرہ کیا کرتے تھے اور جب ہم فارغ ہوتے تو وہ احادیثِ پاک ہمارے دلوں پہ نقش ہوچکی ہوتی تھیں۔'' (الفقيه والمتفقه)

اور حضرت علیؓ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے:

تذاكروا الحديث فإنكم إن لم تفعلوا يندرس (الفقيه والمتفقه)

''احادیث کا مذاکرہ کیا کرو (یعنی ایک دوسرے کو سنا کر یاد کیا کرو)۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو حدیث آپ کو بھول جائے گی۔''

☆ اس حدیث کے پیش نظر روایت بالمعنی پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ روایت بالمعنی محدثین کے ہاں متفقہ طور پر جائز ہے۔ البتہ بعض صورتوں میں حدیثِ نبوی کے الفاظ کو من وعن روایت کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے ذکر واذکار، وِرد ووظائف اور حدیثِ قدسی وغیرہ، چونکہ اس حدیث میں بھی دعائیہ کلمات ہیں، اس لئے الفاظ کی پابندی ضروری ہے۔ (محدث)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ، اور ان کے شاگرد تابعین عظام بڑے اہتمام کے ساتھ احادیثِ مبارکہ کو یاد کرتے تھے اور پھر ان کے اور امام بخاریؒ کے درمیان فاصلہ ہی کتنا تھا؟ نبی اکرم ﷺ کے آخری صحابہ ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ لیکن پرویز صاحب اس کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں، گویا درمیان میں صدیوں کا فاصلہ تھا اور پھر احادیث کو یاد کرنے کا اہتمام بھی نہیں تھا تاکہ لوگوں کو تاثر دیا جاسکے کہ محدثین نے اپنی طرف سے باتیں گھڑ کر نبی ﷺ کی طرف منسوب کی ہیں۔

اب رہا یہ دعویٰ کہ احادیث کا سابقہ تحریری ریکارڈ موجود نہیں تھا تو یہ سراسر باطل، لغو اور خلافِ واقعہ ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ خود احادیث لکھوایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس احادیث لکھا کرتا تھا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کبھی غصے میں ہوتے ہیں اور کبھی خوشی میں تو تم ہر بات لکھ لیتے ہو۔ چنانچہ میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور آپ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أكتب فو الذى نفسي بيده ما يخرج منه إلا الحق (مسند احمد:۱۶۲/۲)

''احادیث لکھا کرو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس منہ سے حق کے سوا دوسری بات نہیں نکلتی۔''

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپؐ احادیث لکھوایا کرتے تھے اور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہی بہت سے صحابہ کرامؓ کے پاس تحریری شکل میں احادیث موجود تھیں۔ مثلاً

(۱) صحیفہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ (۲) نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جس میں زکوٰۃ کے احکام درج تھے، (۳) نوشتہ ہائے سعد بن عبادۃؓ، (۴) احادیث التفسیر لابی بن کعبؓ، (۵) نوشتہ عمر بن خطابؓ، (۶) صحیفہ عبداللہ بن مسعودؓ، (۷) نوشتہ ابی رافعؓ، (۸) صحیفہ صادقہ از حضرت علیؓ، (۹) کتاب الفرائض لزید بن ثابتؓ، (۱۰) کتاب مغیرہ بن شعبہؓ (۱۱) کتاب عمرو بن حزم انصاریؓ، (۱۲) صحیفہ سمرۃ بن جندبؓ، (۱۳) صحیفہ صادقہ از حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ، (۱۴) صحیفہ عبداللہ بن عباسؓ، (۱۵) صحیفہ رافع بن خدیجؓ، (۱۶) صحیفہ جابر بن عبداللہؓ، (۱۷) صحیفہ شمعون بن یزیدؓ، (۱۸) نوشتہ انس بن مالکؓ، (۱۹) صحیفہ ہمام بن منبہؒ جو انہوں نے اپنے استاد حضرت ابوہریرہؓ سے لکھا تھا۔

نیز صحیح بخاری سے پہلے ان صحف کے علاوہ یعنی تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی کئی کتابیں لکھی جاچکی تھیں۔ صحیفہ معمر، موطأ امام مالک، موطأ امام محمد، کتاب الآثار، کتاب الخراج، مسند الشافعی، کتاب الام، مسند احمد، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند الحمیدی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق وغیرہ۔ اسی طرح عبداللہ بن مبارک، حضرت وکیع اور علی بن مدینی رحمہم اللہ کی کتب لکھی جاچکی تھیں۔

کیا جامعین حدیث سب ایرانی تھے؟

مسٹر پرویز 'شاہکارِ رسالت' میں عنوان قائم کرتے ہیں

''جامعین حدیث سب ایرانی تھے۔'' (شاہکارِ رسالت: ص۵۰۳)

جب مقصود ہی فرامین رسول ﷺ کی مخالفت ہو تو پھر آدمی لوگوں کو فریب دینے کے لئے کچھ بھی کرسکتا ہے۔فرض کیجئے! اگر ایران کا کوئی آدمی قرآنِ مجید حفظ کر لے تو کیا ہم اس لئے قرآن کا انکار کردیں گے کہ اس کا حافظہ ایرانی ہے۔ یہ عجیب منطق ہے؟ رہی یہ بات کہ کیا واقعی جامعین حدیث سب ایرانی تھے یا عجمی تھے تو یہ سراسر جھوٹ ہے جو پرویز کی مسندِ تحقیق سے بولا گیا ہے۔

(مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری نے عرب اور عجم محدثین کی الگ الگ فہرست تیار کردی ہے اور اس اعتراض پر طویل بحث کی ہے، دیکھئے صفحہ نمبر)

فتنہ انکارِ حدیث کی تاریخ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

فجر اسلام ہی سے دین حقہ کے خلاف سازشوں کا آغاز ہوا اور چراغِ مصطفوی کو گل کرنے کی سرتوڑ کوششیں ہوتی رہی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام کے مکروہ عزائم اور ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يُرِيْدُوْنَ أَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلاَّ أَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ﴾(التوبہ:۳۲)

دشمنانِ اسلام اس نورِ الٰہی کو بجھا دینا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں کے علیٰ الرغم اس نور (دین اسلام) کی حفاظت کرے گا ؎ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

سب سے پہلے جس شخص نے رداءِ نبوت میں نقب زنی کی، وہ ملعون مسیلمہ کذاب تھا جس نے ۱۰ہجری میں نبی اکرم ﷺ کی طرف خط لکھا اور اپنی نبوت کا اعلان کیا۔تو نبی اکرم ﷺ نے اس ملعون اور دجال کو یہ جواب لکھا تھا:

"من محمد رسول الله ﷺ إلى مسيلمة الكذاب، سلام على من اتبع الهدى أما بعد فإن الأرض لله يورثها من يشآء من عباده والعاقبة للمتقين (البدایہ والنہایہ:۵۱/۵)

''یہ زمین اللہ ہی کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور صرف اللہ سے ڈرنے والوں کا ہی انجام بخیر ہوتا ہے۔''

نبی ﷺ کی وفات کے بعد کئی مدعی نبوت اٹھے۔حضرت ابوبکرؓ نے ان تمام کو کیفر کردار تک پہنچایا اور باقی فتنوں کی طرح یہ فتنہ بھی دَب گیا۔پھر شہادتِ فاروق اعظمؓ تک دوبارہ کسی فتنے کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوسکی، لیکن ان کی شہادت کے بعد پھر فتنوں اور سازشوں نے سر نکالنا شروع کردیا۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ پیشین گوئی فرما چکے تھے اور آپ کی ہر پیشین گوئی نصف النہار کے آفتاب کی طرح واضح اور برحق ثابت ہوئی جو کہ فرمانِ رسولِ کریم ﷺ کی صداقت اور حجیت حدیث کی بین دلیل ہے۔

خوارج اور انکارِ حدیث

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد سر اٹھانے والے فتنوں میں سے ایک فتنہ خوارج کا تھا۔ انہوں نے اپنی مرضی سے قرآن کریم کی تفسیر کی اور صحابہ کرامؓ اجمعین کے اجتماعی عقیدے سے انحراف کیا اور واقعہ تحکیم میں ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلّٰهِ﴾ کی خود ساختہ تشریح کر کے حضرت علی، حضرت معاویہ اور حَکَمَین پر کفر اور شرک کا فتویٰ لگایا اور اسی بنا پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف بغاوت کردی۔ تو اس وقت حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: "كلمة حق أريد بها الباطل کہ" "یہ فتنہ پرور لوگ اللہ تعالیٰ کے مقدس فرمان کی آڑ میں اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں۔"

چنانچہ امام شوکانیؒ نے اپنی کتاب 'فتح القدیر' کے مقدمہ میں ایک روایت ذکر کی ہے کہ جب حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ کو خوارج سے مناظرہ کے لئے بھیجا تو ان سے فرمایا:

> "خوارج کے پاس جاؤ لیکن یاد رکھنا کہ ان سے قرآن کی بنیاد پر مناظرہ نہ کرنا کیونکہ قرآن کئی پہلوؤں کا حامل ہے، بلکہ سنت کی بنیاد پر ان سے گفتگو کرنا۔ ابن عباسؓ نے جواب دیا: میں کتاب اللہ کا ان سے زیادہ عالم ہوں۔ فرمایا: تمہاری بات بجا لیکن قرآن کئی پہلوؤں کا حامل اور کئی معانی کا متحمل ہے۔" (مقدمہ فتح القدیر)

پھر ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ نے ان لوگوں کے سامنے آیت ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلّٰهِ﴾ کی وہ تفسیر بیان کی جو انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سیکھی تھی اور ان پر واضح کیا کہ ان کا نظریہ غلط ہے تو یہ لوگ لاجواب ہوگئے۔ (سیر اعلام النبلاء)

امام ابن حزمؒ خوارج کے بارے میں 'الفصل فی الملل والنحل' میں فرماتے ہیں:

كانوا أعراباً قرء وا القرآن ولم يتفقهوا فى السنن (۱۶۸/۴)

"یہ دیہاتی لوگ تھے جنہوں نے قرآن تو پڑھا مگر سنت میں تفقہ حاصل نہ کیا۔"

صحابہ کی طرف سے اس نظریہ کا ردّ: یہ وہ نقطہ آغاز تھا جس میں حدیث وسنت سے استغنا کا ذہن دیا گیا۔ چونکہ صحابہ کا عقیدہ تھا کہ جس طرح قرآن مجید اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے، اسی طرح اس کا

بیان اور تفصیل بھی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے، اس لئے انہوں نے اس نظریہ کی بھرپور تردید کی۔

چنانچہ حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمران بن حصینؓ اپنے شاگردوں کو حدیث پڑھا رہے تھے تو ایک شخص نے کہا: "لا تحدثونا إلا بالقرآن" کہ ہمیں صرف قرآن ہی کے متعلق بتایئے تو آپؓ نے اسے قریب بلایا اور اس سے کہا

''اگر آپ اور آپ کے ہم خیال لوگوں کو صرف قرآن پر چھوڑ دیا جائے تو کیا تم قرآن کریم سے ظہر کے چار فرض اور مغرب کے تین فرض، جن میں سے دو میں قراءت جہراً ہوگی، کو ثابت کر سکتے ہو؟ کیا تم قرآنِ کریم سے طواف بیت اللہ اور صفا و مروہ کی سعی کے سات چکروں کا ثبوت پیش کر سکتے ہو؟'' پھر تمام حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے لوگو! ہم سے علم سیکھو۔ اللہ کی قسم! اگر اپنی مرضی کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے صحابی رسول حضرت عمرانؓ کی بات سن کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور بطورِ شکریہ کہنے لگا: أحييتني أحياك الله ''اللہ آپ کی عمر دراز کرے آپ نے میرے دلِ مردہ میں تازگی پیدا کر دی اور میری آنکھیں کھول دی ہیں'' (الکفایہ فی علم الروایہ، المستدرک للحاکم)

خوارج چونکہ حضرت علیؓ کے خلاف ہوگئے تھے، اس لئے انہوں نے حضرت علیؓ کے فضائل میں واردہ تمام احادیث کا انکار کر دیا۔ پھر ان کے مقابلے میں ایک دوسرا گروہ پیدا ہوا، جس نے اہل بیتؓ کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ کے فضائل میں واردشدہ تمام احادیث کا انکار کر دیا۔

معتزلہ اور انکارِ حدیث

اس فرقہ کا بانی واصل بن عطا (م ۱۳۱ھ) ہے۔ اس نے اہل سنت کے مدِمقابل حدیث کی بجائے عقل کو بنیاد بنایا، اس وجہ سے یہ لوگ معتزلہ کے نام سے معروف ہوئے۔ چونکہ یہ لوگ صفاتِ الٰہی کے منکر تھے، اس لئے انہوں نے ان احادیث کو ماننے سے انکار کر دیا جن میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ باکمال کا ذکر تھا۔

مسٹر پرویز اور معتزلہ کا باہم اشتراک: نظریۂ انکارِ حدیث درحقیقت وہی فتنۂ اعتزال ہے جو ایک نئے روپ میں ظاہر ہوا ہے، چنانچہ مسٹر پرویز معتزلہ کے ساتھ اپنی نسبت ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وحی متلو اور غیر متلو' (مثلہ معہ) کا عقیدہ امام شافعیؒ نے وضع کیا تھا۔ (لیکن) جن لوگوں کے ذہن میں دین کا صحیح تصور اور دل میں قرآن مجید کے 'لاشریک لہٗ' ہونے کی عظمت تھی انہوں نے اس نئے عقیدے کی مخالفت کی اور کہا کہ دین میں سند اور حجت صرف قرآن ہے۔ جیسا کہ قدامت پرست طبقہ کا قاعدہ ہے، انہوں نے ان لوگوں پر معتزلہ کا لیبل لگایا اور پھر ان کے خلاف اس قدر پروپیگنڈہ کیا کہ آج جو شخص عقل و فکر کی بات کرے اور اس کے دلائل کا جواب ان سے نہ بن پڑے، اس کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ معتزلہ ہے۔'' (شاہکارِ رسالت: صفحہ ۵۰۱)

مسٹر پرویز صاحب کا یہ بیان معتزلہ کے ساتھ ان کی نظریاتی ہم آہنگی کی واضح دلیل ہے اور ان کا یہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ پرویزیت بھی اسی سلسلہ اعتزال کی ایک کڑی ہے۔ فتنۂ اعتزال کا امام شافعیؒ نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ان کے ردّ میں کتابیں لکھیں اور مناظروں کے ذریعہ انہیں لاجواب کیا۔

جہمیہ اور انکارِ حدیث

اس فرقہ کا بانی جہم بن صفوان تھا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات دونوں کے منکر تھے، لہٰذا انہوں نے ان تمام احادیث کو ماننے سے انکار کردیا جن میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ جلیلہ کا ذکر تھا۔ یہ انکارِ حدیث یونانی فلسفہ سے مرعوب ہوکر روبہ عمل آیا۔

انکارِ حدیث مختلف ادوار میں

اس کے بعد مختلف ادوار میں کئی شخصیات نے مختلف طریقوں سے وحی الٰہی کے بعض حصوں کا انکار کیا، کسی نے اپنی عقل کو ہی سب کچھ سمجھ کر ان نصوص کا انکار کردیا جو اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں، کسی نے اصول وفروع کا چکر چلا کر احادیثِ متواترہ کو لیا اور آحاد کا انکار کردیا، کسی نے عقائد کے باب میں خبر آحاد تسلیم کرنے سے انکار کردیا تو کسی نے ہوائے نفس کی پیروی میں اپنے مطلب کی احادیث قبول کیں اور باقی کو ردّ کردیا۔ مختلف اَدوار میں کسی نہ کسی صورت میں احادیثِ مبارکہ سے گریزاں رہنے والوں میں سے چند عرب شخصیات یہ ہیں: ڈاکٹر احمد امین، اسماعیل ادہم، حسین احمد امین، محمود ابوریہ، السید صالح ابوبکر، احمد ذکی پاشا۔ (زوابع في وجہ السنۃ)

اور برصغیر میں مرزا غلام احمد قادیانی، سرسید احمد خان اور ان سے متاثر ہونے والوں میں سے مولوی چراغ علی، محبّ الحق عظیم آبادی، احمد دین امرتسری، مولوی نذیر احمد، اسلم جیراجپوری اور مسٹر غلام احمد پرویز اور اس فکر کے حاملین چند معاصرین حضرات۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو آئینہ پرویزیت از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ۔

چکڑالوی فرقہ

چودھویں صدی میں احادیثِ مبارکہ کا کھلم کھلا انکار عبداللہ چکڑالوی صاحب نے کیا اور اپنے گروہ کا نام 'اہل قرآن' رکھا۔ آپ ضلع گورداسپور کے موضع چکڑالہ میں پیدا ہوئے، اس نسبت سے چکڑالوی کہلاتے ہیں۔ (آئینہ پرویزیت، ص۱۳۱) ......ان کے بارے میں دیگر کتب میں یوں لکھا ہے:

> ''چکڑالوی صاحب لنگڑا ہونے کے باعث لکڑی کے ایک تخت پوش (أريكة) پرٹیک لگائے علم حدیث کی مخالفت کرتے رہتے تھے۔ سرسید کی طرح علومِ دینیہ اور عربیہ سے تو جاہل تھے ہی، فکری

اعتبار سے بھی مفلس تھے۔ البتہ ان کو گمراہی پھیلانے کے لئے ایک اچھا عنوان ضرور مل گیا یعنی کہ ''قرآن ایک کامل کتاب ہے''؛ جو ذہین ملحدین اور اس جیسے تیسرے درجے کے لوگوں کے لئے کافی جاذب ہوا۔'' (برقِ اسلام، صفحہ ۷)

چکڑالوی کا یہ سراپا پڑھنے کے بعد احادیث کی صحت پر یقین اور زیادہ پختہ ہوگیا کہ نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ پیشین گوئی ان پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ چنانچہ حضرات ابورافعؓ سے روایت ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے بعد ایک ایسا آدمی ہوگا جو اپنی مسند (اریکہ) پر ٹیک لگا کر بیٹھے گا۔ جب اس کے پاس اوامر ونواہی پر مشتمل میری احادیث پہنچیں گی تو وہ کہے گا: میں نہیں جانتا، ہم تو صرف وہی بات مانیں گے جو قرآن میں ہوگی اور غیر قرآنی تصورات ہم نہیں مانتے۔''

مولانا اسماعیل سلفیؒ فرماتے ہیں:

''متکئا'' کا مصداق زیادہ تر امیر لوگ ہوتے ہیں اور حدیث چونکہ قرآن کے احکام کی تعیین کرتی ہے اور مقید اور پابند بناتی ہے اس لئے وہ دین سے آزاد ہونے کے لئے سب سے پہلے حدیث کا انکار کریں گے۔ ہمارے ملک میں انکارِ حدیث کی بدعت مولوی عبداللہ چکڑالوی نے پیدا کی۔ وہ اپاہج تھا، اس کی ٹانگیں خراب تھیں، چل پھر نہیں سکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے پیشگوئی میں اس کی جو شکل اور حلیہ بتایا، واقعی وہ ظالم اسی حلیہ کا تھا۔ اس کے بعد جو لوگ انکارِ حدیث کی تحریک کو چلا رہے ہیں، وہ سب عموماً جاہل اور متکبر ہیں۔ کسی نے بھی حدیث کو 'فن' کے طور پر حاصل نہیں کیا''

(مشکوٰۃ شریف مترجم از مولانا محمد اسمٰعیل سلفیؒ: ج ا رصفحہ ۲۲۳،۲۲۴)

پروفیسر اسلم جیراجپوری اور اس کے تربیت یافتہ مسٹر غلام احمد پرویز

عبداللہ چکڑالوی کے بعد جن لوگوں نے اس فکر کو پھیلایا اور نئے نئے شبہات پیدا کر کے سادہ لوح مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی، ان میں سے احمد دین امرتسری اور پروفیسر اسلم جیراجپوری وغیرہ ہیں اور اسی پروفیسر اسلم کے فیض یافتہ مسٹر غلام احمد پرویز ہیں جس کا اظہار انہوں نے خود کیا ہے، لکھتے ہیں:

''آج اسی سرزمین میں علامہ اسلم جے راج پوری مدظلہ العالی کی قرآنی فکر برگ وبار لا رہی ہے۔ جنہوں نے اپنی عمر عزیز اسی جہاد کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تادیر سلامت رکھے تاکہ ہم ان کے تدبر فی القرآن کے نتائج سے مستفیض ہوسکیں۔ میرے کاشانۂ فکر میں، سلیم! اگر کوئی چمکتی ہوئی کرن دکھائی دیتی ہے تو وہ انہی کے جلائے ہوئے دیپوں کا فروغ ہے۔''

(دیکھئے: سلیم کے نام سترھواں خط)

کویت میں بزم طلوعِ اسلام کی سرگرمیاں

کویت میں پرویزی فکر کے حاملین حضرات 'بزمِ طلوع اسلام' کے نام سے پرویزیت کی اشاعت

میں سرگرم ہیں، جیسا کہ بزمِ طلوعِ اسلام، کویت کے شائع کردہ تعارف سے واضح ہے کہ

''المختصر...... مسلمانوں کے قلب و دماغ سے ہر قسم کے غیر قرآنی تصورات، نظریات و معتقدات نکال کر ان کی جگہ خالص قرآنی تصورات پیش کرنا اور دلائل و براہین کی رو سے پیش کرنا طلوعِ اسلام کا مطلوب و مقصود ہے۔'' (طلوعِ اسلام کا مقصد و مسلک :ص۱۶)

کویت میں پرویزیت یا 'طلوعِ اسلام' کی سرگرمیوں کو درج ذیل نکات میں پیش کیا جاسکتا ہے:

① ہفتہ وار درسِ قرآن کا اہتمام جس میں مسٹر پرویز کی ویڈیو کیسٹ کے ذریعے حاضرین کو قرآنِ کریم سے متعلق پرویز کی ذاتی آرا پر مبنی گمراہ کن افکار کی تعلیم دی جاتی ہے اور اخبارات کے ذریعے ان پروگراموں کی تشہیر کی جاتی ہے۔

② پرویز کے لٹریچر سے لوگوں کو متعارف کروایا جاتا ہے اور دروس و پروگرام میں پرویزی فکر پر مشتمل لٹریچر تقسیم کیا جاتا ہے۔

③ مسٹر پرویز کی وڈیو، آڈیو کیسٹ لوگوں تک پہنچانا اور طلوعِ اسلام کے مضامین لوگوں میں تقسیم کرنا۔

④ بذریعہ فیکس اور ڈاک لوگوں کے ایڈریس حاصل کر کے انہیں اپنا لٹریچر مفت ارسال کرنا۔

⑤ مناسب مواقع پر خصوصی اجتماع منعقد کرنا مثلاً: پاکستان ڈے، اقبال ڈے، یومِ آزادی کویت وغیرہ اور اس میں کویت اور پاکستان کی بڑی بڑی شخصیات مثلاً اراکین اسمبلی، سفیر پاکستان وغیرہ کو مدعو کرنا اور اس طرح اپنا اثر و رسوخ بڑھانا اور ان سے اپنے پروگرام کے حق میں تعریفی کلمات کہلوانا اور لوگوں کے اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان میں اپنا لٹریچر تقسیم کرنا۔

⑥ سکولز کے طلباء و طالبات تک اپنا لٹریچر پہنچانا بلکہ ان کے خلاف فتویٰ شائع ہونے سے قبل تو پرویزی فکر کے حامل اساتذہ کھلم کھلا بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے اور بعض سکولوں میں تو ان کے پروگرام منعقد ہونا شروع ہوگئے تھے۔

⑦ لوگوں کی رہائش گاہوں پر جا کر انفرادی ملاقاتوں میں سادہ لوح مسلمانوں کے ذہن میں انکار حدیث کی فکر مسموم بھرنا اور حدیث کے متعلق شکوک شبہات پیدا کر کے انہیں قرآن وسنت سے دور کرنا اور الحاد و بے دینی کی دعوت دینا۔

⑧ طلوعِ اسلام لائبریری جس سے مطالعہ کے لئے کتب جاری کی جاتی ہیں۔

انہی سرگرمیوں کے پیش نظر ان کے اعتقادات سے کویت کی وزارت اوقاف کو مطلع کیا گیا تو انہوں نے ان کے اعتقادات کے تفصیلی مطالعہ کے بعد انہیں کافر قرار دیا۔ بزم طلوعِ اسلام نے وزارتِ اوقاف سے شائع شدہ اس فتویٰ کی تردید کرتے ہوئے وزارتِ اوقاف سے استدعا بھی کی تھی کہ فتویٰ غلط

معلومات پر مبنی ہے، لہٰذا اس پر نظر ثانی کی جائے اور اسی طرح عدالت سے رجوع کرنے کی شنید بھی ملی لیکن اس کے بارے میں کسی حتمی بات کا علم نہیں ہوا۔

اللہ کے فضل و کرم سے کویت میں ایسی فکر کے حاملین کی تعداد بہت محدود ہے اور علمائے حق لوگوں کو اس پرفریب پروگرام کے خطرات سے آگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ الحمدللہ!

پرویزیت کی تردید میں علماء کی سرگرمیاں

❶ مرکز دعوة الجالیات : مرکز اپنے تمام دروس اور خطبات جمعة المبارک میں یہ اہتمام کرتا ہے کہ لوگوں میں اہمیتِ حدیث کا شعور بیدار کیا جائے اور دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا جائے کہ قرآن وسنت آپس میں لازم وملزوم ہیں اور دونوں میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ چنانچہ حجیتِ حدیث کے اثبات اور انکارِ حدیث کی تردید میں مرکز کی خدمات درج ذیل ہیں:

۱۔ جنوری ۱۹۹۴ء میں علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدیؒ مرکز دعوة الجالیات کی دعوت پر کویت تشریف لائے اور حجیتِ حدیث کے موضوع پر جامع پروگرام کیا۔ نیز طلوعِ اسلام کے چند افراد نجی محفلوں میں شیخ کے پاس سوال و جواب کے لئے گئے اور شیخؒ نے ان کے شبہات کے مسکت جوابات دیے۔

۲۔ مولانا عبداللہ ناصر رحمانی، کراچی کا قرطبہ میں 'حجیتِ حدیث سیمینار' سے جامع اور مدلل خطاب جو دو آڈیو کیسٹ پر مشتمل ہے، جس میں انہوں نے تفصیلاً منکرین حدیث کے شبہات کا ذکر کرتے ہوئے دلائل سے ان کا ردّ کیا۔ اس پروگرام کے کیسٹ مرکز نے کئی مرتبہ مفت تقسیم کئے ہیں۔

۳۔ شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی، ۱۹۹۷ء کو وزارتِ اوقاف، کویت کی دعوت پر کویت تشریف لائے اور مرکز دعوة الجالیات نے قرطبہ جمعیہ احیا التراث الاسلامی کے مرکز میں فتنۂ انکار حدیث کے ردّ پر ان کے خطاب کا اہتمام کیا اور شیخ محترم نے ڈیڑھ گھنٹہ تک اس موضوع پر مفصل خطاب فرمایا اور فتنۂ انکارِ حدیث کی تاریخ اور اہم کرداروں کا ذکر کیا۔

۴۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز نورستانی کا حجیتِ حدیث پروگرام ۱۹۹۸ء میں قرطبہ جمعیہ احیاء التراث الاسلامی اور پھر مسجد فرحان (العباسیہ) میں منعقد ہوا جس میں شیخ محترم نے اپنے مخصوص علمی انداز میں اتباعِ سنت کی اہمیت اور انکارِ حدیث کے خطرات سے آگاہ کیا۔

۵۔ اسی طرح راقم الحروف اور حافظ محمد اسحاق زاہد صاحب کے سلسلہ وار دروس میں بالتفصیل اس فتنے کی تاریخ، پس منظر اور نتائج کا جائزہ لیا گیا اور منکرین حدیث کے شبہات کا تفصیلی ردّ کیا گیا۔

❷ فتنۂ پرویزیت کے رد میں لٹریچر کی تقسیم : اس سلسلے میں مرکز کی کاوشوں سے درج ذیل کتب لوگوں تک پہنچ چکی ہیں :

۱۔'آئینۂ پرویزیت' از مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ: یہ چھ اجزاء اور ۱۰۰۸ صفحات پر مشتمل پرویزیت اور انکارِ حدیث کے جواب میں ایک لاجواب کتاب ہے۔

۲۔'حجیتِ حدیث' از شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ: منکرین حدیث کے ردّ میں ۲۰۲ صفحات پر مشتمل انتہائی مدلل اور جامع کتاب ہے جس میں بڑے عمدہ اسلوب میں منکرین حدیث کے شبہات کا ردّ کیا گیا ہے۔

۳۔'حجیتِ حدیث' از محدث العصر علامہ محمد ناصر الدین البانیؒ: یہ علامہ البانی کی کتاب کا اُردو ترجمہ ہے جو قیمتی فوائد پر مشتمل ہے۔ادارۂ محدث، لاہور نے اسے شائع کیا ہے۔

۴۔'انکارِ حدیث حق یا باطل؟' از مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری: منکرین حدیث کے ردّ میں انتہائی عمدہ اور مفید کتابچہ ہے۔

۵۔'قولِ فیصل' از محمد طیب مدنی (انڈیا): منکرین حدیث کے ردّ میں ۱۲۷ صفحات پر مشتمل بہترین کتاب ہے۔

علاوہ ازیں اس موضوع پر لکھنے والے رسائل و جرائد ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہفت روزہ 'الاعتصام'، ماہنامہ 'السراج' انڈیا، 'البلاغ' انڈیا اور 'نوائے اسلام' انڈیا، وغیرہ کی تقسیم۔

3 کیسٹ: مرکز اس سلسلے میں شیخ الحدیث مولانا سلطان محمودؒ محدث جلالپور پیروالہ، شیخ الحدیث حافظ عبدالستار حماد، حضرت شاہ بدیع الدین شاہ راشدیؒ، پروفیسر عبداللہ ناصر رحمانی، حافظ عبدالسلام بھٹوی، مولانا عبدالعزیز نورستانی اور شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی کے کیسٹ تقسیم کرچکا ہے۔

مولانا احمد علی سراج صاحب نے بھی اپنے خطبات میں اس فتنے کا بھرپور ردّ کیا اور فرقہ پرویزیت کو کافر قرار دلوانے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے وزارتِ اوقاف، کویت میں استفتا پیش کیا اور اسی دوران پرویزیت کے بارے میں مفتی عالم اسلام شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کا فتویٰ بھی شائع ہوچکا تھا لہٰذا کویت کی وزارتِ اوقاف نے ۲۲/ جمادی الآخرۃ ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو فتویٰ جاری کیا کہ

> ''غلام احمد پرویز کے عقائد باطل اور گمراہ کن ہیں اور اسلامی عقیدے کے منافی ہیں اور ہر وہ شخص جو ان عقائد پر ایمان رکھتا ہو، وہ کافر اور اسلام سے خارج ہے۔''

اور اس پر دارالافتاء وزارت اوقاف، کویت کے چیئرمین مشعل مبارک عبداللہ احمد الصباح کے دستخط اور مہر ہیں...... مولانا غلام محمد منصوری جن کا تعلق اسلامک ایجوکیشن سوسائٹی، کویت سے ہے، ممتاز عالم دین ہیں۔ منکرین حدیث کے شبہات کی تردید میں ان کی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام علماء کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دین کی حفاظت کی فریضہ انجام دینے کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمائیں۔

حجیتِ حدیث

قاری محمد موسیٰ، گوجرانوالہ

حجیتِ حدیث اور فتنۂ انکارِ حدیث

زمانۂ رسالتؐ اور عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ سے جوں جوں دوری ہوتی جارہی ہے، رشدوہدایت میں کمی واقع ہوتی جارہی اور شر وضلالت پنجے گاڑتی جارہی ہے۔ فتنے تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور ان کا یہ طوفان وطغیان فطری اور لازمی ہے۔ جب تک دنیا میں خیر واصلاح کا نام ونشان باقی ہے، دنیا بھی باقی ہے۔ جب دنیا فتنہ وفساد سے بھر جائے گی اور روئے زمین پر اللہ کا نام لینے والے باقی نہیں رہیں گے، تب قیامت آئے گی۔

جس طرح دریاؤں کا بہاؤ نشیب کی سمت فطری وقدرتی ہے، انہیں جانبِ فراز نہیں چلایا جاسکتا۔ اسی طرح فتنوں کا طوفان بھی فطرتی ہے، ان کے آگے بند تو باندھا جاسکتا ہے مگر ان کا سدِباب نہیں کیا جاسکتا۔ ایک فتنہ ابھی فرو نہیں ہوپاتا کہ دوسرا برپا ہوجاتا ہے، انہی فتنوں میں سے ایک فتنہ 'انکارِ حدیث' کا ہے۔ یہ پڑھے لکھے جاہلوں اور کھاتے پیتے آسودہ حال، متمول لوگوں کا فتنہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس فتنہ کی پیشگوئی کرتے ہوئے فرمایا:

"ألا يوشك رجل شبعان علىٰ أريكته يقول: عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فأحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه"

''خبردار! عنقریب ایک شکم سیر آدمی اپنے مزین وآراستہ پلنگ یا صوفے پر بیٹھ کر کہے گا کہ تم پر اس قرآن کا (اتباع) فرض ہے۔ اس میں جو حلال ہے تم اسے حلال جانو اور جو اس میں حرام ہے تم اسے حرام جانو۔'' (ابوداود:۱۶۳/مشکوٰۃ المصابیح: باب الاعتصام بالکتاب والسنہ، ص۲۹)

اور امام ترمذیؒ نے ابورافعؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو، اس کے سامنے میرا حکم از قسم امر و نہی پیش ہو اور وہ کہے: "لا أدری ما وجدنا فی کتاب الله اتبعناه" (مشکوٰۃ: باب الاعتصام بالکتاب والسنہ)

''میں اسے نہیں جانتا، ہم تو جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے، اسی پر عمل کریں گے۔''

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ منکرین حدیث پُرتکلف امیرانہ زندگی گزارتے ہوں گے اور خوب پیٹ بھر کر آراستہ و پیراستہ تختوں، مسندوں پر نرم و نازک تکیوں سے ٹیک لگا کر احادیث کا ردّ اور انکار کریں گے۔ سچے اللہ کے مخبر صادق ﷺ کی یہ پیشگوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوکر رہی اور آج بنگلوں میں ٹھاٹھ سے رہنے والے اور فراغت و خوشحالی وعیش ونشاط سے زندگی گزارنے والے لوگ حدیث کی حجیت کا انکار کرتے ہیں اور صرف قرآن کو حجت قرار دیتے ہیں۔

لسانِ رسالت سے اس فتنہ کی تردید

منکرینِ حدیث کے اس استدلال کا ردّ بھی آپؐ نے خود فرما دیا:

"ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه ...... وإن ما حرم رسول الله كما حرم الله، ألا لا يحل لكم الحمار الأهلي" (مشکوٰۃ: باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

''خبردار رہو! بلا شبہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی دی گئی ہے ...... اور بلا شبہ جو رسول اللہ ﷺ نے حرام کیا ہے، وہ اسی طرح حرام ہے جس طرح اللہ کا حرام کردہ ہے۔ خبردار رہو! پالتو گدھا تمہارے لئے حلال نہیں......!''

اسی طرح حضرت عرباض بن ساریہؓ کی روایت میں منکرین حدیث کے دعویٰ کی تردید کی گئی ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن کی حرام کردہ چیز کے علاوہ اللہ نے کوئی چیز حرام نہیں کی۔ فرمایا:

"ألا وإني والله قد اَمرت ووَعظتُ ونَهيتُ عن أشياء إنها لمثل القرآن أو أكثر وإن الله لم يحل لكم أن تدخلوا بيوت أهل الكتاب إلا باذن"

''خبردار رہو! میں نے اللہ کی قسم حکم دیا اور نصیحت کی اور کئی چیزوں سے منع کیا جو قرآن جتنی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال نہیں کیا کہ تم اہل کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل ہو جاؤ۔'' (مشکوٰۃ: باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)☆

ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی حرام کردہ چیزیں (جو کہ احادیث میں ہیں) وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کی طرح حرام ہیں۔ آپؐ نے کئی چیزوں کی حرمت کا ذکر فرمایا جن کی حرمت قرآن میں نہیں ہے مثلاً گدھے کا حرام ہونا یا اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کی حرمت اور اہل کتاب کے گھروں میں داخلہ کی حرمت کو آپؐ نے اللہ کی طرف منسوب کیا ہے: إن الله لم يحل لكم أن تدخلوا ...... حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن میں نہیں کیا بلکہ اسے رسول اللہؐ نے حرام کیا ہے اور آپؐ نے اپنے حکم کو اللہ کے حکم سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ کا حرام کرنا بھی اللہ کی وحی سے ہی ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ حدیثِ رسولؐ قرآن کی طرح حجت ہے اور حدیث بھی قرآن کی طرح منزل من اللہ ہے۔

قرآنِ کریم سے اس کا ثبوت

رسول اللہ ﷺ پر صرف قرآن نازل نہیں ہوا بلکہ قرآن کے ساتھ حکمت بھی نازل ہوئی:

﴿وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ﴾ (البقرۃ:۲۳۱)

''اور جو اُتاری تم پر کتاب اور حکمت......''

﴿وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (سورۃ النساء:۱۱۳)

''اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی۔''

پھر نبی کریم ﷺ کتاب اللہ کی طرح اس الحكمة کی بھی تعلیم دیتے تھے:

☆ قال الالبانی وسندہ ضعیف، فیہ اشعث بن شعبہ قال ابوزرعہ وغیرہ: فیہ لین (مشکوٰۃ بتحقیق الالبانی: ۱/۵۸، رقم ۱۶۴)

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (البقرۃ:۱۲۹) ''آپؐ انکو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے تھے''

حکمت کیا ہے؟

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ پر کتاب اللہ کے ساتھ جو حکمت نازل فرمائی ہے اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت قتادہ کہتے ہیں والحکمة أی السنة ''حکمت یعنی سنتِ نبوی ہے۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: والسنة، الحکمة التی فی روعه عن الله عزوجل (الرسالہ)

''اور حضورؐ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی ہے۔''

قرآن اور حدیث میں فرق

یہ بات تو واضح ہوگئی کہ قرآن کی طرح سنت و حدیث رسولؐ بھی منزل من اللہ اور وحی الٰہی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ قرآن وحیِ متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو۔ قرآنِ کریم کا مضمون بھی ربانی ہے اور الفاظ بھی ربانی ہیں۔ جبریل امین الفاظِ قرآنی حضور ﷺ پر نازل کرتے ہیں۔

جبکہ حدیثِ نبوی کا مضمون تو ربانی ہے مگر الفاظ ربانی نہیں، اللہ تعالیٰ بلا واسطہ جبریلؑ کے اس مضمون کو خود قلبِ رسولؐ پر القا فرماتے ہیں اور آپؐ اس مضمون کو مناسب الفاظ کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔

مقامِ تعجب ہے کہ منکرین حدیث حضرت محمد ﷺ کو رسول اللہ ﷺ تو مانتے ہیں مگر آپ کے ارشادات کو وحی الٰہی نہیں مانتے بلکہ محمدؐ بن عبداللہ کی ذاتی بات مانتے ہیں۔ یہ لوگ یا تو دل سے آپؐ کو رسول اللہ ﷺ نہیں مانتے یا پھر رسولؐ کے معنی نہیں جانتے۔ رسول کے معنی ہیں: پیغام پہنچانے والا۔ پیغام پہنچانے والا دوسرے کا پیغام پہنچاتا ہے، اپنی نہیں سناتا۔ اگر وہ دوسرے کا پیغام پہنچانے کی بجائے اپنی بات شروع کردیتا ہے تو وہ امین نہیں، خائن ہے۔ (معاذ اللہ) اور رسول کی پہلی اور آخری صفت یہ ہے کہ وہ 'امین' ہو۔ آپ ﷺ مسندِ رسالت پر فائز ہونے سے قبل ہی 'امین' مشہور تھے۔

'رسول' اس کو کہتے ہیں ہیں جو اپنی نہ کہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام حرف بحرف پہنچا دے۔ جو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو حضورؐ کی ذاتی بات سمجھ کر ردّ کر دیتے ہیں، وہ صرف منکرین حدیث ہی نہیں درحقیقت وہ منکرِ رسالت ہیں۔ اگر حضورؐ کی رسالت کے سچے دل سے قائل ہوتے تو آپؐ کی احادیث آیاتِ قرآنی کی طرح سرآنکھوں پر رکھتے۔

محمدؐ بن عبداللہ یا محمد رسول اللہ ﷺ

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اپنی تو وہ کہتا ہے جس کا تعارف ذاتی ہوتا ہے اور جس کا تعارف ذاتی ہوتا ہے، وہ اپنے باپ کے نام سے متعارف ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سوا، سب اپنے باپ کے نام سے پہنچانے اور پکارے جاتے ہیں۔ جیسے عثمان بن عفان، عمر بن خطاب، ابوبکر بن ابی قحافہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سب اپنے اپنے باپ کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ مگر ایک محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو اپنے

باپ کے نام سے نہیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ سے متعارف ہیں۔

کوئی کافر لاکھ محمدؐ بن عبداللہ کہے، وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ ایک دفعہ لااله الا الله کے ساتھ محمد رسول الله کہہ دے تو تب مسلمان ہوجائے گا۔ قرآن ہو، اذان ہو، تکبیر ہو، تشہد ہو، کلمہ ہو، ہر جگہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، محمدؐ بن عبداللہ کسی جگہ پر بھی وارد نہیں۔ تو محمدؐ بن عبداللہ، محمدؐ بن عبداللہ ہوکر بھی محمدؐ بن عبداللہ نہ رہے بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ ہوگئے تو اب آپ کی بات محمدؐ بن عبداللہ کی بات نہ رہی اب تو آپ کی ہر بات اللہ کی بات ہوگی۔ منصبِ رسالت کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپؐ کا ہر بول اللہ کا بول ہے بس زبان آپؐ کی ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود!

﴿وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى، اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى﴾ (النجم:۳،۴)

''آپ اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ آپ کا ارشاد وحی ہے۔''

تو حقیقت یہ ہے کہ دین کے دائرے کے اندر نبی کا ہر فرمان اللہ کا فرمان ہے۔ وحی خفی ہے اور منزل من اللہ ہے۔

صحابہؓ حکم رسول کو حکم الٰہی مانتے ہیں

اصحابِ رسول آپؐ کے اوامر ونواہی کو اللہ کا امر ونہی ہی مانتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہر فرمان کو ہمیشہ اللہ کا فرمان سمجھا۔ حضرت علقمہ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ

''ان عورتوں پر اللہ نے لعنت کی ہے جو جسم کو گوندتی یا گوندواتی ہیں یا خوبصورتی کے لئے بال چنتی یا چنواتی ہیں اور دانتوں کو باریک کرتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ صورت میں تغیر وتبدل کرنا چاہتی ہیں۔''

ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اس اس قسم کی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں اور وہ چیز کتاب اللہ میں بھی موجود ہے۔'' اس نے کہا کہ میں نے سارا قرآن پڑھا ہے، اس میں تو یہ بات مجھے نہیں ملی جو آپ فرماتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

''اگر تو قرآن کو سمجھ کر پڑھتی تو یہ بات ضرور اس میں پالیتی۔ کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی: ﴿وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا﴾ ''جو کچھ تمہیں رسولؐ دیں، اسے لے لو اور جس سے تمہیں منع کریں، اس سے رک جاؤ۔'' ...... اس عورت نے کہا: ہاں، یہ تو پڑھا ہے۔ پھر عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: یقیناً رسول اللہ ﷺ نے ان افعال کی ممانعت فرمائی ہے۔

(صحیح بخاری: کتاب اللباس)

صحابہ کرامؓ احکامِ حدیث کو قرآنی حکم کی تعمیل میں تسلیم کرتے، گویا اس کو کتاب اللہ ہی سمجھتے بلکہ یوں

کہئے کہ انہوں نے ہر حدیث کو قرآن کی طرح تسلیم کیا، اس لئے کہ حدیث کے ماننے کا حکم قرآن میں ہے۔ چنانچہ وہ خاتون ابن مسعودؓ کا جواب سن کر مطمئن ہوگئی۔قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں میں ایسا ہی طرز عمل پایا جاتا تھا۔

حدیث کتاب اللہ ہے!

حضرت ابوہریرہؓ اور زید بن خالدؓ روایت کرتے ہیں کہ

''ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثنا میں ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ میں آپ ﷺ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان 'کتاب اللہ' سے فیصلہ کردیجئے، پھر فریق ثانی کھڑا ہوا...... وہ زیادہ سمجھ دار تھا...... اس نے بھی کہا: اقض بيننا بكتاب الله اور پھر فیصلہ طلب واقعہ یوں سنایا کہ میرا لڑکا اس شخص کے ہاں مزدور تھا، اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، میں نے اس کی طرف سے سو بکریاں اور ایک خادم بطورِ فدیہ ادا کیا پھر میں نے اہل علم سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے لڑکے کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا دی جائے گی اور اس کی بیوی کو سنگسار کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں ضرور تمہارا فیصلہ 'کتاب اللہ' سے کروں گا۔سو بکریاں اور خادم تمہیں واپس کیا جائے اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے۔'' (صحیح بخاری 'کتاب المحاربین')

مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ احادیث کو بھی 'کتاب اللہ' کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جو سزا یہاں بیان کی گئی ہے، وہ حدیث ہی میں ہے، قرآن میں کہیں نہیں۔

صرف قرآن قرآن کا دعویٰ کرنے والوں کو اتنی سیدھی سی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ قرآن اور حدیث دونوں ہی وحی کے الفاظ ہیں، دونوں شانِ نبوت سے ادا ہوتے ہیں۔ایک ہی نبی اور ملتے جلتے الفاظ۔ان میں سے بعض کو ہم قرآن قرار دیتے ہیں اور بعض کو حدیث نبوی کیونکہ ہمیں ہمارے نبی نے بتایا کہ فلاں الفاظ بطور قرآن ہیں اور فلاں بطور حدیث۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کے فرمان پر یقین نہیں ہے تو پھر بتائیے، قرآن بھی کس کے کہنے سے 'قرآن' بنتا ہے؟ فرمان نبوی نے ہی بتلایا کہ یہ قرآن ہے۔ ہم سے نہ اللہ نے یہ فرمایا، نہ جبریلؑ امین نے کہا کہ یہ قرآن ہے۔ کس قدر احسان ناشناس اور محسن کش ہیں یہ لوگ جو آج قرآن کی آڑ لے کر حدیث کے انکار پر تلے ہوئے ہیں جبکہ احادیث ہی نے انہیں قرآن سے روشناس کیا۔

اگر حدیث سے انکار ہے تو قرآن کا ثبوت کیسے ممکن ہے؟ اگر حدیث کا اعتبار نہیں تو قرآن کا کیا اعتبار؟ (معاذ اللہ) حدیث ہی نے ہم کو بتلایا کہ یہ قرآن ہے۔ منکرین حدیث کس منہ سے قرآن کو 'کتاب اللہ' کہتے ہیں۔ قرآن تو صرف انہی بانصیب کے لئے 'کتاب اللہ' ہے جن کا حدیث رسولؐ پر ایمان ہے اور جن کے لئے حدیث حجت ہے!!

مقالات

ڈاکٹر خالد ظفر اللہ رندھاوا☆

برصغیر میں انکارِ حدیث کا لٹریچر

برصغیر میں فتنۂ انکارِ حدیث کے ظہور پذیر ہونے کے بعد ان کے عقائد ونظریات کا جائزہ لینے اور حجیتِ حدیث، عظمت واَہمیتِ حدیث، تاریخِ حدیث جیسے مختلف موضوعات پر لٹریچر کی تیاری میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا۔ ایک طرف منکرین حدیث ، ردِّ حدیث میں ورق سیاہ کرتے رہے، حدیثِ نبوی ﷺ کے بارے میں شکوک وشبہات اور اعتراضات پھیلانے کے لئے رسائل و جرائد میں مضامین اور کتابیں پھیلائی گئیں۔ اس کے بالمقابل حدیثِ رسول کی حجیت کے قائل اہل علم حضرات نے اس کی تردید میں خوب لکھا۔ رسائل وجرائد میں مضامین کے علاوہ اعلیٰ تحقیقی معیار پر کتابیں تحریر کی گئیں۔ منکرینِ حدیث کے ردّ میں تحریر کردہ کتابوں کی ایک فہرست حاضر خدمت ہے جس میں اَلف بائی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے اور نام کے آخر میں بریکٹ میں مقامِ طباعت اور سنِ طباعت کو بھی درج کر دیا ہے:

۱۔ آئینہ پرویزیت (مکمل چھ حصے) [از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، (لاہور، ۱۹۷۸ء)]

مولانا کیلانی مرحوم نے اپنے خالص علمی، معلومات اور قدرے فلسفیانہ رنگ میں ۹۸۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب تحریر کی ہے۔ اس ضخیم کتاب میں پرویزیت کا جامع انداز میں پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے۔

حصہ اَول: معتزلہ سے طلوعِ اسلام تک......حصہ دوم: طلوع اسلام کے مخصوص نظریات...... حصہ سوم: قرآنی مسائل......حصہ چہارم: دوامِ حدیث......حصہ پنجم: دفاعِ حدیث......حصہ ششم: طلوعِ اسلام کا اسلام

۲۔ اتباعِ سنت [از سید بدیع الدین شاہ راشدی، (حیدر آباد سندھ، ۱۹۷۹ء)]

مقامِ سنت اور اتباعِ سنت کے فوائد پر بحث ہے۔

۳۔ اِتباعِ سنت کے مسائل [از محمد اقبال کیلانی، (لاہور، ۱۹۷۹ء)]

سنت کی فضیلت واہمیت کیساتھ ساتھ منکرین حدیث کے بعض اعتراضات کا شافی جواب ہے۔

٤۔ إثبات الخبر فی ردّ منكری الحديث والأثر [از حافظ عبدالستار حسن (اسلام آباد،

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر آف اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سمندری، فیصل آباد

۸۹ء)]

منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کے جوابات پر مشتمل یہ رسالہ مولانا عبدالغفار حسن صاحب کی مرتب کردہ 'عظمتِ حدیث' نامی کتاب میں صفحہ ۸۷ تا ۱۲۸ تک پھیلا ہوا ہے۔

۵۔ احادیثِ صحیح بخاری و مسلم کو مذہبی داستانیں بنانے کی ناکام کوشش

[از مولانا ارشادالحق اثری، (فیصل آباد، ۱۹۹۸ء)]

جناب حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی صاحب کی کتاب 'مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت' نے فتنہ انکارِ حدیث کو ہوا دینے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اس کتاب میں موضوع روایات کے ساتھ ساتھ بخاری و مسلم کی احادیث پر بھی ہاتھ دکھایا گیا ہے۔ بخاری و مسلم کے روحانی فرزند جناب اَثری نے اپنی کتاب میں کاندھلوی صاحب کے مبلغِ علم اور علمی خیانتوں کا خوب پردہ چاک کیا ہے۔ اس کے علاوہ مشکل پسند شاعر جناب عبدالعزیز خالد اور تمنا عمادی کی اَحادیثِ بخاری پر لب کشائی کی نقاب کشائی بھی کی ہے۔

۶۔ أحاديث الصحيحين بين الظن واليقين [از حافظ ثناء اللہ الزاہدی، (امارات)]

'خبر واحد علم ظنی کا فائدہ دیتی ہے' ...... یونانی فلسفے سے متاثر اس گمراہ فکر کا علمی انداز میں اچھوتا اور اوّلین جواب ہے۔ صدیوں سے مسلمہ اُصول کی عقلی و نقلی تردید کی جرأت کرنے اور اس کا صحیح حق ادا کرنے میں جناب حافظ صاحب خوب کامیاب رہے ہیں اور نئی فکری رہنمائی کا فریضہ کماحقہ سرانجام دیا ہے۔

۷۔ احکامِ شریعت میں حدیث کا مقام [از مولانا محمد اسماعیل سلفی، (ملتان)]

۸۔ اسلام میں سنت کا مقام [از مولانا عبدالغفار حسن، (کراچی)]

۹۔ اسلام میں سنت و حدیث کا مقام (حصہ دوم) [از ڈاکٹر مولانا احمد حسن ٹونکی]

مصطفیٰ حسن سباعی کی السنة ومكانتها فی التشريع الإسلامی کا ترجمہ ہے۔

۱۰۔ اسلام میں کتاب وسنت کا مقام [از مولانا عبدالسلام کیلانی، (لاہور، ۱۹۹۲ء)]

کتاب وسنت کے اصلی ماخذ دین ہونے پر علمی روشنی ڈالی ہے۔

۱۱۔ اسلامی آئین کی تشکیل اور سنت (مقالات) [اسلام آباد، ۱۹۸۳ء]

مولانا محمد حنیف ندویؒ نے اپنے مقالے 'اسلامی آئین کی تشکیل اور سنت' میں اپنے خاص ادبی اور فلسفی رنگ میں قرآن سے سنت کا غیر منفصل رشتہ ثابت کیا ہے۔

اسی کتاب میں، مولانا ارشادالحق اَثری نے اپنے مقالے 'خبر واحد کا مفہوم اور مقام' میں اپنے خاص علمی اور تحقیقی انداز میں خبر واحد کی قطعی افادیت کو پیش کیا ہے۔

۱۲۔ ہفت روزہ 'الاعتصام' (حجیت ِحدیث نمبر) [جلد نمبر ۷، شمارہ ۲۸۔۲۹ (لاہور، ۱۹۵۶ء)]

انکارِ حدیث یا انکارِ سنت ، حجیت ِحدیث، تدوین حدیث، فتنہٴ انکارِ حدیث کا عقلی اور تاریخی تجزیہ جیسے اہم مقالات کے علاوہ فتنہ انکارِ حدیث پر منظوم کلام بھی پایا جاتا ہے۔

۱۳۔ اقبال اور منکرینِ حدیث [از پروفیسر محمد فرمان (گجرات)]

۱۴۔ امام بخاریؒ پر بعض اعتراضات کا جائزہ [از مولانا ارشادالحق اثری، (فیصل آباد، ۱۹۹۹ء)]

منکرین حدیث کے گروہ سے باہر بیٹھ کر ان کی بولی بولنے والے مولانا حبیب اللہ ڈیروی کے صحیح بخاری پر اعتراضات کا محققانہ اور محدثانہ جواب ہے۔ اور یوں منکرین حدیث یا ان کے ہم نوا لوگوں کے ہاتھوں سب سے زیادہ ہدفِ تنقید بننے والی مظلوم کتابِ حدیث کے دفاع کا حق ادا کیا گیا ہے۔

۱۵۔ انکارِ حدیث (ایک فتنہ، ایک سازش) [از پروفیسر محمد فرمان، (گجرات ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء)]

۱۶۔ انکارِ حدیث حق یا باطل [از مولانا صفی الرحمٰن اعظمی، (بنارس، یو پی ۱۹۷۸ء)]

۱۷۔ انکارِ حدیث یا انکارِ رسالت [از سید معین الدین (سکندر آباد)]

۱۸۔ انکارِ حدیث کے نتائج [از مولانا محمد سرفراز خان (لاہور)]

۱۹۔ اهتمام المحدثين بنقد الحديث سنداً و متناً [از ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، (ریاض، ۸۷ء)]

اس کتاب میں صفحہ ۴۵۷ و مابعد پر برصغیر میں فتنہ انکار حدیث کے نشر و ارتقا پر بڑی تفصیلی اور علمی بحث پائی جاتی ہے۔

۲۰۔ اہمیت ِحدیث [از سید محمد اسماعیل مشہدی بن مولانا محمد شریف شاہ صاحب گھڑیالوی (حافظ آباد)]

سید محمد اسماعیل مشہدی کی اہل حدیث کانفرنس، ملتان (۱۳۷۶ھ) میں حجیت ِحدیث کے موضوع پر تقریر ہے۔ جو مولانا محمد یحییٰ صاحب حافظ آبادی کی کاوش سے طبع ہوئی تھی۔ آج کل حافظ محمد شریف مدیر مرکز السنۃ فیصل آباد طبع نو کے لئے اس پر نظر ثانی فرما رہے ہیں۔ دعا ہے یہ کتاب جلد از جلد پھر سے شائقین کے ہاتھوں تک پہنچے کیونکہ موضوع اور معلومات کے لحاظ سے بڑی مفید اور جامع کتاب ہے۔

۲۱۔ برقِ اسلام [ازمولانا محمد شرف الدین محدث دہلوی (خانیوال)]

۲۲۔ برصغیر پاک و ہند میں احیاءِ سنت کی مساعی (از حافظ عبدالرحمٰن مدنی، ۱۹۹۹ء)

إطلاعة على جهود علماء السنة والحديث فى شبه القارة الهندية: عربی زبان کا یہ مقالہ مدیراعلیٰ 'محدث' لاہور نے مراکش میں شاہ حسن دومؒ کے زیر اہتمام ہر سال رمضان المبارک میں منعقد ہونے والے 'دروسِ حسنیہ' کے سلسلہ میں پیش کیا۔ جس میں دنیا بھر سے ممتاز اہل علم/دانشور شرکت کرتے ہیں اور شاہی محل میں شاہ مراکش کی صدارت میں چیدہ چیدہ علما اور زعماءِ مراکش کی ایک تعداد بھی موجود ہوتی ہے۔ یہ مقالہ برصغیر پاک و ہند کی 'تحریکِ اہل حدیث' کے ارتقا کے پس منظر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور کتاب وسنت سے براہِ راست وابستگی کے مشن کو فروغ دینے والے کبار 'خدامِ سنت' کی مختصر جھلکیوں پر مشتمل ہے۔ غالبًا یہ اسلامی مغربِ اقصیٰ میں تیرھویں اور چودھویں ہجری کے ممتاز علما کا سرکاری سطح پر پہلا تعارف ہے۔

۲۳۔ بصائر السنة [ازمولانا سید محمد امین الحق، (شیخوپورہ، ۱۹۵۵ء)]

حجیتِ حدیث کتاب کا ضابطہ اطاعت اور رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیغمبرانہ حیثیت، اتباعِ قرآن وحدیث کا باہمی ربط، تدوین حدیث نیز منکرین حدیث کے اعتراضات کے مسکت جواب کی حامل کتابِ ہذا کا حصہ اوّل دستیاب ہوا، حصہ دوم تک رسائی نہ ہوسکی۔

۲۴۔ پرویز کا اسلام [ازمنشی عبدالرحمٰن خان (کراچی)]

متاثرینِ پرویز کو راہِ ہدایت دکھانے کی غرض سے عقائد وافکارِ پرویز پر جستہ جستہ نگاہ ڈالی ہے۔

۲۵۔ پرویز نے کیا سوچا؟ [از ڈاکٹر سبطین لکھنوی (کراچی)]

غلام احمد پرویز صاحب کے عقائد وافکار کا تفصیلی نقشہ ان کے لٹریچر سے باحوالہ پیش کیا گیا ہے۔

۲۶۔ تاریخ اہل حدیث [مولانا حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی، (لاہور، ۱۹۵۳ء)]

تاریخ اہلحدیث کا دوسرا حصہ (صفحہ ۲۹۰ تا ۳۰۶) کتابتِ حدیث و تدوین حدیث کے حوالے سے لکھا گیا ہے اور اس میں مولانا میر صاحب نے اس پہلو پر خوب محققانہ اور مؤرخانہ انداز میں منکرین حدیث کا ردّ کیا ہے۔

۲۷۔ تاریخ تدوین حدیث [ازمولانا ہدایت اللہ ندوی، (اوکاڑہ، ۱۹۵۷ء)]

۲۸۔ تاریخ حدیث [از ڈاکٹر غلام جیلانی برق، (لاہور، ۱۹۸۸ء)]

ڈاکٹر صاحب نے اپنے انکار حدیث والے موقف سے رجوع کے بعد اپنی سابقہ تحریروں کے ازالہ وکفارہ کے طور پر یہ کتاب تحریر کی ہے۔ کتبِ حدیث کی کتابت وتدوین کے حوالے سے بزبانِ اُردو تاریخی اعتبار سے بڑی جامع معلومات یکجا کردی ہیں۔ جن کے مطالعہ کے بعد منکرین حدیث کے اس اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ احادیث تیسری صدی مدوّن کی گئی ہیں، لہٰذا ان کا اعتبار نہیں۔

۲۹۔ تحقيق معنى السنة وبيان الحاجة إليه [ازسید سلیمان ندوی (قاہرہ، ۱۳۷۷ھ)]

مترجم: عبدالوہاب دہلوی......سنت کا معنی ومفہوم، فہم قرآن میں اس کی ضرورت کے علاوہ وحدتِ اُمتِ مسلمہ میں اس کے اہم کردار کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔

۳۰۔ تدوین حدیث [ازمولانا مناظر احسن گیلانی (کراچی، ۱۴۰۷ھ)]

حدیث کی شرعی حیثیت، حدیث کی دینی اہمیت وضرورت، تدوین وحفاظت کے علاوہ ان شکوک وشبہات کا نہایت اطمینان بخش جواب دیا ہے جن کی وجہ سے بعض لوگ حجیتِ حدیث کا انکار کرتے ہیں۔

۳۱۔ تردیدِ پرویزیت [ازمولانا ظفر احمد عثمانی (لاہور)]

۳۲۔ تفہیم اسلام [ازمسعود احمد، بی ایس سی، (کراچی ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء)]

جناب ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب کی بطورِ منکرِ حدیث معروف کتاب 'دو اسلام' کا بہترین جواب ہے۔ حجیتِ حدیث، تدوینِ حدیث جیسے موضوعات کے علاوہ منکرین حدیث کے اعتراضات وشبہات کا انتہائی احسن انداز میں قرآن وحدیث کے بھرپور دلائل سے محکم ومدلل جواب ہے۔ یہ ایسی عمدہ اور پرتاثیر کتاب ہے کہ 'دو اسلام' کا مصنف بھی اسے پڑھ کر اپنے گمراہ عقیدہ پر قائم نہ رہ سکا اور اخیر عمر میں حدیثِ نبوی کی طرف رجوع کرکے اپنی عاقبت سنوارنے کی کوشش کرگیا۔ کتابِ ہذا کے آخر پر مصنف 'دو اسلام' کا خط شائع کیا گیا ہے جس میں مصنف 'دو اسلام' نے اپنے ناشر کو آئندہ 'دو اسلام' شائع کرنے سے منع کردیا۔ واللہ یھدی من یشاء إلی صراط مستقیم!

۳۳۔ جماعتِ اسلامی کا نظریۂ حدیث [ازمولانا محمد اسماعیل سلفی، (لاہور، ۱۹۷۰ء)]

۳۴۔ جمع القرآن والأحاديث (ذخائر المواريث فی الدلالة علی

ثبوت جمع القرآن والأحاديث) [از مولانا ابوالقاسم محمد خان سیف محمدی بنارسی، (لاہور ۱۰۳۶ھ)]

دوسرے باب میں (صفحہ ۳۴ تا ۵۶) اس امر کا ثبوت ہے کہ احادیثِ نبویہ آخری زمانۂ رسالت اور عہدِ صحابہ میں کتابی صورت میں جمع کی جاچکی تھیں، نہ کہ دوسری صدی ہجری میں مدوّن ہوئیں۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر (انچارج سیرت چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور) کی تخریج وتعلیق اور خوبصورت کمپیوٹر کمپوزنگ کا حامل مسودہ برائے طبع تیار ہے۔

۳۵۔ جہانِ کہن بجوابِ جہانِ نو [از مولانا فضل احمد غزنوی (حیدرآباد)]

احادیث جزوِ دین ہیں، حجت ِدین ہیں۔ وحی ہیں، اَبدی ہیں۔شطحیات و اباطیلِ برق اور منکرین حدیث کا ردّ خود قرآن سے پیش کیا ہے۔

۳۶۔ حجیتِ حدیث [از شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیلؒ سلفی، (لاہور، ۱۹۸۱ء)]

حجیتِ حدیث کے اثبات اور منکرین حدیث کے افکار کے اِبطال پر قابل فخر کتاب ہے۔ یہ کتاب معلومات کی وسعت، افکار کی ندرت وپختگی، خصم کی بیخ کنی اور گوشمالی کے ساتھ ساتھ دعوتی اسلوب کا شاہکار ہے۔

۳۷۔ حجیتِ حدیث [از علامہ ناصر الدین البانی رشیخ الحدیث محمد اسماعیل سلفیؒ (بنارس، ۱۹۸۵ء)]

اس میں آٹھ رسائل ہیں۔اور علامہ ناصر الدین البانی کے درج ذیل رسائل شامل مجموعہ ہیں:

1. اسلام میں سنتِ نبوی کا مقام،صرف قرآن پر اکتفا کی تردید!
2. عقائد میں حدیثِ آحاد سے استدلال واجب ہے۔مخالفین کے شبہات کا جواب (ترجمہ مولانا عبدالوہاب حجازی کا ہے۔)
3. عقائد واحکام کے لئے حدیث ایک مستقل حجت (ترجمہ بدرالزمان نیپالی) مولانا محمد اسماعیل سلفی صاحب کے رسائل درمجموعہ ہذا
4. حدیث کی تشریعی اہمیت
5. جماعتِ اسلامی کا نظریۂ حدیث
6. سنت،قرآن کے آئینہ میں

7 حجیتِ حدیث آنحضرت کی سیرت کی روشنی میں

8 مسئلہ درایت وفقہ راوی کا تاریخی وتحقیقی جائزہ

۳۸۔ حجیتِ حدیث [از افاضاتِ مولانا بدر عالم میرٹھی، (لاہور ۱۹۷۹ء)]

۳۹۔ حجیتِ حدیث [از مولانا محمد ادریس کاندھلوی (لاہور)]

نفس مضمون پر لاجواب کتاب ہے، دلائل وترتیب کے اعتبار سے بہت عمدہ کاوش ہے۔

۴۰۔ حجیتِ حدیث واتباعِ رسول [از مولانا ثناء اللہ امرتسری (امرتسر، ۱۹۲۹ء)]

۴۱۔ حجیتِ حدیث اور فتنۂ انکارِ حدیث [از فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز]

ترجمہ از عبدالمنعم عبدالباقی ...... (مقام طباعت: ملتان)

ترجمہ ثانی بنام 'فتنہ انکار حدیث اور اسلام' از ابومحمد عبدالستار حماد (مقام طباعت: میاں چنوں)

'فتنہ پرویزیت کا تعارف' کے عنوان سے جناب عبدالستار حماد نے اس فتنہ کا خوب ردّ پیش کیا ہے۔

۴۲۔ حجیتِ حدیث (بجواب حقیقتِ حدیث از ڈاکٹر قمر زماں (گوجرانوالہ) باہتمام مولانا خالد گھر جاکھی

حجیتِ حدیث کے ساتھ ساتھ بعض احادیث پر اعتراضات کے جوابات بھی ہیں۔

۴۳۔ حجیتِ سنت (عبدالغنی عبدالخالق) [از ترجمہ محمد رضی الاسلام ندوی، (اسلام آباد ۱۹۹۷ء)]

موضوع اور موادِ کتاب کی افادیت کے پیش نظر ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد نے اس ضخیم کتاب کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا اہتمام کر کے عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔

۴۴۔ حدیث اور قرآن [از سید ابوالاعلیٰ مودودی (کراچی)]

۴۵۔ حدیث رسول کا تشریعی مقام [از ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی (فیصل آباد)] ترجمہ: پروفیسر غلام احمد حریری

انکارِ حدیث کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کردینے والی کتاب ہے۔

۴۶۔حدیث رسول کا قرآنی معیار [از مولانا محمد طیب (لاہور، ۱۹۷۷ء)]

۴۷۔حدیثِ رسول کی تشریعی اہمیت [مولانا محمد اسماعیلؒ سلفی، (لاہور، ۱۹۸۱ء)]

۴۸۔حدیث قرآن کی تشریح کرتی ہے! [از محمد رفیق چوہدری (لاہور)]

۴۹۔حفاظت و حجیتِ حدیث [از مولانا محمد محترم فہیم عثمانی (لاہور، ۱۹۷۹ء)]

حدیث کی حفاظت اوراس کی حجیت سے متعلق تمام شکوک وشبہات کا نہایت اطمینان بخش جواب دیا گیا ہے۔

۵۰۔خود انصاف کیجئے! بجواب 'خود فیصلہ کیجئے!' [از مسعود احمد، بی ایس سی (کراچی)]

صحیح بخاری کی بعض احادیث پر اعتراضات کا تفصیلی اور لاجواب کرنے والا جواب ہے۔

۵۱۔درسِ صحیح بخاری [محدث العصر حافظ محمد گوندلویؒ، (لاہور،۱۹۹۲ء)]

جگہ جگہ اس گمراہ فکر کا خالص محدثانہ انداز میں بلند پایہ فکری ردّ پایا جاتا ہے۔

۵۲۔دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن [از مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (امرتسر، ۱۹۰۶ء)]

عبداللہ چکڑالوی کے رسالے 'برہان الفرقان' کا ردّ ہے۔ چکڑالوی نے نمازِ پنجگانہ کی کیفیت، کمیت اور ہیئت کا ثبوت از روئے قرآن دینے کا تکلف کیا تو شیخ الاسلام امرتسری نے حجیتِ حدیث پر مناسب شاندار بحث فرمائی۔

۵۳۔دوامِ حدیث [از محدث العصر حافظ محمد گوندلویؒ، (بحوالہ درسِ بخاری، صفحہ ۲۷)]

غلام احمد پرویز کی کتاب 'مقام حدیث' کا مدلل ومسکت جواب ہے۔

۵۴۔زوابغ فی وجه السنة قديماً وحديثاً [از صلاح الدین مقبول احمد (کویت، ۱۹۹۴ء)]

برصغیر میں فتنۂ انکار سنت کے بارے میں مضمون ص۹۱ تا ۱۰۷ پھیلا ہوا ہے۔

۵۵۔السنة [از محمد بن نصر المروزی (سانگلہ ہل)]

دفاع عن السنۃ کے جذبے کے تحت یہ کتاب سید عبدالشکور اَثری صاحب نے شائع کی تھی۔ ماہنامہ محدث، لاہور (جلد ۱، عدد ۱۰) میں مولانا عبدالسلام کیلانی کی طرف سے امام مروزی اور ان کی کتاب ہذا

کے تعارف کے علاوہ قسط وار ترجمہ شائع ہونے کا اعلان بھی ہے۔

۵۶۔سنت اور اتحادِ ملت [ازمولانا عبدالغفار حسن ،(فیصل آباد)]

منکرین حدیث کے شرانگیز شوشے 'سنت باعثِ اختلاف ہے!' کا علمی اور تاریخی جواب ہے۔

السنة حجّتها ومكانتها فى الإسلام والرد على منكريها [ازڈاکٹر لقمان سلفی،(مدینہ ۱۹۸۹ء)]

۵۷۔منکرین حدیث کے 'مرکز ملت' جیسے نظریات کی قلعی کھولی گئی ہے۔

۵۸۔سنتِ خیر الانام [از پیر محمد کرم شاہ الازہری (کراچی)]

پیر صاحب نے اپنے خاص علمی اور ادبی رنگ میں ڈوب کر یہ کتاب تحریر کی ہے اور بعض مباحث کے بارے میں اپنے خاص مسلک سے ہٹ کر خالص تحقیقی انداز میں قلم اٹھایا ہے۔

۵۹۔سنتِ رسول [از ملک غلام علی (لاہور)]

شیخ مصطفیٰ السباعی کی السنة ومكانتها فى التشريع الإسلامى کا تیسرا ترجمہ ہے۔

۶۰۔سنت کا تشریعی مقام [مولانا محمد ادریس میرٹھی (کراچی)]

یہ شیخ مصطفیٰ سباعی کی السنة ومكانتها فى التشريع الإسلامى کا چوتھا ترجمہ ہے۔

۶۱۔سنتِ رسول کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟ [از محمد عاصم حداد، (لاہور،۱۹۹۱ء)]

سنت کا ماخذ، وحی، اتباعِ سنت کی فرضیت ، احکام میں سنت کا قرآن کے ساتھ مقام اور تاریخ تدوین سنت جیسے اہم موضوعات پر معلومات کے علاوہ منکرین حدیث کے بعض شبہات کا بہترین ردّ ہے۔

۶۲۔سنت قرآن حکیم کی روشنی میں [ازمولانا عبدالغفار حسن (فیصل آباد)]

۶۳۔سنت قرآن کے آئینہ میں [از شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی (فیصل آباد)]

۶۴۔السنة النبوية ومكانتها فى ضوء القرآن [ازڈاکٹر حبیب اللہ مختار، (کراچی ۸۶ء)]

فتنۂ انکارِ حدیث کا آغاز وارتقاء، قرآن وسنت کا باہمی تعلق جیسے مختلف موضوعات کے علاوہ منکرین حدیث کے اعتراضات کے جواب پیش کئے ہیں۔

۶۵۔سنت کی آئینی حیثیت [ازسید ابوالاعلیٰ مودودی، (لاہور۱۹۶۳ء)]

سنت کی آئینی حیثیت درحقیقت ترجمان القرآن، لاہور (ج ۵۶، عدد۶، ستمبر ۱۹۶۱ء) کے 'منصب رسالت نمبر' کی کتابی شکل ہے۔ اس کتاب میں سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنے مخصوص تفہیمانہ اور داعیانہ انداز میں منکرین حدیث کے عقائد وافکار کا جائزہ اور اعتراضات کا شافی جواب پیش کیا ہے۔

فتنہ انکارِ حدیث کے رد میں کتاب کی اہمیت اور برادر ملک ترکی میں ضرورت کے پیش نظر راقم الحروف نے اپنے ترک دوست ڈاکٹر درمش بلغر کے ساتھ ترکی ترجمہ پیش کیا تھا۔ جو کہ ۱۹۹۷ء میں قونیہ سے "Sunnet`in Anayasal Konumu" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ (وللہ الحمد)

۶۶۔صحیفہ ہمام بن منبہؒ [از اضافی دیباچہ پروفیسر غلام احمد حریریؒ، (فیصل آباد)]

صحیفہ ہمام بن منبہ بذاتِ خود منکرین حدیث کی قوی تردید ہے۔ کیونکہ اس کی طبع سے اس مغالطے ''احادیث تیسری صدی میں تدوین ہوئیں!'' کا ٹھوس تاریخی ردّ ہوگیا ہے۔ مترجم جناب پروفیسر غلام احمد حریری نے اضافی دیباچے میں فتنۂ انکار حدیث کی اصلیت واضح کی ہے۔ تدوین حدیث کے حوالے سے ان کا منہ بند کیا ہے۔

۶۷۔شوقِ حدیث (حصہ اول) [ازمولانا محمد سرفراز احمد خان صفدر (گکھڑ، گوجرانوالہ، ۱۹۵۰ء)]

حفظ و تدوین حدیث کے بارے میں تاریخی معلومات مہیا کرنے کے علاوہ منکرین حدیث کے اعتراضات کا بھی جا بجا جائزہ لیا گیا ہے۔

۶۸۔ صیانۃ الحدیث [ازمولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری، (گوجرانوالہ، ۱۹۸۶ء)]

منکرین حدیث کے اعتراضات کا جامع مانع تاریخی وتحقیقی جواب ہے۔ کتابِ ہذا میں اس قدر مواد جمع کر دیا گیا ہے کہ دریا کوزہ میں بند نظر آتا ہے۔

۶۹۔صحیح قرآنی فیصلے [ازمولانا فضل احمد غزنوی، (لاہور)]

پرویز کی کتاب 'قرآنی فیصلے' کا دندان شکن جواب ہے۔

۷۰۔صحیح مقام حدیث [ازمولانا فضل احمد غزنوی (حیدرآباد، سندھ)]

پانچ قرآنی آیات سے ثابت کیا ہے کہ احادیث حجتِ دین ہیں۔ اسلام میں تشریعی حیثیت رکھتی ہیں۔ نیز قرآن کی طرح حدیث کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔ اس دعویٰ کو بھی ستر آیاتِ قرآنیہ سے ثابت کیا ہے۔

۷۱۔ پندرہ روزہ 'صحیفہ اہل حدیث' حدیث نمبر [(کراچی،۱۹۵۲ء) جلد۳۲،عدد۱۱تا۱۸]

حجیت ِحدیث، تدوین حدیث سے لے کر انکارِحدیث تک ہر طرح کے مضامین شامل اِشاعت ہیں۔

۷۲۔ علوم الحدیث [از ڈاکٹر صبحی صالح] ترجمہ: پروفیسر غلام احمد حریری، (فیصل آباد، ۱۹۸۱ء)

حرفِ آغاز کے تحت لکھے گئے صفحات میں برصغیر میں فتنۂ انکار حدیث پر عمدہ تبصرہ ہے۔ اس کے علاوہ کتاب میں حجیتِ حدیث اور تدوین حدیث جیسے اہم مباحث پر تفصیلی معلومات پائی جاتی ہیں۔

۷۳۔ علوم الحدیث و حجیت حدیث [از حافظ عبدالمنان نور پوری (غیر مطبوعہ)]

حضرت حافظ صاحب نے اپنے مخصوص مسکت اور دوٹوک انداز میں منکرین حدیث کے اعتراضات کی خوب خبر لی ہے۔ جوابات میں محدثانہ رنگ غالب ہے۔

فتنة إنكار السنة في شبه القارة الهندية الباكستانية [اعداد: ڈر سمیر عبدالحمید، (مکتبہ دارالسلام)

۷۴۔ فی الحال مکتبہ دارالسلام نے عربی میں خدمت ِطبع سرانجام دی ہے۔ اللہ کرے اس عمدہ کتاب کا ترجمہ بھی جلد آجائے تاکہ علماء کے علاوہ عوام الناس بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

۷۵۔ فہم حدیث [از حافظ عبدالقیوم ندوی (کراچی)]

عظمتِ حدیث کا ناقابل انکار دلائل سے ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔ نیز فتنہ انکار حدیث کے ظہور پذیر ہونے میں جماعتِ اہلحدیث کا بھی کوئی گناہ ہے، اس بے ہودہ اعتراض کا بھی ردّ کیا ہے۔

۷۶۔ قرآن اور عورت [از پروفیسر محمد دین قاسمی (کراچی)]

کج فہمی کی بنا پر منکرین حدیث ہمیشہ عورت کے بارے اسلامی تعلیمات خاص طور پر احادیثِ نبوی کو ہدفِ تنقید بناتے رہتے ہیں اور اس بہانے احادیث ردّ کرنے کی راہ نکالتے رہتے ہیں۔ محترم قاسمی صاحب نے عقلی دلائل کے علاوہ جدید تحقیقی رپورٹوں کی مدد سے قرآن وسنت کا عورت کے بارے میں صحیح موقف ثابت کیا ہے۔

۷۷۔ قرآن و حدیث [از محمد طیب قاری، (کراچی ۱۳۷۸ھ)]

۷۸۔ القرآنیون و شبهاتهم حول السنة [از خادم حسین الٰہی بخش (طائف، ۱۹۸۹ء)]

منکرین حدیث کے عقائد ونظریات اور اعمال واطوار کے بارے میں بہترین جامع انداز میں تحلیلی

مواد کو محیط ہے۔ یہ کتاب اہل عرب کو اس فتنہ سے آگاہی کے علاوہ اس کی خباثتوں سے محفوظ رکھنے میں بھی عمدہ کردار ادا کرسکی ہے۔

۷۹۔قضية الحديث فی حجية الحديث [ازمولانا ابوالقاسم بنارسی (دربھنگہ)]

مکتبہ سلفیہ کی طرف سے 'مشعل راہ' نامی کتاب میں صفحہ ۱۶۱ تا ۱۸۷ یہ مضمون پایا جاتا ہے۔ جس میں ابوالقاسم صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی مختلف پیشین گوئیوں کی علمی صداقت سے حجیت ِحدیث پر اچھوتا استدلال پکڑا ہے اور منکرین حدیث کو یوں راہِ ہدایت دکھائی ہے۔

۸۰۔ کتابت ِحدیث [مولانا سید منت اللہ شاہ رحمانی (لاہور)]

منکرین حدیث کے جواب میں حدیثوں کی ترتیب وتدوین کی تاریخ پر ایک جامع مقالہ ہے۔

۸۱۔ کتابت ِحدیث تا عہدِ تابعین [ازمولانا محمد خالد سیف (لاہور)]

کتابت وتدوین حدیث کا تاریخی جائزہ نیز کتابت ِحدیث سے منع والی روایت پر بھی ایک نظر ڈالی ہے۔ اصولِ حدیث و محدثین کے حوالے سے اس کی حیثیت واضح کی ہے اور یوں منکرین حدیث کے اس عمومی اعتراض کا رد کردیا گیا ہے کہ احادیث تیسری صدی میں تحریر کی گئی ہیں۔

۸۲۔ کتابت ِحدیث، عہد نبوی میں [ازمولانا سید ابوبکر غزنویؒ، (لاہور)]

''احادیث تیسری صدی میں لکھی گئیں!'' اس اعتراض کا ردّ اس کتاب کا ماحصل ہے۔

۸۳۔مسئلہ انکارِ حدیث کا تاریخی وتنقیدی جائزہ [از ڈاکٹر فضل احمد، (کراچی، ۱۹۹۰ء)]

۸۴۔مشكلات الحديث النبوية [ازعلامہ عبداللہ قصیمی]

ترجمہ بنام 'بینات' ازمولانا محمد نصرت اللہ مالیر کوٹلوی، (لاہور ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء)

منکرین حدیث کی طرف سے بعض احادیث پر اعتراضات کا مسکت جواب ہونے کی بنا پر مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان نے عربی متن اور ترجمہ ہر دو کی الگ الگ طبع کا اہتمام کیا ہے۔

۸۵۔مصباح الحدیث [از ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر، (لاہور)]

حجیت ِحدیث کے دلائل اور منکرین حدیث کے ردّ پر عمدہ مضمون، ص۴ تا ۲۶ پھیلا ہوا ہے۔

۸۶۔مطالعہ حدیث [ازعلامہ حنیف ندوی، (لاہور ۱۹۷۹ء)]

منکرین حدیث کی ہم نوائی کا شوق پورا کرنے والوں کو راہِ ہدایت دکھانے کی غرض سے ندوی

صاحب نے یہ کتاب تحریر کی ہے۔ گھر کا بھیدی ہونے کے ناطے یہ کتاب اپنے مقصد میں بے مثال ہے۔

۸۷۔ مفتاح الجنة فی الاحتجاج بالسنة [از حافظ جلال الدین السیوطی]

اردو ترجمہ بنام: حجیتِ سنتِ محمدیہ ﷺ ترجمہ: مولانا خالد گھرجاکھی (گھرجاکھ، ۱۹۸۶ء)

ادارۂ احیاء السنہ گھرجاکھ نے فتنۂ انکارحدیث کے حوالے سے کتاب کی افادیت کے پیش نظر عربی متن اور ترجمہ الگ الگ شائع کرکے عمدہ خدمت سرانجام دی ہے۔

۸۸۔ مقالاتِ داوٴد غزنویؒ [از علامہ حنیف ندوی، (لاہور ۱۹۷۹ء)]

تاریخ جمع وتدوین احادیثِ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ص ۴۰۱ تا ۴۲۹ مقالات موجود ہیں۔

۸۹۔ مقالاتِ محمود [از مولانا محمود احمد میرپوریؒ)] مرتبہ: ثناء اللہ سیالکوٹی، (برطانیہ، ۱۹۹۶ء)

فتنۂ انکارحدیث کے عنوان کے تحت میرپوری مرحوم کا مقالہ، ص ۵۵ تا ۱۰۹ پھیلا ہوا ہے۔

۹۰۔ مقامِ حدیث [از مولوی محمد علی، (لاہور، ۱۹۳۲ء)]

نفس مضمون پر عمدہ کتاب ہے، اگرچہ مصنف کفریہ عقائد کا حامل ہے۔

۹۱۔ مقامِ حدیث [از (ادارۂ طلوعِ اسلام) (لاہور، ۱۹۹۲ء)]

سرورق پر مصنف/مصنّفین کا نام درج نہیں۔ جبکہ غلام احمد پرویز اور حافظ محمد اسلم جیراج پوری صاحب وغیرہ کے مضامین شامل اشاعت ہیں۔ جو لوگ اپنا نام ظاہر کرنے کی جرأت نہیں رکھتے وہ اپنے عقائد میں کس قدر درست ہوں گے۔ نیز سرورق پر لکھا ہے۔

''احادیث کس طرح مرتب اور جمع ہوئیں اور ہم تک کس طرح پہنچیں۔ دین میں اس کی کیا حیثیت ہے اور قرآن وحدیث کا باہمی تعلق کیا ہے۔ ان مباحث کے متعلق تفصیلی گفتگو اور جامع معلومات''

کتاب کے نام کی طرح یہ تعارفی کلمات بھی سراسر ابلیسی و تدلیسی حربہ ہیں۔ کیونکہ ساری کتاب مقامِ حدیث گرانے اور جمع وتدوین حدیث کو جھوٹ ثابت کرنے میں تحریر کی گئی ہے۔ کتابِ ہذا کا مطالعہ کرتے وقت اسکے مقصدِ تحریر کو ضرور سامنے رکھنا چاہئے کیونکہ یہ ساری کتاب کلمة حق أريد بها الباطل کا مظہر ہے۔

۹۲۔ مقامِ حدیث مع ازالہ شبہات [از فیض احمد ککروی (ملتان)]

حجیتِ حدیث، کتابت حدیث جیسے مختلف عنوانات پر تفصیلی بحث کے بعد منکرین حدیث کے ۱۰

شبہات کا عمدہ جواب،ص ۸۷ تا ص ۱۲۰ پر پایا جاتا ہے۔

۹۳۔مقامِ سنت [شاہ محمد جعفر ندوی پھلواری، (لاہور، ۱۹۵۹ء]

۹۴۔مقامِ سنت [از علامہ مشتاق احمد چشتی، (لاہور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء)]

سنت کی تشریعی حیثیت اور منکرین حدیث کے کئی ایک اعتراضات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

۹۵۔مكانة الحديث في التشريع الاسلامی [از محمد بن عبداللہ شجاع آبادی (ملتان)]

المعروف بہ 'حدیثِ رسولؐ اور پرویز'

۹۶۔مناظرہ مابین مولوی عبداللہ چکڑالوی و اہل قرآن [از مولانا محمد ابراہیم میرؒ سیالکوٹی]

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی صاحب کے دستخط بتاریخ ۱۴/ جولائی ۱۹۰۶ء موجود ہیں۔

۹۷۔نصرة الباري في بيان صحة البخاري [مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری، (گوجرانوالہ،۱۹۸۲ء)]

سنت کی نصرت و حمایت میں لکھی جانے والی یہ کتاب منکرین حدیث کی سب سے بڑی ہدفِ تنقید 'صحیح بخاری' کے بارے اشکالات سے نجات کا بڑا مواد رکھتی ہے۔

۹۸۔دلائل التوثيق المبكر للسنة والحديث [از ڈاکٹر امتیاز احمد]

عربی ترجمہ: ڈاکٹر عبدالمعطی امین قلعجی (قاہرہ ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء)...... یہ عربی ترجمہ دراصل ایڈن برگ یونیورسٹی میں ۱۹۷۴ء میں لکھے جانے والے پی ایچ ڈی مقالہ "The Significance of Sunnah and Hadith and thier Early Documentation" کا ہے۔ جسے ڈاکٹر امتیاز احمد نے پیش کیا تھا۔ اصل انگریزی مقالہ بھی قابل مطالعہ ہے۔

۹۹۔دراسات في الحديث النبوی و تاریخ تدوینه [از ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی، (بیروت،۱۹۹۲ء)]

یہی مقالہ ڈاکٹر صاحب نے پہلے انگریزی زبان میں Studies is Early Hadith Litrature

---

نوٹ: ماہنامہ محدث لاہور کے رسولِ مقبول نمبر حصہ اوّل/دوم کے علاوہ مجلس التحقیق الاسلامی سے ملحقہ انسٹیٹیوٹ آف ہائر سٹڈیز (شریعت وقضا) کے اعلیٰ ڈپلوما کے حصول کے لئے جناب غازی عزیر کا طویل تحقیقی مقالہ 'اصلاحی نظریۂ حدیث کا تجزیاتی مطالعہ' بھی دوجلدوں میں زیرِطبع ہے۔ (محدث)

کے نام سے لکھا تھا جو امریکہ سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔ بعد ازاں جس کا عربی ترجمہ بھی انہوں نے کرلیا۔انگریزی مقالہ میں ۵۰ اور عربی ایڈیشن میں ۵۲ صحابہ کرامؓ کے احادیث تحریر کرنے کے بارے تاریخی مواد جمع کیا گیاہے۔صحابہ کرامؓ کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین کی کثیر تعداد کے بارے بھی معلومات درج ہیں۔

100. An essay on

"The Sunnah: Its Importance, Transmission, Development & Revision"

by Dr. S.M.Yusuf, (Lahore, 1980)

☆ ☆

نوٹ: محترم مقالہ نگار نے اس سلسلہ میں اہم کتب کی نشاندہی کردی ہے، جس پر وہ داد کے مستحق ہیں۔محدث کے فاضل قارئین کے علم میں اگر اس کے سوا دیگر کتب آئیں تو اس سے ادارہ محدث کو مطلع کریں تاکہ آئندہ شماروں میں وہ تکمیلی فہرست بھی شائع کردی جائے۔

گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسمٰعیل خان کے اسلامیات لیکچرر ڈاکٹر عبداللہ نے بھی ۱۹۹۴ء میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں 'برصغیر میں فتنۂ انکارحدیث کے لٹریچر کا تنقیدی جائزہ' کے موضوع پر اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کیا ہے۔اس میں بھی انہوں نے ۱۰۰ کے لگ بھگ کتب کا تعارف اور دیگر اہم مباحث کو پیش کیا ہے۔

موجودہ فہرست سے بہتر استفادہ کے لئے ذیل میں ادارۂ محدث کی طرف سے اس کے مزید دو تکمیلی اشاریہ جات ترتیب دیے گئے ہیں۔جس میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہر کتاب کو ایک مخصوص نمبر دے کر تکمیلی اشاریہ میں صرف ان نمبروں کو درج کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔پہلی فہرست مصنّفین کے اعتبار سے ہے جس میں الف بائی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے اور دوسری فہرست موضوع وار ہے۔اُمید ہے کہ اس طرح یہ مضمون زیادہ مفید ہوجائے گا۔(حسن مدنی)

❶ فہرست کتب باعتبار مصنّفین	کتاب نمبر
ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا محمد	۲۶، ۹۶
ابوالقاسم بنارسی، مولانا	۷۹
ابوالقاسم محمد خان، مولانا	۳۴
ابوبکر غزنوی، سید	۸۲
احمد حسن ٹونکی، مولانا	۹
ادارہ 'الاعتصام'	۱۲
ادارہ 'صحیفہ اہلحدیث'	۷۱
ادارہ 'طلوعِ اسلام'	۹۱
ادریس کاندھلوی، مولانا محمد	۳۹

❷ فہرست کتب باعتبارِ موضوع

اشاریہ جات

عبدالرشید عراقی

دفاعِ حدیث اور اہلِ حدیث

قرآن مجید اگرچہ ایک واضح اور کھلی ہوئی کتاب ہے، اس میں کسی قسم کا غموض وا خفا نہیں ہے۔ لیکن اس میں اسلام کی تعلیمات کی پوری تفصیل اور تمام جزئیات کا اِحاطہ نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے بہت سے احکام مجمل یا کلیات کی شکل میں ہیں۔ جن کی وضاحت وتشریح اور کلیات سے جزئیات کی تصریح رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وعمل سے فرمائی۔ آپ کا کام محض کلامِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچانا نہیں تھا بلکہ اس کی تبیین وتشریح بھی آپ کے منصب میں شامل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن مجید) اتارا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے کھول کر بیان کریں تاکہ وہ اس میں غوروفکر کریں۔'' (النحل:۴۴)

حدیث نبوی قرآن مجید کی تفصیل وتشریح ہے

علامہ سید سلیمان ندویؒ مرحوم لکھتے ہیں:

''علوم القرآن اگر اسلامی علوم میں دِل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن اُن کے لئے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتا رہتا ہے۔ آیات کا شانِ نزول اور ان کی تفسیر، احکام القرآن کی تشریح وتعیین، اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص، مبہم کی تعیین، سب علم حدیث کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح حامل قرآن محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ واخلاق و عاداتِ مبارکہ، آپ کے اقوال وافعال اور آپ کے سنن ومستحبات اور احکام وارشادات سب اسی علم حدیث کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔ اسی طرح خود اسلام کی تاریخ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال اور ان کے اعمال و اقوال اور اجتہادات ومستنبطات کا خزانہ بھی اسی کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس بنا پر اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہے کہ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کی بدولت مسلمانوں میں ہمیشہ کے لئے موجود وقائم ہے۔ اور ان شاء اللہ تا قیامت رہے گا۔'' (مقدمہ تدوینِ حدیث از مناظر احسن گیلانی)

مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ لکھتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ کی بعثت، اسلام کا ظہور، اس کی تبلیغ، اس راہ کی صعوبتیں، غزواتِ اسلام کا غلبہ واقتدار، حکومتِ الٰہیہ کا قیام، اس کا نظام، رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ، آپکی سیرت معلوم کرنے کا ذریعہ صرف حدیث ہے۔ اگر اسی کو نظرانداز کردیا جائے تو اسلام کی بہت سی تعلیمات اور

تاریخ اسلام کے بہت سے گوشے مخفی رہ جائیں گے۔ اس لئے احادیثِ نبوی اسلام اور اسلامی تاریخ کا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں اور اسی پر ان کی عمارت قائم ہے۔'' (تذکرۃ المحدثین: ج ۱ ص ۷)

فتنہ انکار حدیث کے متعلق پیش گوئی اور اسکی مختصر تاریخ

آنحضرت ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ ایک وقت آئے گا کہ میری حدیث کا انکار کردیا جائے گا اور صرف قرآن مجید ہی کو تسلیم کیا جائے گا۔ حدیثِ نبوی ہے:

''میں تم میں سے کسی کو ایسا کرتے نہ پاؤں، (یعنی ایسا نہ ہو) کہ وہ اپنی مسہری (یا آرام کرسی) پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور جب اس کے سامنے میرے احکامات سے کسی بات کا امر یا کسی چیز کی ممانعت آئے تو وہ کہنے لگے کہ میں کچھ نہیں جانتا ہم تو جو قرآن مجید میں پائیں گے، اسی کو مانیں گے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح: ص ۲۹)

منکرین حدیث کے جو گروہ پیدا ہوئے، ان کی ایک فہرست شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم نے مرتب کی ہے۔ مولانا سلفی مرحوم لکھتے ہیں:

''خوارج نے ۲۰۰ھ میں ان احادیث کا انکار کیا جو اہل بیت کے فضائل میں تھیں اور ان کے بعد شیعہ حضرات نے ان احادیث کا انکار کیا، جو صحابہ کرام کے فضائل میں تھیں۔ اور معتزلہ اور جہمیہ فرقوں نے احادیثِ صفاتِ الٰہی کا انکار کیا۔ ۲۲۱ھ میں قاضی عیسیٰ بن ابان اور ان کے متبعین اور ان کے ساتھ متاخرین فقہا قاضی ابوزید بوسی وغیرہ نے ان احادیث کا انکار کردیا جو غیر فقیہ صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ ۴۰۰ھ کے بعد معتزلہ اور متکلمین نے اُصول، فروع دونوں میں خبر واحد سے اختلاف کیا۔

۱۳۰۰ھ کے قریب قریب مولوی چراغ علی اور سرسید احمد خاں نے احادیث کو تاریخ کا ذخیرہ قرار دیا۔ اور اپنا یہ اُصول بنایا کہ جو حدیث نیچر کے موافق ہوگی، وہ قابل قبول ہے اور جو نیچر کے موافق نہیں، وہ قابل قبول نہیں...... ۱۳۰۰ھ کے بعد ایک ایسا گروہ آیا جس نے احادیث کا بالکلیہ انکار کردیا۔ اس گروہ میں مولوی عبداللہ چکڑالوی، مستری محمد رمضان گوجرانوالہ، مولوی حشمت علی لاہوری اور مولوی رفیع الدین ملتانی شامل تھے...... ان کے بعد ۱۴۰۰ھ میں ایک گروہ اور نمودار ہوا جنہوں نے قرآن وحدیث اور پورے دین اسلام کو ایک کھیل قرار دیا۔ اور ایک سیاسی نظریہ قائم کیا کہ اس میں ردّ وبدل کیا جاسکتا ہے۔ اس گروہ میں مولوی احمد الدین امرتسری اور مسٹر غلام احمد پرویز شامل تھے...... ان کے ساتھ کچھ حضرات ایسے بھی سامنے آئے جنہیں منکرین حدیث کے گروہ میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ان کے اندازِ فکر سے حدیث کا استخفاف اور استحقار معلوم ہوتا ہے اور طریقہ گفتگو سے انکارِ حدیث کے چور دروازے کھل سکتے ہیں۔ اس گروہ میں مولانا شبلی مرحوم، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، اور عام فرزندانِ ندوہ باستثنائے حضرت سید سلمان ندوی رحمہ اللہ شامل ہیں۔'' (حجیتِ حدیث: ص ۱۱۴)

تدوینِ حدیث

منکرین حدیث کی طرف سے ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ حدیث کی تدوین زمانہ نبوی سے ۱۵۰ سال بعد ہوئی؛ اب یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ یہ احادیث صحیح ہیں؟ اس بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

''مسلمانوں کے اس فقرے کے معنی کہ حدیث کی تدوین ہجرت کے ۱۵۰ برس بعد ہوئی، یہ ہے کہ یہ تصنیف اور کتابت کی حیثیت میں، ورنہ محض تحریر وکتابت کی حیثیت سے زمانۂ نبوی ہی میں اس کی جمع وتحریر کا آغاز ہو چکا تھا۔'' (مکتوباتِ سلیمانی:ص۱۲۲)

مولانا محمد اسحاق سندیلوی مرحوم لکھتے ہیں:

''تحقیق یہ ہے کہ تدوین حدیث کا کام نبی اکرمﷺ کے زمانہ سے شروع ہو چکا تھا۔ خلفائے راشدین کے دور میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا جس میں یہ سلسلہ کلیتاً منقطع ہو گیا ہو۔'' (ماہنامہ 'الفرقان' لکھنؤ: ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ ،ص ۳۷)

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تدوین حدیث کے سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو خدمات سرانجام دیں، اس کی حقیقت کیا ہے، اس بارے میں مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں کہ

''صحابہ کرامؓ ہی کے زمانہ میں فن حدیث مدوّن ہو چکا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہی اجزاے پریشان کو ایک مجموعے کی صورت میں جمع کروایا۔'' (اسوۂ صحابہ: ج ۲ ؍ص ۳۱۰)

دفاعِ حدیث کے سلسلہ میں علماے اہلحدیث کی خدمات

برصغیر پاک وہند میں جب انکارِ حدیث کا فتنہ رونما ہوا تو علماے اہلحدیث نے اس کی طرف خاص توجہ کی اور حدیثِ نبویﷺ پر اُٹھائے گئے اعتراضات کا نوٹس لیا اور ان کے ٹھوس اور مدلل جوابات دیئے۔ منکرین حدیث سے تحریری وتقریری مناظرے بھی کئے اور ان کی طرف سے لکھی گئی کتابوں کے جوابات بھی لکھے۔ اس سلسلہ میں جن علمائے اہلحدیث نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں، ان میں مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری ، مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا حافظ عبد اللہ محدث روپڑی، مولانا عبداللہ ثانی امرتسری ،مولانا محمد جوناگڑھی ،مولانا ابویحییٰ امام خان نوشہروی، مولانا ابوالمحمود ہدایت اللہ سوہدروی، مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا عبد المجید سوہدروی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف ،مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا محمد داود راز دہلوی، مولانا محمد علی جانباز، مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی، مولانا عبدالصمد حسین آبادی، مولانا حافظ محمد اسحٰق، مولانا محمد اسحٰق بھٹی، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، حافظ صلاح الدین یوسف اور مولانا ارشادالحق اثری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے منکرین حدیث کی طرف سے کئے گئے اعتراضات کے ٹھوس

جوابات دیئے۔اس کی شہادت جماعتی اخبارات ورسائل یعنی اہلحدیث امرتسر، تنظیم اہلحدیث روپڑ، اخبارِ محمدی دہلی، ماہنامہ 'محدث' دہلی، 'اہلحدیث گزٹ' دہلی، 'مسلمان' سوہدرہ، 'الاعتصام' لاہور، 'اہلحدیث' لاہور، 'ترجمان الحدیث' لاہور، فیصل آباد، 'الاسلام' لاہور، ماہنامہ 'محدث' لاہور، اور 'صحیفہ اہلحدیث' کراچی سے مل سکتی ہے۔ ذیل میں اہل حدیث علما کی اس ضمن میں تحریری خدمات کی ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے، جس میں زمانی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے:

مولانا عبدالستار عمرپوری [م۱۳۳۴ھ بمطابق ۱۹۱۶ء]

اثبات المنجد: اس کتاب میں منکرین حدیث کے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوریؒ [م۱۳۵۳ھ بمطابق ۱۹۳۵ء]

❶ اعلام اہل الزمن من تبصرہ آثار السنن (اُردو): مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کی کتاب آثار السنن کے جواب میں ہے۔مولوی ظہیر احسن نے حدیث کے سلسلہ میں بے شمار غلطیاں کیں، ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔

❷ ابکار المنن فی تنقید آثار السنن (عربی): ظہیر احسن کی کتاب 'آثار السنن' کی تردید میں ہے۔

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی [م۱۳۶۹ھ]

مولوی محمد کریم لکھنوی ایک غالی بریلوی تھے اور صرف نام کے مولوی تھے۔ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ انہوں نے امام محمد بن اسمٰعیل بخاری کی کتاب 'جامع صحیح بخاری' پر بے جا قسم کے اعتراضات کئے اور اس میں کئی ایک کتابیں اور اشتہارات شائع کئے۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحبِ عون المعبود کی تحریک پر ان کے تلمیذِ خاص مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی نے مولوی عمر کریم لکھنوی کی تمام کتابوں اور اشتہارات کا جواب دیا۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

❶ حل مشکلات بخاری مسمّٰی بہ الکوثر الجاری فی جواب الجرح علی البخاری: یہ کتاب چار جلدوں میں ہے، تین جلدیں شائع ہوئیں چوتھی جلد شائع نہیں ہوسکی۔ چوتھی جلد کا قلمی نسخہ مولانا بدیع الدین شاہ راشدی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

❷ الامر المبرم للابطال الکلام المحکم: یہ کتاب ڈاکٹر عمر کریم کے جامع صحیح بخاری پر ۱۷۵/اعتراضات کا جواب ہے۔

❸ ماء حمیم للمولوی عمر کریم : ڈاکٹر عمر کریم کے ۱۲ سوالات کا جواب

❹ صراطِ مستقیم لهدایة عمر کریم : مولوی عمر کریم کے اشتہار نمبر ۲ کا جواب

❺ الریح العقیم لعمر کریم: صحیح بخاری پر ۵۹/اعتراضات کا جواب

6 الخزي العظيم للمولوي عمر كريم : مولوی عمر کریم کے اشتہار نمبر۴ کا جواب
7 دفع بهتان العظى:
8 العرجون القديم فى إفشاء هفوات عمر كريم:مولوی عمر کریم کے اشتہار نمبر۳ کا جواب
9 الجرح على ابى حنيفة
0 السير الحثيث فى براء ة اهل الحديث

مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

مناظرہ: مولانا میر سیالکوٹی اور عبد اللہ چکڑالوی (منکرِ حدیث) کے مابین ایک مناظرہ بعنوان 'اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول' ہوا تھا۔ مولانا سیالکوٹی کا دعویٰ یہ تھا کہ 'الرسول' سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور چکڑالوی کا دعوی تھا کہ 'الرسول' سے مراد قرآنِ مجید ہے۔

یہ مناظرہ کتابی صورت میں 'مناظرہ' کے نام سے طبع ہوا۔

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے منکرین حدیث کے ساتھ تحریری، تقریری مناظرے بھی کئے اور ان کی کتابوں کے جوابات بھی لکھے، جن کی تفصیل یہ ہے:

1 دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن: چکڑالوی کے رسالہ برہان القرآن علیٰ صلوٰۃ القرآن کا جواب
2 حدیثِ نبوی اور تقلیدِ شخصی: منکرین حدیث کے اعتراضات کا جواب
3 برہان القرآن: مولانا ثناء اللہ امرتسری اور منکرحدیث مولوی احمد الدین امرتسری کے مابین مناظرہ کی روداد، مناظرہ کا موضوع حجیتِ حدیث تھا۔
4 حجیتِ حدیث اور اتباعِ رسولؐ: اس مناظرہ کی روداد جو مولانا امرتسری اور مولوی احمد الدین کے مابین اطاعتِ رسول کے عنوان سے ہوا تھا۔
5 خاکسار تحریک اور اس کا بانی: علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی حدیثِ رسولؐ کو حجتِ شرعیہ نہیں مانتے تھے، اس رسالہ میں علامہ مشرقی کے انکارحدیث کی حقیقت واضح کرکے اس کا جواب دیا گیا ہے۔
6 دفاع عن الحدیث: یہ رسالہ محمد اسلم جیراج پوری کے مضمون 'انکارحدیث' کے جواب میں لکھا گیا۔
7 برہان الحدیث باحسن الحدیث: یہ کتاب اس مناظرہ کی روئداد ہے جو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولوی احمد الدین امرتسری (منکر حدیث) کے مابین 'حجیتِ حدیث' کے موضوع پر ہوا تھا۔
8 تصدیق الحدیث (۳ر جلد): یہ تینوں کتابیں (۶ تا ۸) مولوی اسلم جیراج پوری، مولوی احمد الدین امرتسری اور مولوی عبداللہ چکڑالوی کی تحریروں کے جواب میں لکھی گئیں۔

9 بیان الحق بجواب بلاغ الحق: پنڈت محبّ الحق کی کتاب 'بلاغ الحق' جس میں احادیث رسول کو ناقابل عمل بنایا گیا ہے، کے جواب میں ہے۔

۱۰) خطاب بہ مودودی: اس رسالہ میں مولانا مودودی کے نظریۂ حدیث کو واضح کرکے اس کا جواب دیا گیا ہے۔

۱۱) صلوٰۃ المؤمنین بجواب رسالہ صلوٰۃ المرسلین: منکرین حدیث کے رسالہ 'صلوٰۃ المرسلین' کی تردید میں

مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ [م۱۹۶۴ء]

مودودیت اور احادیثِ نبویہ: یہ کتاب مولانا مودودی کے نظریۂ حدیث سے متعلق ہے۔مولانا مودودی نے حدیث کے بارے میں جو شبہات ظاہر کئے تھے، ان کا جواب دیا گیا ہے۔

مولانا حافظ محمد محدث گوندلویؒ [م ۱۴۰۵ھ بمطابق ۱۹۸۵ء]

1 تنقید المسائل: اس کتاب میں مولانا مودودی کے نظریۂ حدیث کو واضح کیا گیا ہے اور حدیث کے بارے میں ان کے جو شبہات تھے، اس کی توضیح وتشریح کرکے ان کا جواب دیا گیا ہے۔

2 دوامِ حدیث: منکرِ حدیث مسٹر غلام احمد پرویز کی کتاب 'مقام حدیث' کے جواب میں لکھی گئی۔ یہ مکمل کتاب ماہنامہ 'ترجمان الحدیث' لاہور میں اگست ۶۹ تا اگست ۷۳ء کے شماروں میں شائع ہوچکی ہے۔

مولانا نذیر احمد رحمانی [ولادت ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۶ء......م ۱۳۸۵ھ بمطابق ۱۹۵۶ء]

جواب تنقید: مولوی عبدالرشید نعمانی کے مضمون 'تبصرہ' کا جواب جو انہوں نے مولانا ابوالقاسم بنارسی کے ایک مضمون 'جامع صحیح البخاری' جو اہلحدیث امرتسر میں شائع ہوا تھا، کے جواب میں 'تبصرہ' کے نام سے لکھا تھا۔

مولانا عبدالصمد حسین آبادی اعظمی [ولادت ۱۳۲۲ھ]

1 تائیدِ حدیث بجواب تنقیدِ حدیث 2 شرفِ حدیث 3 شانِ حدیث

یہ تینوں کتابیں مولوی محمد اسلم جیراج پوری (منکرِ حدیث) کے ان مقالات کے جواب میں ہیں جو انہوں نے 'طلوعِ اسلام' دہلی میں شائع کئے۔

مولانا محمد سلیمان مئوی [م ۱۹۵۹ء]

تحقیق مسئلہ دجال: انہوں نے تحقیق مسئلہ دجال کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں مولانا مودودیؒ کے اس مضمون جو ترجمان القرآن مجریہ رمضان وشوال ۱۳۶۴ھ شائع ہوا تھا کہ 'کانا دجال' وغیرہ افسانے ہیں، اس کی کوئی حقیقت نہیں......کی وضاحت کی گئی ہے۔

مولانا محمد حنیف ندوی

مطالعہ حدیث

مولانا محمد اسماعیل سلفی

مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ نے جو کتابیں حدیث کی حمایت اور مدافعت میں لکھیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

① امام بخاری کا مسلک: اس کتاب کے شروع میں مسلکِ اہلحدیث پر روشنی ڈالی ہے۔ بعد میں علمائے دیو بند کا اضطراب، فقہ الحدیث اور فقہ الرائے، الردّ علیٰ الجہمیہ اور خبر واحد کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے ہر ایک پر محاکمہ کیا گیا ہے۔

② واقعہ افک: مشہور منکرِ حدیث تمنا عمادی کے مضمون 'واقعہ افک عائشہ' کے جواب میں ہے جس میں عمادی صاحب نے یہ لکھا تھا کہ واقعہ افکِ عائشہؓ کی حدیث موضوع اور عجمی سازش کی پیداوار ہے۔

③ سنت قرآن کے آئینہ میں: یہ رسالہ فتنۂ انکار حدیث کی تردید میں ہے۔ اس میں مولانا سلفی مرحوم نے ایک نئے انداز میں حجیتِ حدیث پر بحث کی ہے۔

④ مقام حدیث، قرآن کی روشنی میں: اس کتاب میں حدیث کے مرتبہ ومقام کو واضح کیا ہے۔

⑤ حدیث کی تشریعی اہمیت: اس کتاب میں قرآنِ مجید سے ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح قرآنِ مجید کو ماننا اور اس کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے، اسی طرح صحیح احادیث پر عمل کرنا بھی فرض ہے۔ جیسے قرآن مجید کا منکر کافر ہے اسی طرح احادیث کا منکر بھی کافر ہوجاتا ہے۔

⑥ حجیتِ حدیث آنحضرت ﷺ کی سیرت کی روشنی میں: اس کتاب میں آیاتِ قرآنیہ سے آنحضرت ﷺ کی زندگی کے چند پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس شخص کی سیرت اس طرح روشن ہو اور اس کی بات کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر وہ کیسے مسلمان رہ سکتا ہے؟

⑦ جماعتِ اسلامی کا نظریۂ حدیث: یہ کتاب مولانا مودودی کی کتاب 'تفہیمات' و 'مسلکِ اعتدال' اور مولانا امین احسن اصلاحی کے ایک مضمون بسلسلہ حجیتِ حدیث کے جواب میں ہے۔

مولانا عبدالقیوم ندوی

فہم حدیث: مطالعہ حدیث اور فہم حدیث دونوں کتابیں حجیتِ حدیث کے موضوع پر لاجواب ہیں۔

مولانا سید ابوبکر غزنوی

کتابتِ حدیث: منکرین حدیث کا یہ اعتراض کہ حدیث کی تدوین ۲۵۸ سال بعد ہوئی، اس لئے قابل حجت نہیں۔ اس کا جواب دیا گیا اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حدیث کی کتابت عہدِ نبوی ﷺ میں

شروع ہوگئی تھی۔

مولانا محمد داود راز دہلوی

❶ مسلکِ اہل حدیث: مولانا مودودی کے نظریۂ حدیث کی وضاحت اور مسلکِ اہل حدیث کی توضیح وتشریح کی ہے۔

❷ تحریکِ جماعتِ اسلامی کا پس منظر: مولانا مودودی کے نظریۂ حدیث کو واضح کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالرء وف رحمانی جھنڈانگری

نصرۃ الباری فی بیان صحۃ البخاری: اس کتاب میں امام بخاری اور ان کی کتاب 'صحیح بخاری' کی عظمت وجلالت اور اسکے خصائص پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے منکرین حدیث کا جواب دیا گیا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

آئینہ پرویزیت: چھ حصوں پر مشتمل پرویزیت کے جواب پر مشتمل ایک انسائیکلوپیڈیا ہے، جس کے آخر میں پرویزیوں سے متعدد سوالات کئے گئے ہیں، جن کے جوابات آج تک نہیں دیے گئے۔

مولانا محمد صادق سیالکوٹیؒ

❶ ضربِ حدیث ❷ اعجازِ حدیث

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

انکارِ حدیث، حق یا باطل؟: نظریۂ انکار حدیث کا پوسٹ مارٹم قرآن اور عمومی عقل سے کیا گیا ہے۔

انکارِ حدیث کیوں؟: اس رسالہ میں منکرین حدیث کے حدیث پر اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

مولانا محمد رئیس ندوی

اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات (۴ جلد): مولوی احمد رضا بجنوری نے مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کے درسِ بخاری کو مرتب کرکے 'انوار الباری' کے نام سے شائع کیا اور اس کے مقدمہ میں محدثین کرام کی خدمات اور حدیث پرتنقید کی۔ یہ کتاب انہی تنقیدات کا جواب ہے۔ یہ کتاب مکتبہ سلفیہ بنارس نے شائع کی اور اس کتاب کی فوٹو پاکستان میں مولانا عبدالشکور اثری، سانگلہ ہل نے شائع کی۔

مولانا عبدالمبین منظر

نیا مذہبِ فکر: اس رسالہ میں مولانا مودودی کے مضمون 'مسلکِ اعتدال' کا جواب دیا گیا ہے۔

مولانا محمد نصرت اللہ مالیرکوٹلوی بینات

کتاب دو اسلام از ڈاکٹر غلام جیلانی برق

ڈاکٹر غلام جیلانی برق مرحوم شروع میں منکر حدیث تھے اور گم کردہ راہ تھے۔ اپنے اس دور میں انہوں نے 'دو اسلام' کے نام سے ایک کتاب مرتب کر کے شائع کی جس میں انہوں نے حدیثِ نبوی ﷺ پر بیجا قسم کے اعتراضات کئے۔ علماء اہل حدیث نے اس کا بروقت نوٹس لیا اور اس کتاب کی تردید میں کتابیں لکھیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے، چنانچہ انہوں نے انکارِ حدیث سے رجوع کرلیا۔

1. خالص اسلام از مولانا محمد داؤد راز دہلویؒ
2. رسالہ جواب دو اسلام از مولانا حافظ محمد گوندلوی
3. صحیح اسلام بجواب دو اسلام از مولانا عبدالعزیز رحمانی
4. صیانۃ الحدیث (۲ جلد) از مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگریؒ
5. برقِ اسلام از مولانا ابوسعید شرف الدین محدث دہلویؒ

مولانا محمد خالد سیف

کتابتِ حدیث تا عہدِ تابعین

مولانا عبدالغفار حسن [ولادت ۱۳۳۱ھ بمطابق ۱۹۱۳ء]

عظمتِ حدیث: اس کتاب میں عمر پوری خاندان کے حجیتِ حدیث پر منتخب مقالات شائع کئے گئے ہیں، جن میں مولانا عبد الستار حسن عمر پوری، مولانا عبد الغفار حسن اور ڈاکٹر صہیب حسن، لندن کے مقالات شامل ہیں۔

مولانا پروفیسر غلام احمد حریری

حدیثِ رسول کا تشریعی مقام: ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی کتاب 'السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی' کا اردو ترجمہ

علوم الحدیث: یہ کتاب ڈاکٹر صبحی صالح کی عربی کتاب 'علوم الحدیث ومصطلحہ' کا ترجمہ ہے۔

مولانا محمد ادریس فاروقی سوہدروی

1. انوار حدیث
2. ضرورت حدیث

ان دونوں کتابوں میں حجیت حدیث، تدوین حدیث، کتابت حدیث اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

قارئین سے گذارش: فاضل قارئین اگر اس فہرست میں بعض کتابوں کو غیر موجود پائیں تو از راہ کرم اس سے ادارۂ محدث کو آگاہ کریں تاکہ آئندہ شماروں میں تکمیلی فہرست میں اسے شامل کیا جا سکے۔ ادارہ

تعارف کتاب / فتاویٰ

حافظ مبشر حسین لاہوری

دنیا بھر کے علما کا غلام احمد پرویز پر فتویٰ کفر

غلام احمد پرویز کے کفریہ نظریات کے پیش نظر عرب وعجم کے سینکڑوں علماءِ اُمت نے متفقہ طور پر یہ فتویٰ صادر کیا ہے کہ ''غلام احمد پرویز کو اپنے عقائد ونظریات کی وجہ سے کافر قرار دیا جاتا ہے۔''

یہ فتویٰ ۸x۵ سائز کے دوسو چھپن (۲۵۶) صفحات پر محیط ہے جسے ''پرویز کے بارے میں علما کا متفقہ فتویٰ'' کے نام سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی نے کتاب کی صورت میں شائع کیا ہے۔

اس کتاب کے آغاز میں مولانا محمد منظور نعمانی اور محمد عبدالرشید نعمانی کی دو اِدارتی تحریریں بھی شامل ہیں جو اس فتویٰ کے پس وپیش حقائق کی وضاحت کرتی ہیں۔

اس کتاب کے ابتدائی تیس (۳۰) صفحات میں سائل کا استفتا شائع کیا گیا ہے جن میں سائل نے پرویز کے کفریہ وشرکیہ عقائد (مثلاً اللہ اور رسولؐ کا غلط تصور، مرکزِ ملت کی اختراع، انکارِ حدیث، ارکانِ اسلام کی ملحدانہ تعبیر، تقدیر وآخرت اور ملائکہ وغیرہ سے انکار وغیرہ) خود پرویز کی کتابوں اور تحریروں سے بحوالہ ذکر کرنے کے بعد یہ فتویٰ طلب کیا ہے کہ

> ''حضرات علمائے کرام از روئے شرع بیان فرمائیں کہ اس فرقہ کے بانی اور اس کے متبعین کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ لوگ مسلمان ہیں؟ اور ان کے ساتھ اسلامی تعلقات رکھنا مثلاً ان سے نکاح کرنا، مسلمانوں کے قبرستان میں ان کو دفن کرنا اور ان کی میت پر نماز جنازہ پڑھنا اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے؟ اور کیا وہ کسی مسلمان کے وارث ہوسکتے ہیں؟ بینوا تو جروا"

اس سوال کے تفصیلی جواب، پرویز پر فتویٰ کفر اور اس فتویٰ پر پاکستان بھر کے تمام مکتبہ فکر کے علما کی تصدیق وتائید اگلے دوسو بیس (۲۲۰) صفحات پر محیط ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ

سب سے پہلے ولی حسن ٹونکیؒ (مفتی و مدرّس مدرسۂ عربیہ اسلامیہ کراچی)، محمد یوسف بنوریؒ (شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ کراچی) اور محمد عبدالرشید نعمانی (رفیق شعبۂ تصنیف، مدرسہ عربیہ کراچی) کا سوصفحات پر مشتمل مشترکہ تفصیلی جواب ہے جس میں مذکورہ تینوں علما نے مضبوط دلائل کی روشنی میں پرویز کے چالیس چھوٹے بڑے نظریات کا بھرپور جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ ان عقائد ونظریات کا صریح طور پر کفریہ ہونا ثابت کیا ہے۔ مثلاً پرویز کے اس نظریہ کہ ''رسول کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی سے اپنی اطاعت

کرائے'' پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

''ایسا کہنا قطعاً کفر ہے، اطاعتِ رسول دین کے مسلمات میں سے ہے۔ امتِ محمدیہ علی صاحبہا التحیات والتسلیمات نے اطاعتِ رسول کو ہمیشہ دین کا جزوِلاینفک سمجھا ہے۔ رسول پر ایمان لانے کا مطلب ہی اس کی اطاعت وفرمانبرداری ہے اور نہ صرف یہ کہ جناب رسول اللہﷺ کی اطاعت ضروری ہے بلکہ ہر رسول مطاع ہوتا تھا اور ہر اُمت پر اپنے رسول کی اطاعت فرض و لازم تھی۔ دیکھئے قرآن کریم کس طرح حصر کے ساتھ بیان کررہا ہے: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ...... اطاعتِ رسول کا انکار درحقیقت رسول سے برأت و بیزاری ہے جو سراسر کفر ہے۔'' (ص۴۴ تا ۵۲)

اس کے بعد کتاب ہذا کے صفحہ ۱۳۶ تا ۱۳۹ میں دارالعلوم، دیوبند کی طرف سے مذکورہ تفصیلی سوال کے جواب میں پرویز پر فتویٰ کفر صادر کیا گیا ہے۔ جس کی ابتدائی عبارت اس طرح ہے کہ

''غلام احمد پرویز کے جو خیالات و معتقدات سوال میں نقل کئے گئے ہیں وہ تقریباً سب کے سب الحاد وزندقہ اور کفریات پر مشتمل ہیں اور بلاشبہ ان کا معتقد دائرہ اسلام سے خارج ہے۔'' (ص:۱۳۶)

اس کے بعد کتاب ہذا کے صفحہ ۱۴۰ سے ۲۰۰ تک پاکستان بھر کے تمام فقہی مکاتب فکر کے مشہور ومعروف علمائے کرام کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی اور دارالعلوم دیوبند کی طرف سے پرویز اور اس کے نظریات کے معتقد پر کفر کا فتویٰ عین حق وصواب ہے۔ ان علما کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز (۱۰۲۸) ہے۔ جس میں ہر شہر کے نمائندہ علماء، تمام دینی درسگاہوں اور مذہبی جماعتوں کے زعما اور تمام مکاتبِ فکر کی چیدہ چیدہ شخصیات شامل ہیں۔ چند معروف علما کے نام یہ ہیں:

مولانا محمد داؤد غزنوی، حافظ عبداللہ محدث روپڑی، عبدالغفار سلفی، عبدالخالق رحمانی، حافظ عبدالقادر روپڑی، حافظ محمد اسماعیل ذبیح ...... مولانا مفتی محمود، مفتی محمد شفیع، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا ظفر احمد عثمانی، محمد ادریس کاندھلوی ...... مولانا غلام غوث ہزاروی، محمد عبدالحامد قادری، محمد عبد السلام قادری، محمد عبدالحلیم چشتی، محمد سلیم الدین چشتی، عبدالکریم قاسمی، محمد بہاء الحق قاسمی وغیرہ

آخر میں کتاب کے صفحہ ۲۲۱ تا ۲۲۸ پر مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم کی طرف سے پرویز کے مذکورہ عقائد کو عربی زبان میں تحریر کرکے عرب بلادِ اسلامیہ سے بھی فتویٰ طلب کیا گیا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۲۹ سے ۲۵۵ (آخر کتاب) تک بلادِ عربیہ سے موصول ہونے والے مختلف فتاویٰ کے عربی متن درج ہیں جن میں متفقہ طور پر پرویز اور اس کے معتقدات کے حامل کو صریح طور پر کافر قرار دیا گیا ہے۔ یہ فتاویٰ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور شام ومصر وغیرہ کے بڑے بڑے جید علمائے کرام اور حکومتی مناصب پر فائز حضرات کی طرف سے صادر کئے گئے ہیں۔ ☆ [فتاویٰ کی مزید تفصیلات کے لئے دیکھیں صفحہ ۲۴۷]

اشاریہ مقالات ومضامین

شعبۂ رسائل وجرائد مجلس التحقیق الاسلامی
زیرنگرانی: حافظ حسن مدنی

'فتنۂ انکارِحدیث کی تردید' اور 'حجیت ِحدیث' کے موضوع پر دینی رسائل میں شائع ہونے والے مضامین کا اشاریہ

دینی رسائل وجرائد نے 'فتنۂ انکارِحدیث' کی تردید میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ رسائل میں شائع ہونے والے مضامین کا یہ امتیاز ہے کہ ان میں معاشرتی رجحانات پر ماہ بہ ماہ تنقید وتبصرہ ہوتا رہتا ہے اور ان کے ذریعے معاشرے میں پائے جانے والے افکار کی ساتھ ساتھ وضاحت وتردید اور مطلوبہ ذہن سازی کی جاتی ہے۔اس لحاظ سے اس فتنہ کا ارتقائی جائزہ اور بدلتے روپ دینی مجلّات کے ذریعے ہی ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ ان رسائل میں اکثر وبیشتر قیمتی مضامین وقت کے پہیے تلے دَب جاتے ہیں، جبکہ ان کی علمی حیثیت اور ضرورت کبھی نہ ختم ہونے والی ہوتی ہے۔متعدد مقالات ایسے اہل علم کی دادِ تحقیق ہوتے ہیں، جو مطلوبہ وسائل میسر نہ ہونے کی وجہ سے ان کی مستقل اشاعت کا انتظام نہیں کرسکتے، اس لحاظ سے بڑا قیمتی علمی سرمایہ دینی رسائل کی فائلوں میں محفوظ پڑا ہے۔

ادارۂ محدث نے اسی بات کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے دو سال قبل ایک مستقل شعبۂ رسائل وجرائد منظّم کیا ہے، جس میں برصغیر کے جملہ اہم علمی مجلّات کے تمام شماروں کو محفوظ کرنے کا معیاری انتظام کیا گیا ہے۔ ان رسائل کی اشاریہ بندی کا کام بھی چند افراد باقاعدگی سے کرتے ہیں اور الحمدللہ اب تک ۲۵ سے زائد رسائل کے اشاریہ جات مکمل ہوچکے ہیں۔

'فتنۂ انکارحدیث' پر اس خصوصی اشاعت کے موقع پر ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس موضوع پر جرائد میں میسر تمام مضامین کی جامع فہرست مرتب کی جائے۔ چنانچہ اس شعبہ کے تمام رسائل پر دو ماہ شبانہ روز کام کیا گیا اور اس کے نتیجے میں پہلی بار اس قدر وسیع پیمانے پر فتنۂ انکارِ حدیث کے موضوع پر ایک جامع اشاریہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے جو ایک طرف محققین کے لئے نعمت بے بہا ثابت ہوگا تو دوسری طرف اس سے انکارِحدیث کے فتنہ کے خلاف کام کرنے میں بھی بڑی مدد حاصل ہوگی۔ یوں تو یہ اشاریہ ادارۂ محدث میں شریک ِکار اہل علم کی مشترکہ کاوش ہے لیکن محترم شاہد حنیف اور حافظ سعد محمود کی مضامین جمع کرنے میں کارکردگی نمایاں ہے جس کیلئے انہوں نے لاہور کی مختلف لائبریریوں کے علاوہ گوجرانوالہ کا بھی سفر کیا۔

ایک ہی سطر میں تمام ضروری معلومات جمع کرنے کی غرض سے، اس اشاریہ میں بعض علامات اور رموز کا بھی استعمال کیا گیا ہے، جس کے لئے ہر مجلّہ کو ایک 'رمز' دیا گیا ہے۔ بغور جائزہ لینے پر مختلف علامات کو سمجھنا مشکل نہیں ہوگا۔ سب سے پہلے اشاریہ میں شامل مجلّات کی ایک فہرست دی گئی ہے، جس میں اس موضوع پر زیادہ مضامین والے مجلّات کو پہلے لایا گیا ہے۔ ہر مجلّہ سے پہلے اس کا رمز بھی دیا گیا ہے۔اس کے بعد اشاریہ کے موضوعات کی فہرست دی گئی ہے۔آخر میں اس اشاریہ کو مزید مفید بنانے کے لئے مصنّفین کے اعتبار سے بھی مقالات کی فہرست دی گئی ہے۔ ہر مقالہ کو دیئے جانے والے ایک مخصوص نمبر کی مدد سے اس فہرست کو مکمل کیا گیا ہے۔یہی طریقہ اس کے بعد مجلّات والے مضامین کی فہرست میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔اس طرح کی مزید فہرستیں بھی اسی طریقہ پر عمل کرکے بنائی جاسکتی ہیں۔اشاریہ سازی کا فن ابھی اُردو میں اس قدر ترقی یافتہ نہیں ہوا، اپنی استعداد کے مطابق ہم نے اس میں جو طریقہ اپنایا ہے، اُمید ہے ماہرین اس کو بنظر استحسان دیکھیں گے اور مزید بہتری کے لئے بھی اپنی تجاویز دیں گے۔ (حسن مدنی)

رمز	مجلّہ	تعارفی جملہ	کتنے سال	تعداد مضامین	مدیر	مکمل پتہ
ث	ماہنامہ 'محدث' لاہور	اُمتِ اسلامیہ کا علمی واصلاحی مجلّہ	۳۴	۱۱۹	حافظ عبدالرحمٰن مدنی	۹۹ جے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰
ع	ہفت روزہ 'الاعتصام'	مسلک اہلحدیث کا داعی وترجمان	۴۴	۴۴	حافظ احمد شاکر	۳۱ شیش محل روڈ لاہور
ص	'صحیفہ اہلحدیث'	مذہبی، علمی، سیاسی واخلاقی مجلّہ	۷۴	۸۸	حافظ عبدالجبار سلفی	محمدی مسجد اے ایم نمبرا، کراچی
ہ	ہفت روزہ 'اہلحدیث'	ترکت فیکم امرین: کتاب اللہ وسنتی	۴۰	۹۹	مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ	اخبار اہلحدیث امرتسر
ج	'ترجمان الحدیث'	اسلامی نظریات، سلفی عقائد کا پیامبر	۳۵	۴۵	احسان الٰہی ظہیرؒ	ایبک روڈ، انارکلی، لاہور
ل	ہفت روزہ 'اہلحدیث'	مسلک اہلحدیث کا داعی	۳۳	۲۸	بشیر انصاری	۱۰۶، راوی روڈ لاہور
ق	ماہنامہ 'رحیق' لاہور	علمی وتبلیغی ماہنامہ	۳	۲۴	محمد عطاء اللہ حنیفؒ	شیش محل روڈ لاہور
ف	ماہنامہ 'معارف'	دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ	۱۵۰	۲۴	ضیاء الدین اصلاحی	دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ
ر	ماہنامہ 'حرمین' جہلم	حرمین شریفین کی حرمت کا نقیب	۱۰	۲۰	مولانا محمد مدنیؒ	جامعہ علومِ اثریہ P.B:11 جہلم
گ	ماہنامہ 'الشریعۃ'	وحدتِ امت اور غلبہ اسلام کا علمبردار	۱۳	۱۵	مولانا زاہد الراشدی	مرکزی جامع مسجد، گوجرانوالہ
ب	ماہنامہ 'محدث' بنارس	دارالعلوم بنارس کا دینی علمی ادبی ماہنامہ	۲۰	۱۵	عبدالوہاب حجازی	جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس
ظ	سہ ماہی 'فکر ونظر'	علمی ودینی مجلّہ	۳۹	۱۴	ظفر اسحٰق انصاری	ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد
م	ماہنامہ 'تعلیم الاسلام'	جامعہ تعلیم الاسلام کا ترجمان	۱۱	۱۱	محمد اسلم سیفؒ	جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن
ض	سہ ماہی 'منہاج'	فقہی، علمی، تحقیقی مجلّہ	۱۹	۱۱	حافظ محمد سعد اللہ	دیال سنگھ لائبریری نسبت روڈ لاہور
ء	ہفت روزہ 'الاسلام'	مسلکِ اہلحدیث کا داعی	۱۷	۹	بشیر انصاری	جمعیت اہلحدیث ۵۰ لوئر مال لاہور
ت	ماہنامہ 'بینات'	قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار	۵۰	۱۶	مولانا یوسف بنوریؒ	جامعہ اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
ن	ترجمان القرآن	بانی: سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱۲۹	۱۱	پروفیسر خورشید احمد	مرکز منصورہ، ملتان روڈ لاہور
ح	ماہنامہ 'الحق' اکوڑہ	علمی، دینی مجلّہ	۳۷	۹	مولانا سمیع الحق	دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، نوشہرہ
ۃ	ماہنامہ 'الاخوۃ' لاہور	کتاب وسنت کا داعی واتحاد کا نقیب	۵	۹	ابتسام الٰہی ظہیر	۵۰ لوئر مال، لاہور
خ	'نقیب ختم نبوت'	مجلس تحفظِ ختم نبوت کا ترجمان	۱۳	۸	عطاء المہیمن بخاری	دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی، ملتان
پ	ماہنامہ 'الاسلام' دہلی	إن الدين عند الله الاسلام	۲۵	۲	عبدالسلام بستوی	ماہنامہ الاسلام ۴۰۸۵، اردو بازار دہلی
و	ہفت روزہ 'توحید'	لا تهنوا ولا تحزنوا	۴	۶	سید داؤد غزنویؒ	آفتاب برقی پریس، امرتسر
د	ماہنامہ 'محدث' دہلی	الله نزل أحسن الحديث كتٰبًا	۴	۵	عبیداللہ مبارکپوری	دارالحدیث رحمانیہ، دہلی
ی	ماہنامہ 'اہلحدیث'	توحید اور کتاب وسنت کا داعی	۱۸	۸	حکیم اجمل خان	مجلّہ اہلحدیث شکراوہ ہریانہ دہلی
ش	ماہنامہ 'نقوش'	زندگی آمیز اور زندگی آموز کا نمائندہ	۱۰	۶	محمد طفیل	ادارہ فروغ اردو ایبک روڈ، لاہور
ذ	ماہنامہ 'برہان' دہلی	ندوۃ المصنّفین دہلی کا علمی ودینی ماہنامہ	۹۵	۶	عبدالرحمٰن عثمانی	جامع مسجد اردو بازار، دہلی
ط	ماہنامہ 'صراطِ مستقیم'	مجلّہ شہریہ اسلامیہ جامعہ	۱۸	۵	حفیظ اللہ خاں مدنی	۲۰، گرین لین، سمال ہیتھ برمنگھم

ڑ	سلسلہ وار 'مجلّہ تحقیق'	شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کا ترجمان	۲۳	۳	ڈاکٹر جمیلہ شوکت	شعبۂ علومِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی
س	ماہنامہ 'میثاق' لاہور	انجمن خدام القرآن کا ترجمان	۵۱	۳	ڈاکٹر اسرار احمد	۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
غ	ماہنامہ 'البلاغ'	دارالعلوم کراچی کا ترجمان	۳۰	۳	مولانا محمد تقی عثمانی	دارالعلوم، کراچی 75180
ز	ماہنامہ 'اشراق' لاہور	دارالاشراق کا ترجمان	۱۴	۳	جاوید احمد غامدی	۱۲۳، بی ماڈل ٹاؤن لاہور
ڈ	سلسلہ وار 'القلم' لاہور	والقلم وما یسطرون	۵	۲	ڈاکٹر جمیلہ شوکت	شعبۂ علومِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی
ک	ماہنامہ 'حکمتِ قرآن'	ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا	۲۱	۲	ڈاکٹر اسرار احمد	۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
چ	ماہنامہ 'الفاروق'	دلچسپ اور معیاری اسلامی صحافت	۱۸	۲	مجیداللہ خالد	شاہ فیصل کالونی نمبر۴ کراچی
ژ	ماہنامہ 'التوعیۃ' دہلی	لنجعلہا لکم تذکرۃ وتعیہا اذن واعیۃ	۱۰	۷	عاشق علی اثری	اسلامی ریسرچ اکیڈمی ۴ جوگابائی نئی دہلی
ٹ	ماہنامہ 'العصر' پشاور	جامعہ عثمانیہ پشاور کا ترجمان	۸	۱	مفتی غلام الرحمٰن	جامعہ عثمانیہ کالونی نوتھیہ روڈ پشاور

(ا) اشاریہ کے موضوعات کی فہرست

① تاریخ فتنۂ انکارِ حدیث

❶ معتزلہ ومتکلمین

❷ برصغیر میں علم حدیث اور فتنہ انکار حدیث

❸ فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر

② برصغیر کے منکرین حدیث

❶ سرسید اور اس کے افکار کا جائزہ

❷ چکڑالوی اور اس کے افکار کا جائزہ

❸ اسلم جیراج پوری اور اس کے افکار کا جائزہ

❹ طلوعِ اسلام/ پرویز اور اس کے افکار کا جائزہ

❺ فکرِ تمنا عمادی

③ فتنۂ استخفافِ حدیث

❶ فکرِ خواجہ حسن نظامیؒ

❷ فکرِ فراہیؒ

❸ فکرِ اصلاحیؒ

❹ فکرِ غامدی

❺ فکرِ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ

❻ غلام جیلانی برق

❼ دیگر مکاتبِ فکر

اشاریہ باعتبار موضوع

① تاریخ فتنۂ انکارِ حدیث

❶ معتزلہ ومتکلمین

نمبر	مقالہ نگار	عنوان	رمز مجلّہ جلد/عدد	صفحات
1	ہدایت اللہ سوہدروی	منکرین حدیث کے پیش رو......معتزلہ	ع ۲۸/۷	۹۱ تا ۹۴

❷ برصغیر میں علمِ حدیث اور منکرینِ حدیث

نمبر	مقالہ نگار	عنوان	رمز مجلّہ جلد/عدد	صفحات
2	اسلم جیراج پوری	ہندوستان میں حدیثِ نبوی ﷺ	ص ۳۲/۱۰تا ۲۰	۴۴۴ تا ۴۴۵
2a	خالد ظفر اللہ ڈاکٹر	برصغیر میں انکار حدیث پر تنقیدی لٹریچر	ش ۳۴/ ۸	۲۲۱ تا ۲۳۷
3	سعید مجتبیٰ السعیدی	علمِ حدیث اور علمائے برصغیر (جمع الجوامع سے کنز العمال تک)	ش ۲۲/ ۲	۱۲۷ تا ۱۳۲
4	عبدالرشید عراقی	برصغیر پاک وہند میں علم حدیث	ش ۱۶/ ۸	۵۰تا ۵۶
5	عبدالقیوم، پروفیسر	برصغیر پاک وہند میں اشاعتِ حدیث	ش ۱/ ۴	۲۶ تا ۳۳
6	عبداللہ، سید محمد	برصغیر پاک وہند میں فتنۂ انکارِ حدیث کے داخلی وخارجی اسباب	ڈ ۵/ ۵	۷۵تا ۴۸
6a	عبداللہ، سید محمد	برصغیر میں فتنۂ انکارِ حدیث کے اسباب اور تاریخ	ش ۳۴/ ۸	۱۱۷ تا ۱۳۱
7	عبداللہ، سید محمد	فتنہ انکارِحدیث کے ردّ میں برصغیر کے دینی رسائل وجرائد کی خدمات کا جائزہ	ڑ شمارہ ۶۳	۳۱ تا ۵۰
8	عزیز زبیدی، مولانا	دسویں صدی ہجری تک، ہند میں علمِ حدیث کی طرف توجہ کم رہی!	ش ۱/ ۷	۳۷ تا ۴۰
9	یوسف سلیم چشتی	ہندوستان میں انکارِ حدیث کی تاریخ	ع ۲۸/۷	۳۶ تا ۳۸

❸ فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر

نمبر	مقالہ نگار	عنوان	رمز مجلّہ جلد/عدد	صفحات
10	احمد علی سراج	فتنۂ انکارحدیث	خ ۱۱/ ۷	۱۸تا ۲۳
11	اسحاق بھٹی، محمد	فتنۂ انکارِحدیث	ع ۱۵	۳۷۵
11a	اسحٰق بھٹی، محمد	فتنۂ انکارِحدیث (اداریہ)	ع ۲۸/۵	۲ تا
11b	اسحٰق، حافظ محمد	ایک منکرِ حدیث کی تنقید اور اس کا علمی جائزہ	ع ۲۳/ ۱	۴ تا
11c	اسماعیل سلفی، مولانا	امام زہری اور انکارِ حدیث کی تحریک	ع ۱۶/ ۲	۶ تا
12	ثناء اللہ امرتسریؒ	منکرین حدیث کی نیرنگیاں [متعدد اقساط]	ہ ۴۲/۴	۱،۲
13	ثناء اللہ امرتسریؒ	اہل قرآن لاہور کے ٹکڑے ٹکڑے	ہ ۱۹/۵	۱تا ۶
13a	حسن مدنی، حافظ	فتنۂ انکارحدیث......ایک تجزیہ	ش ۳۴/ ۸	۲ تا ۱۰
14	حسین بخاری	فتنۂ انکارحدیث اور تحریکِ ناصبیت [۲/اقساط]	غ ۱۹/ ۸،۱۰	کل: ۸
14a	سلیم اختر، محمد	انکارِحدیث [۵/اقساط]	ع ۲۰/ ۲۱تا ۳۰	۱ تا
15	سمیع الحق، مولانا	انکارحدیث اور انکارِ ختم نبوت میں باہمی مماثلت	ح ۹/ ۸	۲تا ۹

16	شفیعؒ ،مفتی محمد	انکارِحدیث درحقیقت انکارِقرآن کی منافقانہ صورت ہے	ص۳۲/۱۰تا۲۰	۲۲۲ تا ۲۲۵
17	عبدالاعلیٰ درانی	فتنۂ انکارِحدیث کا حقیقت پسندانہ جائزہ[متعدداقساط]	ط۲۲/۴،۵	کل:۸
18	عبدالرشید راشد	انکارِحدیث کا انوکھا انداز	م۳/۱	۱۱ تا ۱۵
19	عبدالشکور شکراوی	فتنہ انکارحدیث	ی۱/۷	۳ تا ۵
20	عبدالصمد مبارکپوری	انکارِحدیث کے پردہ میں قرآنِ کریم کی تخریب وتحریف	ہ۳۷/۷	۱۱ تا ۱۲
21	عبداللہ البرنی	انکارحدیث کا فتنہ	ص۸۲/۱۷	۳۵ تا ۳۶
22	عبدالمجید،حکیم	انکارحدیث	ص۳۵/۱۴	۱۵تا۱۶
23	عبدالمجید،حکیم	انکارِحدیث	ص۳۵/۱۴	۱۵ تا ۱۶
24	عطاء اللہ حنیفؒ ،محمد	حدیث اورفتنۂ انکارِحدیث	ق۱/۴	۲ تا ۴
25	عطاء اللہ حنیفؒ ،محمد	منکرین حدیث کے مختلف اَدوار	ق۲/۴	۲ تا ۶
26	عنایت اللہ،شیخ	فتنہ انکارحدیث کا پس منظر	ج۲/۲	۲۳ تا ۲۵
27	محمد علی قصوری	فتنہ انکارحدیث کا عقلی اورتاریخ جائزہ	ع۷/۲۸	۶۴ تا ۶۸
28	محمد خان محمدی	موجودہ دور میں فتنہ انکارحدیث	ص۷۷/۹	کل۳
29	مودودیؒ،ابوالاعلیٰ	فتنۂ انکارِسنت کا تاریخی پس منظر[۲/اقساط]	ص۴۲/۱۶،۱۷	کل:۷
30	نورالدین،حکیم	فتنۂ انکارِحدیث کے پرڈیوسر سے ایک ملاقات	ل۲۰/۲۳	۱۴ تا ۱۶
30a	ہدایت اللہ، ابوالمحمود	منکرین حدیث کی تضاد بیانی	ع۱۵/۴۹	۵تا

② برصغیر کے منکرین حدیث

❶ سرسیداور ان کے افکار کا جائزہ

31	حسین بٹالویؒ،محمد	تہ بند، پاجامہ وغیرہ ٹخنے سے نیچے رکھنا اورسرسیداحمد خان کے افکار	ق۳/۴	۱۴۸تا۱۵۳
32	حسین بٹالویؒ،محمد	حدیثِ نبوی ﷺ اورنیچری وعیسائی [۴/اقساط] [عیسائی مبلغین اورسرسید کے حدیث کے خلاف پھیلائے گئے افکارونظریات کا دلائل سے جواب]	ق۱/۴تا۶،۲/۴	کل:۵۳
33	حسین بٹالویؒ،محمد	سرسیداحمد خاں کے افکار کا جائزہ	ق ۳/۷	کل:۱۵
34	ظفراقبال خان	دہریت ،نیچریت اور وحدت الوجود(۳/اقساط میں)	ۃ۳/۲تا۵	کل:۱۲

❷ چکڑالوی اور اس کے افکار کا جائزہ

35	ثناء اللہ امرتسریؒ	عبداللہ چکڑالوی کی بے سروپا باتیں	ہ۱/۴۴	۸تا۹
36	ثناء اللہ امرتسریؒ	فرقہ چکڑالویہ کا بطلان	۳/۴۳	۶ تا ۷
37	ثناء اللہ امرتسریؒ	مولوی چکڑالوی اورحدیثِ نبوی ﷺ [۸/اقساط]	ہ۱/۲۷ تا ۳۲	کل:۲۴
38	ثناء اللہ امرتسریؒ	مرزا صاحب قادیان اورمولوی عبداللہ اہل قرآن	ہ۴/۱۵	۵
39	ثناء اللہ امرتسریؒ	مولوی چکڑالوی اہل قرآن جواب دے	ہ۴/۳۱	۳
40	نورالدین،حکیم	انکارِحدیث کی خشتِ اوّل (چکڑالوی)	ص۳۲/۱۰تا۲۰	۱۴۷ تا ۱۵۳

❸ اسلم جیراج پوری اور اس کے افکار کا جائزہ

41	اسلم جیراج پوری	کیا میں منکرِ حدیث ہوں......؟	ف۳۳/۵	کل: ۱۵
42	ثناء اللہ امرتسریؒ	اسلم جیراج پوری کی خدمت میں	ھ۳۴/۳۶	۵ تا ۶
43	ثناء اللہ امرتسریؒ	اہل قرآن (جیراج پوری) کا دعویٰ	ھ۳۷/۴۷	۳ تا ۴
44	ثناء اللہ امرتسریؒ	عالم برزخ اور افکارِ جیراج پوری	ف۳۳/۵	کل: ۱۳
45	عبدالرحمٰن فریدکوٹی	چکڑالوی فتنہ اور اسلم جیراج پوری [۲/اقساط]	ھ۳۷/۱۸،۱۹	کل: ۴
46	عبدالشکور شکراوی	کتابتِ حدیث پر منکرین حدیث (اسلم جیراج پوری، برق) کی تاریخی غلط بیانی [۷/اقساط]	ی۵/۴ تا ۱۱	کل: ۱۴
47	عبدالصمد اعظمی	کھلی چٹھی بنام اسلم جیراج پوری	ھ۴۰/۵۱	۵
48	عبیداللہ رحمانی	منکرین حدیث (اسلم جیراج پوری) کا اصولِ قرآن	ی۵/۱	۷ تا ۸
49	محمد طٰہٰ، سید	عالمِ برزخ اور افکارِ جیراج پوری	ف۳۳/۵	کل: ۲۱
50	محمد طٰہٰ، سید	معجزاتِ رسول اور افکارِ اسلم جیراج پوری	ف۳۳/۲	۹۶ تا ۱۱۷

❹ طلوعِ اسلام/ پرویز اور اس کے افکار کا جائزہ

51	احمد علی سراج	پرویز اور طلوعِ اسلام	چ۱۶/۳	۲۵ تا ۲۷
51a	ارشاد الحق	طلوعِ اسلام کے مضامین کا ناقدانہ جائزہ [۲/اقساط]	ع۲۵/۳۳،۳۴	۲ تا
52	اسماعیل سلفیؒ، محمد	عجمی سازش کا تجزیہ (واقعات کی روشنی میں)	ق۲/۲	۵۳ تا ۷۱
53	اسماعیل سلفیؒ، محمد	[طلوعِ اسلام جولائی ۵۷ء میں مولانا اسماعیل سلفیؒ کی کتاب پر تبصرے کا جائزہ]		
54	اظہار الحق	غلام احمد پرویز کا تصورِ الٰہ	ح۳۵/۱۲	۴۹ تا ۵۷
55	اکرام اللہ ساجد	طلوعِ اسلام کے شمارہ (اگست ۸۲ء) کے مضمون 'قرآن وسائنس' کا جائزہ	ث۱۲/۱۱	۲ تا ۱۴
56	اکرام اللہ ساجد	قرآن مجید اور پرویزی دستور	ث۱۳/۱۲	۲ تا ۱۷
57	اکرام اللہ ساجد	ومن یشاقق الرسول......(پرویز اور حدیث کا انکار)	ث۱۴/۵	۲ تا ۹
58	امام خاں نوشہرویؒ	فرقہ 'طلوعِ اسلام' کے نظریات	ق۳/۷،۹	کل: ۲۰
58a	امام خاں نوشہروی	طلوعِ اسلام پر ایک معارضہ	ع۱/۱۱	۵ تا
59	انور، محمد	پرویزی بصیرت کے پس پردہ	ص۳۶/۲۰	۱۲ تا ۱۴
60	ایم ایم اے	آرٹ اور اسلام ('طلوعِ اسلام' کی موسیقی کو قرآن سے جائز کرنے کی کوشش) [۲/اقساط]	ث۱۰/۳،۴	کل: ۲۰
61	ادارہ	طلوعِ اسلام اور تفسیر قادیان	ھ۳۸/۴۳	۴ تا ۵
62	ادارہ	فتنۂ پرویزیت، ایک تعارف	چ۱۵/۴	۲۰ تا ۲۱
63	بشیر حسین ناظم	پرویزیت ایک مطالعہ	خ۱۰/۱۰	۳۴ تا ۴۳
64	ثناء اللہ امرتسریؒ	اہل قرآن کا جدید خیال	ھ۳۹/۴۱	۳ تا ۵
65	ثناء اللہ امرتسریؒ	طلوعِ اسلام اور 'اہلحدیث' امرتسر	ھ۳۸/۳۶	۵ تا ۶
66	خورشید احمد ندیم	پرویز صاحب کی اصل غلطی	ز۲/۹	۴۵ تا
67	دین محمد قاسمی، پروفیسر	اشتراکیت کی درآمد (پرویز کی کمیونزم کو قرآنی بنانے کی ناکام کوشش) [۷/اقساط]	ث۱۹/۵ تا ۱۱	کل: ۱۰۲

67a دین محمد قاسمی، پروفیسر	اختلافِ تعبیر قرآن اور منکرین حدیث	ث۸/۳۴	۴۷ تا ۸۵
68 دین محمد قاسمی، پروفیسر	انسانی فطرت اور پرویز کے افکار	ث۴/۲۰	۲۹ تا ۵۶
69 دین محمد قاسمی، پروفیسر	'خدا اور رسول یا مرکزِ ملت کا تصور' اور قرآن	ث۱۰/۱۸	۳۰ تا ۴۰
70 دین محمد قاسمی، پروفیسر	'خدا اور رسول یا مرکزِ ملت کا تصور' اور قرآن	ث۳/۱۹	۳۸ تا ۶۴
71 دین محمد قاسمی، پروفیسر	عمر نوح علیہ السلام، قرآن کی روشنی میں	ث۹/۱۸	۴۵ تا ۵۳
72 دین محمد قاسمی، پروفیسر	قتل ابناءِ بنی اسرائیل، قرآن کی نظر میں [۲/اقساط]	ث۱۷/۹، ۱۰	کل: ۲۲
73a رمضان سلفی، محمد	پرویز کے کفریہ عقائد	ث۸/۳۴	۱۲ تا ۴۶
73 رمضان سلفی، محمد	فرقہ طلوعِ اسلام کی ضد	ث۷/۳۲	۱۳ تا ۱۶
74 رمضان سلفی، محمد	مستشرق ہندی کا مکمل انکارِ حدیث	ث۳/۱۸	۵۱ تا ۶۰
75 رمضان سلفی، محمد	مستشرق ہندی کے ناکارہ وارث اور خطبہ حجۃ الوداع [۵/اقساط]	ث۱۷/۴تا۹	کل: ۵۲
76 رمضان سلفی، محمد	مستشرق ہندی کا کلیۃً انکارِ حدیث	ع۳۹	۱۰۵۸ تا ۱۰۸۰
77 رمضان سلفی، محمد	عربی کے نادان محافظ	ث۷/۱۸	۳۹ تا ۴۴
78 رمضان سلفی، محمد	منکرین حدیث کی عربی زبان سے ناواقفیت [۲/اقساط]	ث۱۶/۱۱/ ۱۷/۱	کل: ۲۲
79 رمضان سلفی، محمد	صحتِ حدیث کیلئے قرآنی مطابقت کا فریب [۲/اقساط]	ل۱۹/۸، ۹	کل: ۶
80 رئیس احمد جعفری	'مزاج شناس' قرآن کا نظامِ ربوبیت	ع۲۸/۷	۸۵ تا ۸۶
81 سبطین لکھنوی، ڈاکٹر	پرویز کا عقیدۂ رسالت	ص۱/۵۵	۷ تا ۱۰
82 سبطین لکھنوی، ڈاکٹر	منکرِ حدیث نے کیا سوچا؟	ص۱۴/۴۹	۱۳ تا ۱۶
83 سرور شاہ گیلانی	پرویز کا فتنۂ اشتراکیت	ص۱۲/۴۱	۱۲ تا ۱۳
84 شوکت علی	ماہنامہ 'طلوعِ اسلام' کی گوہر افشانیاں	ح۱۲/۲۳	۵۳ تا ۵۴
85 صادق سیالکوٹی، محمد	جدا ہو قرآن سے تو رہ جاتی ہے پرویزی	ج۱۱/۹	۲۵ تا ۳۲
86 صلاح الدین یوسف، حافظ	طلوعِ اسلام کے مضمون 'اجتہاد صرف منتخب نمائندوں کا حق ہے' کا جواب [۲/اقساط]	ث۲۲/۵، ۶/ ۲۳/۱	کل: ۴۶
87 طالب محسن	طلوعِ اسلام کا جواب	ز۵/۹	۶۴ تا
88 طالب محسن	'اربابِ فکر' پرویز کی خدمت میں	ز۵/۸	۱۰ تا
89 ظفر اقبال خان	پرویز کے تصورِ الٰہ کا تقابلی جائزہ	ۃ۱۰/۳	۲۰ تا ۲۵
90 عابد عبدالکریم	پرویز کے افکار کا شجرۂ نسب [۳/اقساط]	ک۶/۴تا۷	کل: ۱۱
91 عبدالصمد مبارکپوری	حق پرستی بجواب شخصیت پرستی [مختلف اقساط]	ہ۲۰/۳۸ تا ۲۷/۳۹	کل: ۴۵
92 عبدالحنان سلہٹی	مسٹر پرویز تصحیح نقل کریں......!	ت۳/۱، ۸	کل: ۳۰
93 عبدالحیؒ	حسبنا کتاب الله	ق۱/۸	۳۵۲/۳۶۱
94 عبدالخالق بھٹی	فتنۂ پرویزیت اور علما کی ذمہ داری	ص۲۳/۸۰	۵۱ تا ۵۴
95 عبدالخالق بھٹی	پرویزیت اور قادیانیت: ایک سکہ دو رخ، ایک فتنہ دو روپ!	خ۲/۱۱	۲۵ تا ۳۲
96 عبدالخالق بھٹی	پرویزیوں کو اجماعِ امت نے غیر مسلم قرار دیا ہے!	ٹ۱/۶	۳۹ تا ۴۸

127	مدار اللہ، مفتی	پرویز اور قرآن	ک ۲/۷	۱۷ تا ۵۷
128a	منظور احسن عباسی	پرویز اور اطاعتِ رسول	ش ۸/۳۴	۸۶ تا ۱۰۸
128	منظور احسن عباسی	طلوعِ اسلام کے شمارہ (نومبر ۷۵ء) پر ایک نظر	ش ۱۱/۵	۴۰ تا ۴۴
129	'ختمِ نبوت'	فتنۂ پرویزیت	خ ۸/۱۰	۱۶ تا ۱۹
130	'طلوعِ اسلام'	تدوینِ حدیث کے متعلق ایک سوال	ص ۲/۳۲	۶ تا ۷
131	ادارہ اہل حدیث	پرویز کی 'مدح سرائی'	ل ۲۰/۵	۳
132	ولی حسن ٹونکی	کفریاتِ پرویز	ت ۲/۱	۳۳ تا ۴۸
132a	ہدایت اللہ، ابوالمحمود	پرویز کی غیر ذمہ دارانہ روش	ع ۴۰/۴	۵ تا

❺ فکرِ تمنا عمادی

132b	اسماعیل سلفی، مولانا	مولانا تمنا عمادی کے تنقیدی مضمون کا علمی محاسبہ	ع ۲۳/۱	۵ تا
133	اللہ بخش ملتانی	منکرین حدیث تمنا عمادی کی احادیثِ بخاری پر تنقید کے جواب میں	م ۳/۵	۴۵ تا ۶۴
134	ثناء اللہ امرتسریؒ	اہل قرآن: ایک نیا فرقہ، ایک نیا فتنہ	ہ ۳۹/۳۹	۳ تا ۵
135	ثناء اللہ امرتسریؒ	حجیتِ حدیث اور منکرین حدیث	ہ ۲۴/۳۹	۳ تا ۴
136	عبداللہ لائل پوری	امام زہریؒ کا شجرۂ نسب (تمنا عمادی کے جواب میں)	ص ۱۱/۳۲ تا ۲۰	۱۹۸ تا ۲۰۲
136a	عبداللہ لائل پوری	مولانا تمنا کے مضمون کا ایک اور تعاقب	ع ۳۰/۱	۴ تا
137	عبداللہ ندوی	علامہ تمنا عمادی اور مسئلہ طلاق	ص ۱/۴۹	۲۰ تا ۲۱

③ فتنۂ استخفافِ حدیث

❶ فکرِ خواجہ حسن نظامیؒ

138	ثناء اللہ امرتسریؒ	خواجہ حسن نظامی اور اہل 'بلاغ'	ہ ۳۸/۳۴	۴ تا ۵
139	ثناء اللہ امرتسریؒ	خواجہ حسن نظامی اور جیراج پوری	ہ ۲۹/۳۴	۴ تا ۵
140	ثناء اللہ امرتسریؒ	خواجہ حسن نظامی دہلوی اہل قرآن کی شکل میں ......؟	ہ ۲۵/۴۰	۳ تا ۴
141	ثناء اللہ امرتسریؒ	خواجہ حسن نظامی دہلوی، اہل قرآن کے لباس میں	ہ ۳۳/۳۴	۵ تا ۶
142	عبدالصمد مبارکپوری	انکارِ خواجہ صاحب (جیراج پوری اور حسن نظامی وغیرہ) [۷/اقساط]	ہ ۴۱/۳۳ تا ۴۷	کل: ۱۴

❷ فکرِ فراہی

143	اکرم ندوی، محمد	مولانا فراہی اور حدیثِ نبوی [۲/اقساط]	ف ۳،۲/۱۵۱	کل: ۳۶
144	رضی الاسلام ندوی	مولانا فراہی کی تفسیر کا ایک جائزہ [۲/اقساط]	ذ ۶/۱۰۱ تا ۱/۱۰۲	کل: ۴۳
145	شرف الدین اصلاحی	ترجمان القرآن از حمید الدین فراہی (ایک جائزہ)	ف ۲/۱۴۷	۸۵ تا ۱۰۹
146	عارف عمری، محمد	حمید الدین فراہی کی تفسیر سورۃ الذاریات	ف ۴/۱۶۳	کل: ۱۶
147	غازی عزیر	فراہی مکتبِ فکر اور بعض احادیث کے ترجمہ کی غلط تعبیر وتشریح (بحوالہ تدبر قرآن) [۳/اقساط]	ب ۹/۵ تا ۱/۶	کل: ۳۵
148	فیض احمد غزنوی	فراہی کی تفسیری فروگذاشت [۳/اقساط]	ص ۲۱/۴۰ تا ۲۳	کل: ۱۲

③ فکرِ اصلاحی

④ فکر غامدی

178	یحییٰ گوندلوی، محمد	حدیث اور تاریخ میں فرق [۲/اقساط]	ج ۲۰/ ۲،۱	کل: ۱۴

❺ فکرِ ادارۂ ثقافت ِاسلامیہ

183	عطاء اللہ حنیفؒ، محمد	ادارۂ ثقافت اسلامیہ اور حجۃ اللہ البالغہ	ق ۳/۳	۷۴ تا ۷۸
184	عطاء اللہ حنیفؒ، محمد	ادارۂ ثقافت اسلامیہ کی کتاب 'مقامِ سنت'	ق ۳/۶	۳ تا ۵
185	عطاء اللہ حنیفؒ، محمد	ادارۂ ثقافت اسلامیہ کے افکارِ باطلہ	ق ۲/۱۱	۲ تا ۴
186	عطاء اللہ حنیفؒ، محمد	ادارۂ طلوعِ اسلام اور ثقافتِ اسلامیہ	ق ۲/۵	۲ تا ۴

❻ فکر غلام جیلانی برق

187	اسمٰعیل مدراسی	چند ناسخ و منسوخ آیات اور منکرینِ حدیث (برق وغیرہ) [۴/اقساط]	ف ۸۲/۴ تا ۸۳/۱	کل: ۷۵
188	محمد گوندلویؒ، حافظ	ایک 'اسلام بجواب دو اسلام' از ڈاکٹر غلام جیلانی برق [۳۳/اقساط]	ج ۵/۱۰ تا ۸/۱۱	کل: ۲۶۰

❼ دیگر مکاتبِ فکر

189	مجیب اللہ ندوی	کیا متفقہ اسلامی احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعے بدلہ جاسکتا ہے؟ [۶/اقساط] ['مسئلہ اجتہاد' از مولانا محمد حنیف ندویؒ کے افکار و دلائل کا جائزہ]	ق ۱/۹ تا ۲/۵	کل: ۹۲
190	ہدایت اللہ، ابوالمحمود	کتاب 'مذاہبِ اسلامیہ' از خواجہ عباد اللہ کا اصلی چہرہ بے نقاب' کا تفصیلی تجزیہ [۴/اقساط]	ق ۱/۴ تا ۹	کل: ۲۷

④ منکرین حدیث پر علماءِ کرام کے فتاوی'

191	احمد علی سراج	منکرین حدیث اور مفتی اعظم سعودی عرب کا فتویٰ	خ ۱۱/۶	۳۴
192	احمد علی سراج	منکرین حدیث کے بارے میں مفتیٔ اعظم سعودی عرب کا فتویٰ	گ ۱۱/۹	۵
193	ثناء اللہ امرتسریؒ	اہل قرآن پر اہل قرآن کا فتویٰ	ہ۴۰/۴	۳ تا ۴
194	عبدالخالق بھٹی	غلام احمد پرویز کافر ہے (امامِ کعبہ کا فتویٰ)	ص ۸۲/۸	۱۵ تا ۱۷
195	عبدالعزیز بن بازؒ	سنتِ نبوی ﷺ پر عمل واجب اور اس کا انکار کفر ہے۔ [۵/اقساط]	غ ۱۵/۷ تا ۱۲	کل: ۲۴
196	عبدالعزیز بن بازؒ	سنتِ نبوی ﷺ کا انکار کفر ہے۔	ل ۱۵/۲	۵ تا ۷
197	عبدالعزیز بن بازؒ	سنتِ نبوی کا انکار کفر ہے۔	ء۱۰/۲۷	۱۳ تا ۱۶
198	'فتاویٰ' الاعتصام	غلام احمد پرویز کافر ہے۔	ع ۵۲	۵۱۵
198a	'فتاویٰ' محدث	پرویزیت کے بارے میں علماء اسلام کے فتاویٰ	ش ۳۴/۸	۱۰۹ تا ۱۱۶

⑤ حجّیتِ حدیث

❶ حجیتِ حدیث

199	ابوشہبہ، ڈاکٹر محمد	حدیثِ نبوی ﷺ، دین میں حجت ہے [مترجم: سیف الرحمٰن]	ش ۱۰/۴	۱۴ تا ۳۵
200	احمد اللہؒ، مولانا	حجیتِ حدیث [۳/اقساط]	د ۲/۴، ۵، ۸	کل: ۹
201	احمد دین	حجیتِ حدیث	ص ۴۵/۲۰	۱۲ تا ۱۵
202	ادارہ اہلحدیث	حجیتِ حدیث	ہ۱۹/۵۰	۷ تا ۱۰
203	ادارہ اہلحدیث	حجیتِ حدیث بر مباحثہ ثناء اللہ	ہ۲۶/۳۱، ۳۲	کل: ۳
204	ادارہ ترجمان القرآن	حجیتِ حدیث کے اوّلین منکر	ن ۴۱/۶	۴۳۰ تا ۴۴۱

204a	اسحٰق، حافظ محمد	حجیتِ حدیث پر ایک فیصلہ کن مناظرہ	ع۲۲/۹	۴ تا
205	اسماعیل سلفیؒ، محمد	حدیث شریف کا مقامِ حجیت	ص۳۲/۱۱تا۲۰	۱۳۶ تا ۱۴۵
206	اشرف علی تھانویؒ	حجیتِ حدیث	ہ۳۹/۲۵	۶ تا ۷
207	اعظم، مولانا محمد	حجیتِ حدیث	ل۲۶/۳۳	۷ تا ۸
208	الفت کلیم، محمد	حدیثِ رسول ﷺ کی حجیت	ۃ۳/۱۱	۱۴ تا ۲۲
209	امین افغانی	احادیث کی شرعی حیثیت	ہ۳۸/۲	۶ تا ۸
210	تقی عثمانی، جسٹس	حجیتِ حدیث (انگریزی)	ت اکتوبر۹۰	
211	ثناء اللہ امرتسریؒ	حجیتِ حدیث اور منکرین حدیث (تمنا عمادی)	ہ۳۹/۲۴	۳ تا ۴
212	ثناء اللہ امرتسریؒ	حدیثِ نبوی ﷺ بھی حجت شرعی ہے	ص۳۲/۱۱تا۲۰	۲۵۷ تا ۲۶۵
213	حسین نعیمی، محمد	حجیتِ حدیث	ن۶۱/۵	۲۶۱ تا ۲۶۳
214	حمید اللہ عبدالقادر	حجیتِ حدیث [۲/اقساط]	ل۱۹/۳،۶	کل: ۷
215	حمید اللہ عبدالقادر	حجیتِ حدیث	ع۴۰	۴۲ تا ۶۰
216	حنیف ندویؒ، محمد	حجیتِ حدیث پر ایک یقین افروز دلیل	ع۷/۲۸	۲۳ تا ۲۶
217	محمد گوندلویؒ، حافظ	اقسامِ وحی بسلسلہ حجیتِ حدیث	ج۴/۳	۱۱ تا ۱۵
218	رفیق دلاوری	حدیثِ نبوی ﷺ کی حجیت اور اسکی اہمیت	ع۷/۲۸	۳۱ تا ۳۵
219	سعد صدیقی، محمد	حجیتِ حدیث	ض۳/۳	
220	سیف الاسلام بنارسی	حجیتِ حدیث [۴/اقساط]	ژ۱۳/۱تا۴	کل: ۱۴
221	شریف عتیق	حجیتِ حدیث	ل۶/۳۴	۷ تا ۸
222	صادق سیالکوٹی، محمد	حجیتِ حدیث کا مہر نیمروز	ص۳۲/۱۱تا۲۰	۱۲۸ تا ۱۳۴
223	صدیقؒ، مفتی محمد	حجیتِ حدیث پر ایک نظر	ل۱/۳	۱۲ تا ۱۳
224	عبدالحمید صدیقی	حجیتِ حدیث	ن۷۰/۵	۳۰۰ تا ۳۷۶
225	عبدالرحمٰن عمری	حجیتِ حدیث	ص۳۲/۱۱تا۲۰	۱۸۴ تا ۱۸۷
226	عبدالشکور شکراوی	حجیتِ حدیث اور قرآن [۲/اقساط]	ی۱/۱۶،۱۸	کل: ۵
227	عبدالولی جعفری	حجیتِ حدیث	د۳/۱۱	۱۳ تا ۱۵
228	فیض احمد بھٹی	حجیتِ حدیثِ مصطفیٰ	ص۹۷/۴	۱۱ تا ۱۴
229	فیض احمد بھٹی	حجیتِ حدیث مصطفیٰ ﷺ	ر۹/۱	۴۲ تا ۴۵
230	قاسم، محمد	حجیتِ حدیث	ء۹/۳۰	۵ تا ۱۷
231	محمد بن عبداللہ	حدیث کی تشریعی حیثیت [۲/اقساط]	ص۱۷/۱۹،۲۳	کل: ۱۰
232	محمد گوندلویؒ، حافظ	تواتر اور حجیت	ج۱/۷	۱۱ تا ۱۶
233	محمد گوندلویؒ، حافظ	حجیتِ حدیث پر قرآنی دلائل اور چند شبہات کا ازالہ	ج۳/۷تا۴/۱	کل: ۴۰
234	مسعود احمد، مولانا	حدیث حجیت شرعیہ ہے!	ث۱۰/۲	۲ تا ۹

235	موسیٰ، قاری محمد	حجیتِ حدیث	ء۱۰/۳۴/۳۴ تا ۳۷	کل: ۹
235a	موسیٰ، قاری محمد	حجیتِ حدیث	ث۳۴/۸	۲۱۶ تا ۲۲۰

❷ حدیث بطورِ وحی

236	اکرام اللہ ساجد	حدیثِ رسول ﷺ وحی ہے [۴/اقساط]	ح۶/۲ تا ۶	کل: ۱۶
237	ثناء اللہ امرتسریؒ	حدیث منزل من اللہ ہے	ہ۲۰/۵۰	۵ تا ۶
238	عبدالغفار حسن	وحی، نبوت، سنت اور حدیث	ن۴۴/۱	۴۴ تا ۵۲
239	غازی عزیر	سنتِ نبوی ﷺ وحی اور محفوظ ہے۔ (وحی اور اقسامِ وحی)	ث۲۶/۱۱	۲۴ تا ۹۸
240	محمد گوندلویؒ، حافظ	اقسامِ وحی	ج۴/۳	۱۱ تا ۱۵

❸ قرآن وحدیث کا باہمی ربط

241	ابوالقاسم قدسیؒ	قرآن مجید کے ساتھ حدیث کا ارتباط اور اس کی ضرورت	و۴/۹	
242	ادارہ	حدیث کے بغیر قرآن سمجھنا ممکن نہیں [۱۰/اقساط]	ط۵/۱ تا ۱۰	کل: ۳۰
243	اسماعیل سلفیؒ، محمد	سنت قرآن کے آئینے میں [۳/اقساط]	ژ۹/۵ تا ۷	کل: ۱۸
244	اکرام اللہ ساجد	قرآن فہمی کے لئے موقع ومحل ('البلاغ' کے افکار کا جائزہ)	ث۱۵/۳	۲ تا ۱۴
245	اکرام اللہ ساجد	قرآن کی صحیح تفسیر کا معیار، صرف سنتِ رسول ﷺ!	ث۱۸/۲	۹ تا ۱۵
246	برہان الدین سنبھلی	قرآن وسنت میں باہمی ربط	ت۵۳/۶	۲۳ تا ۳۴
247	برہان الدین سنبھلی	قرآن وسنت کا باہمی ربط	ف۱۴۵/۱	۲۸ تا ۴۵
248	حبیب اللہ مختار	سنتِ نبویہ اور قرآنِ کریم [۳/اقساط]	ژ۱۲/۱ تا ۳	کل: ۱۴
249	حبیب اللہ مختار	سنتِ نبویہ اور قرآنِ کریم [۲/اقساط]	ت۸/۶، ۹/۱	کل: ۲۳
250	رمضان سلفی، محمد	صحتِ حدیث کیلئے قرآنی مطابقت کا حسین فریب	ط۱۱/۱۰	۱۵ تا ۲۱
251	زاہد الراشدی، مولانا	قرآن فہمی میں سنتِ نبوی کی اہمیت	گ۱۰/۱۰	۶ تا ۱۰
252	عبدالسلام کیلانیؒ، مولانا	حدیث کے بغیر قرآن فہمی مشکل ہے!	ث۱/۱۰	۳۷ تا ۴۲
253	عبدالسلام کیلانیؒ، مولانا	کتاب وسنت کا باہمی ربط	ث۱۲/۶	۵۳ تا ۵۵
254	عبدالعزیز علوی	کیا قرآن وحدیث مرتبہ کے اعتبار سے برابر ہیں؟	م۲/۱	۱۷ تا ۲۱
255	عبدالواحد غزنویؒ	منکرین حدیث ومنکرین تفسیر	و۲/۳	۲ تا ۶
256	غازی عزیر	قرآن وسنت میں باہمی تعلق (مغالطات وشبہات کا ازالہ) [۴/اقساط]	ث۳۰/۲ تا ۴/ ۳۱/۱	کل: ۵۶
257	غازی عزیر	تقیید مطلق وعمومِ قرآن کی تخصیص کا مسئلہ	ث۳۰/۱	۹ تا ۲۱
258	کریم بخش، مولانا	حدیث کے بغیر قرآن فہمی مشکل ہے۔ (بطورِ نمونہ چند آیات کی وضاحت)	ث۱/۶	۲۳ تا ۲۸
259	محمد گوندلویؒ، حافظ	تفسیر بالروایت پر منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کے جوابات [۱۰/اقساط]	ج۴/۱۲ تا ۵/۸	کل: ۱۲۲
260	محمد گوندلویؒ، حافظ	تفاوتِ قرآن کی صورتیں	ج۱/۱۱	۱۵ تا ۲۰
261	ناصر الدین البانیؒ	قرآن اور حدیث کا باہمی تعلق	ل۱۷/۱۵	۷ تا ۱۰
262	ناصر الدین البانیؒ	قرآن فہمی میں سنت کی حیثیت	ل۱۷/۱۶	۸ تا ۱۱

❹ حدیث کی ضرورت واھمیت

263	اداریہ	حدیثِ نبوی بھی سنتِ الٰہی ہے	ص۶۰/۳	
264	اسد، علامہ محمد	اسلام میں حدیث وسنت کا مقام	ح۴/۱	۳۷
265	اسد، علامہ محمد	روحِ سنت	ع۷/۲۸	۲۷ تا ۳۰
266	اصغر اسعد، ڈاکٹر محمد	علم حدیث میں سلسلہ اسناد کی اہمیت	ڑ شمارہ نمبر ۶۳	۵۱ تا ۶۰
267	الطاف جاوید	سنتِ رسول ﷺ کی اہمیت	س۲۹/۹	۹۹ تا ۱۱۷
268	برق غزنوی، حکیم	شرع میں سنت کی مستقل حیثیت	ص۳۲/۱۱ تا ۲۰	۱۲۰ تا ۱۲۶
269	تنزیل الرحمٰن	قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول ﷺ	س۲۷/۱۱	۵۳ تا ۵۶
270	ثناء اللہ امرتسریؒ	حدیثِ نبوی ﷺ کی ضرورت	ل۴/۱	۱
271	حسنین مخلوف، مفتی	اسلام میں 'سنتِ نبوی' کا مقام [مترجم: سیف الرحمٰن]	ث۹/۷	۶۶ تا ۷۰
272	رفیق، محمد	حدیث کی اہمیت [۲/اقساط]	ل۱۶/۱، ۱۷	کل: ۳
273	سرفراز خان صفدر	حدیثِ نبوی ﷺ کی اہمیت اور بخاری شریف	گ۱۱/۳	۴ تا ۵
274	سرفراز خان صفدر	سنتِ نبوی ﷺ کی اہمیت وضرورت	گ۶/۴	۷ تا ۸
275	سلیمان منصور پوریؒ	حدیث کی اہمیت وفضائل [۲/اقساط]	و۲/۲۳، ۲۴	۸
276	سلیمان ندویؒ، سید	سنت کیا ہے؟	ف۲۴/۲	
277	شمس الاسلام	دین میں حدیثِ نبوی ﷺ کا مقام	ل۲۳/۳۲	۲۰ تا ۲۱
278	ضیاء احمد بدایونی	عظمتِ حدیث [۳/اقساط]	ل۲۰/۴۵ تا ۴۷	کل: ۶
279	ضیاء احمد بدایونی	عظمتِ حدیث	ذ۲۵/۳	۱۷ تا ۳۰
280	طیب شاہین لودھی	سنتِ رسول ﷺ [۲/اقساط]	ژ۴/۱۵ تا ۶	کل: ۷
281	عبدالرشید عراقی	حدیثِ رسول ﷺ کی اہمیت وحیثیت	ء۱۰/۳۲	۱۵
282	عبدالرشید عراقی	دین میں حدیث وسنت کا مقام	ع۵۰	۱۲۱ تا
283	عبدالرشید عراقی	مقامِ حدیث	ر۱۰/۱۲	۲۶ تا ۲۷
284	عبدالرشید عراقی	مقامِ حدیث	ل۱۲/۱۹	۵ تا ۶
285	عبدالرشید عراقی	مقامِ سنت (حدیث)	ر۹/۷	۲۱ تا ۲۹
286	عبدالرشید حنیف	بہارِ حدیث	ل۲۳/۳۶	۹
287	عبدالرؤف رحمانیؒ	مقامِ سنت اور ضرورتِ حدیث [۲/اقساط]	ء۱/۱، ۲	کل: ۲
288	عبدالسلام بستوی	فضائل حدیث [۱۶/اقساط]	ژ۷/۳ تا ۱۰/۸	کل: ۱۱۲
289	عبدالسلام جھنگوی	حدیث اور اس کی ضرورت	ص۳۲/۱۱ تا ۲۰	۱۹۰ تا ۱۹۵
290	عبدالعزیز شبلی	اسلام میں سنتِ نبوی ﷺ کا مقام [مترجم: سیف الرحمٰن]	ج۱۱/۱۰	۳۳ تا ۴۰
291	عبدالغفار الخیری	حدیث النبی ﷺ کا مقام	ص۳۲/۱۱ تا ۲۰	۴۷ تا ۵۱
292	عبدالغفار حسن، مولانا	سنت.....قرآن کی روشنی میں [۲/اقساط]	ث۹/۱، ۳	کل: ۲۳

293 عبدالغفار حسن، مولانا	ضرورتِ حدیث [۲/اقساط]	ل۱۹/۴۵، ۴۶	کل:۵
294 عبدالقیوم ندوی	مقامِ حدیث	ژ۷/۱	۶۳ تا ۶۹
295 عزیز انصاری	حدیثِ نبوی ﷺ	ظ۱۳	۶۸ تا ۷۵
296 عنایت اللہ ناصح	عظمتِ حدیث و عمل صحابہؓ	ص۳۲/۱۱ تا ۲۰	۴۱۸ تا ۴۲۱
297 فضل الرحمٰن، ڈاکٹر	سنت اور حدیث، تصورِ سنت پر تفصیلی بحث	ظ۱/۶	۹ تا ۲۱
298 فضل الرحمٰن، ڈاکٹر	سنت اور حدیث	ظ۱/۷	۷ تا ۲۲
299 محبّ السنہ	اسلاف کی نگاہوں میں حدیثِ نبوی ﷺ کی عظمت	ص۳۲/۱۱ تا ۲۰	۳۵ تا ۴۵
300 منظور احمد، حافظ	اسلامی قوانین میں حدیث کا مقام	ث۱۰/۳	۳۰ تا ۳۵
301 مودودیؒ، ابوالاعلیٰ	منکرین حدیث	ص۳۲/۱۱ تا ۲۰	۴۴۶
302 مہر محمد	حدیث و سنت، قرآنِ کریم کی روشنی میں	ح۶/۵	۱۰ صفحات
303 ناصح صاحب	عظمتِ حدیث	ص۳۷/۱۶	۲۱
304 نعیم صدیقی	حدیث کا مقام شریعت میں (کئی اقساط میں، غیر مسلسل)	ن۳۸/۵ تا ۴۴/۱	
305 وارث سرہندی	حدیث کی دینی اہمیت	غ۱۱/۳	۲۳ تا ۲۸
306 یحییٰ، مولانا محمد	اسلام میں سنت کا مقام	ژ۱۱/۷	۵ تا ۶
307 یعقوب ہزاروی	ضرورتِ حدیث [۲/اقساط]	ص۳۱/۹ تا ۱۰	کل:۴
308 یوسف سلیم	ضرورتِ حدیث	ہ۳۷/۳۹	۵ تا ۶
309 یونس جنجوعہ، محمد	سنتِ رسول ﷺ کی اہمیت	س۲۸/۴	۴۱ تا ۴۶

❺ حدیث کی تشریعی و آئینی حیثیت

310 ادریس، مولانا محمد	سنت کی تحقیق اور اس کا تشریعی مقام	ت۴/۴ تا ۶/۵	کل:۹۵
311 برق غزنوی	منکرین حدیث [۷/اقساط]	ص۳۶/۱۳ تا ۱۹	کل:۱۷
312 برق، حکیم	منکرین حدیث کے فتنے	ص۳۵/۱۷	۲۰ تا ۲۶
313 حمید اللہ میرٹھی	حدیث کی تابعداری فرض ہے	ص۳۲/۱۱ تا ۲۰	۳۵۴ تا ۳۵۸
314 صادق سیالکوٹی، محمد	حدیث قرآن کے آئینے میں [۲/اقساط]	ص۳۷/۷، ۸	کل:۱۱
315 صلاح الدین یوسف، حافظ	حدیثِ رسول ﷺ کی تشریعی حیثیت (قرآن کی نظر میں)	ث۲۶/۸	۲۴ تا ۳۶
316 صلاح الدین یوسف، حافظ	حدیثِ رسول ﷺ کی تشریعی حیثیت	ض۱۳/۳	
317 طیب، پروفیسر محمد	وضع حدیث اور حجیتِ حدیث	ع۵۱	۱۲۰۵ تا
318 عبدالحمید ارشد	احادیثِ رسول ﷺ، قرآن کی روشنی میں	ص۳۲/۱۱ تا ۲۰	۲۴۲ تا ۲۵۴
319 عبدالرحمٰن مدنی، حافظ	سنت کی دائمی حیثیت (خطاب)	ث۱۲/۷	۵۸ تا ۷۸
320 عبدالرؤف رحمانیؒ	احادیثِ نبویہ کی حجیت و حفاظت [۹/اقساط] [کتاب 'دو اسلام' از غلام جیلانی برق کے اعتراضات کا بھی جواب]	ق۲/۷ تا ۱۲، ۳/۱ تا ۱۰	کل:۹۰
321 عبدالعزیز خضری	اجماع کی حقیقت اور اس کی حجیت	ب۱۸/۴	۳۴ تا ۴۱

322	عبدالقہار دہلوی	حدیث کی روشنی میں فضائلِ قرآن	ص۳۲/۱۱تا۲۰	۳۶۰ تا ۳۶۳
323	عبداللہ محدث روپڑیؒ	احتجاج بالحدیث	ص۳۲/۱۱تا۲۰	۲۲۷ تا ۲۳۱
324	عبدالمجید سوہدروی	قرآنِ کریم کے بعد حدیثِ نبوی ﷺ کا درجہ	ص۳۲/۱۱تا۲۰	۴۴۰ تا ۴۴۱
325	عبدہ، مفتی محمد	سنت کی دائمی حیثیت (خطاب)	ش۱۲/۷، ۸	۷۹ تا ۸۰
326	غلام احمد چوہدری	سنت کی آئینی حیثیت	ض ۱۶/۱	۲۸۸ تا ۳۴۲
327	مقتدیٰ حسن ازہری	سنتِ نبوی، احکام شریعت کا ایک مآخذ	ب ۱۸/۹	۶ تا ۱۰
328	مودودیؒ، ابوالاعلیٰ	سنت کی آئینی حیثیت	ن ۵۶/۶	۱۹ تا ۵۰

⓰ اخبارِ آحاد کی حجیت

329	احسان الٰہی ظہیرؒ	خبر واحد حجتِ شرعیہ ہے۔ (خطاب)	ش۱۲/۶	۴۲ تا ۴۷
330	احمد حسن	خبر واحد کی حجیت	ظ ۲۳/۱	۳ تا ۵۳
331	احمد حسن	خبر واحد کی شرعی حیثیت [۲/اقساط]	ج ۱۸/۱۰، ۱۱	کل: ۳۰
332	ارشاد الحق اثری	خبر واحد کا مفہوم اور مقام [۲/اقساط]	ء۹/۱، ۲	کل: ۴
333	ارشاد الحق اثری	خبر واحد کی اہمیت	ء۹/۱۶	۵ تا ۸
334	اکرام اللہ ساجد	خبر واحد حجتِ شرعیہ ہے (خطاب علامہ شہیدؒ)	ج ۱۲/۵	۷ تا ۲۱
334a	امین شوق	احادیث کے ظنی اور قابل عمل ہونے کی تحقیق	ہ ۳۷/۱۲	۱۷ تا ۱۸
335	باقر خان، ڈاکٹر	علماءِ اصول کے نزدیک خبر واحد، اسکی اقسام اور قبولیت کی شرائط	ض ۱۶/۱	۲۲۶ تا ۲۸۳
336	حمید الرحمٰن عباسی	حجیتِ خبر واحد	ض۱۲/۴	۳۷ تا ۱۰۳
337	عبدالسلام بھٹوی، حافظ	کیا حدیث کو محض غلطی کے امکان کی بنا پر ردّ کیا جاسکتا ہے؟ [خطاب]	ش۲۳/۱	۴۵ تا ۵۱
338	عبدالغفار حسن، مولانا	حدیث کے ظنی ہونے کا ثبوت	ش جلد ۶	۲۵۷ تا ۲۶۶
339	عبداللہ روپڑیؒ	خبر متواتر اور خبر آحاد کا فائدہ، ظن یا یقین؟	ش۳۳/۸	۲ تا ۳
340	مبشر احمد، مفتی	خبر واحد (فقہاء کرام کی نظر میں!)	ض۱۲/۱	۴۸ تا ۹۰
341	مبشر حسین، حافظ	کیا خبر واحد حجت نہیں ہے؟	ۃ ۵/۳	۴۵ تا ۴۸
342	محمد گوندلویؒ، حافظ	ظن اور حجیت	ج ۱/۸	۱۱ تا ۱۸
343	محمد گوندلویؒ، حافظ	ظن اور یقین	ج ۱/۶	۱۲ تا ۱۸
344	مقتدیٰ حسن ازہری	خبر واحد اور خبر متواتر کی حجیت	ب ۱۸/۱۱	۸ تا ۱۶
345	ناصر الدین البانیؒ	تفسیر قرآن کا طریق (عقیدہ میں آحاد کا حجت ہونا) [مترجم: حافظ حسن مدنی]	ش۲۲/۳	۳۵ تا ۴۹

⑥ تاریخ وتدوین حدیث

❶ تدوین حدیث عہدِ نبوی ﷺ میں

346	ابوبکر غزنوی	کتابتِ حدیث......عہدِ نبوی ﷺ میں	ۃ ۲/۷	۲۷ تا ۳۴
347	بنتِ ایوب انصاری	دورِ رسالت میں کتابتِ حدیث	ص۸۳ عدد ۱۰	۲۵ تا ۲۷
348	حمید اللہ، ڈاکٹر محمد	حدیثِ نبوی کی تدوین وحفاظت (پہلی صدی ہجری میں لکھا ہو صحیفہ حدیث)	ع ۷/۲۸	۳۹ تا ۴۹

349	حمید اللہ، ڈاکٹر محمد	دورِ نبوی ﷺ میں کتابتِ حدیث [۲/اقساط]	ط۱۰/۸، ۹	کل: ۹
350	خلیق نقوی	کتابتِ احادیث عہد نبوی ﷺ میں	ف۶۷/۳	کل: ۱۱
351	رئیس ندوی، محمد	عہد نبوی ﷺ کے معاشرہ کی عکاسی میں حدیثِ شریف کا حصہ	ب۱۲/۱۱	۱۲ تا ۲۳
352	زبیر صدیقی، ڈاکٹر	کتابتِ احادیث عہد نبوی ﷺ میں	ف مارچ ۵۱ء	
353	زبیر صدیقی، محمد	کتابتِ احادیث، عہد نبوی ﷺ میں [مترجم: خلیق نقوی]	ش جلد ۶	۲۳۹ تا ۲۴۵
354	عبد اللہ ثانی	کتابتِ حدیث زمانۂ رسول ﷺ میں	ہ۳۱/۴۹	۸ تا ۹
355	عبد الرؤف ظفر، ڈاکٹر	حدیث کی کتابت اور عدمِ کتابتِ حدیث میں تطبیق [۲/اقساط]	ث۱۴/۴، ۵	کل: ۲۹
356	محمد گوندلویؒ، حافظ	قرآن مجید کس طرح ہم تک پہنچا؟	ج۱/۱۰	۱۵ تا ۲۲
356a	محمد علی چوہدری	حفاظتِ حدیث میں حفظ کی اہمیت	ث۳۴/۸	۱۳۹ تا ۱۴۹
356b	محمد نعیم	عہد نبوی میں کتابتِ حدیث	ث۳۴/۸	۱۳۲ تا ۱۳۸

❷ تدوین حدیث عہد خیر القرون میں

357	ارشد محمد اکرم	حدیثِ نبوی کی نشر و اشاعت اور صحابہ کرامؓ	ب۱۴/۶	۳۴ تا ۴۱
358	داؤد غزنویؒ، سید	تاریخ جمع و تدوین حدیث	و۳/۱	۵ تا ۱۱
359	طیب شاہین لودھی	حدیث کے صحیفے عہدِ صحابہ و تابعین میں [۳/اقساط]	ص۶۳/۲۴/۶۴/۳، ۱	کل: ۱۰
360	طیب شاہین لودھی	حدیث کے صحیفے عہدِ صحابہ و تابعین میں	ظ۲۰/۲	۸ تا ۳۳
361	عبد الستار، مولانا	فضائلِ حدیث و اصحاب الحدیث	ر۷/۹	۳۷ تا ۴۳
362	عزیز زبیدی، مولانا	الحدیث و اصحاب الحدیث	ث۱۰/۵	۲ تا ۴
363	غزل کاشمیری	صحابہ کرام کے صحائفِ حدیث، ایک تحقیقی مقالہ	ث۲۷/۵	۱۵ تا ۵۶
364	یوسف بنوریؒ، محمد	دورِ تابعین میں کتابتِ حدیث	ت۲۳/۶	۱۸ تا ۲۷
365	یوسف بنوریؒ، محمد	عہدِ نبوت اور دورِ صحابہ کے حدیثی مجموعے [۵/اقساط]	ت۲۳/۱ تا ۵	کل: ۲۲
366	ولی اللہؒ، شاہ	روایتِ احادیث میں صحابہ کا اختلاف	ظ ۳	۴۵۵ تا ۴۵۶

❸ تدوین حدیث کی عمومی تاریخ

367	ابراہیم میر سیالکوٹی	تدوین حدیث [۶/اقساط]	پ۳/۱۰ تا ۴/۴	کل: ۲۲
368	احمد اللہ ندوی	تدوین حدیث اور فقہ کی تاریخ	ت۲۴/۳	۵۶ تا ۶۳
369	اسحاق رانا، محمد	تدوین حدیث [۲/اقساط]	ج۱۶/۱۰، ۱۱	کل: ۸
370	اسحاق سلہٹی، محمد	کتابتِ حدیث [۲/اقساط]	ت۸/۳، ۵	کل: ۱۹
371	اصغر علی بہاری	تدوین حدیث	ب۲/۱۱	۳۲ تا ۳۸
372	ثناء اللہ	تاریخ و تدوین حدیث	ص۳۶/۱۰	۱۲ تا ۱۴
373	حمید اللہ، پروفیسر	تدوین حدیث کے اسالیب و مناہج	ث۲۷/۶	۶ تا ۳۱
374	سرفراز خان صفدر	علم حدیث کی تدوین، علما کا عظیم کارنامہ	گ۱/۱۲	۴ تا ۹
375	سعید احمد اکبر آبادی	تدوین حدیث	ذ اگست ۳۹ء	

❹ حفاظتِ حدیث

404	محمد گوندلویؒ، حافظ	حفاظتِ حدیث کا اہتمام (اسباب ودواعی)	ج۱/۲	۳ تا ۸
405	محمد گوندلویؒ، حافظ	حفاظتِ حدیث شروطِ صحتِ روایت	ج۲/۶	۱۵ تا ۲۰
406	محمد گوندلویؒ، حافظ	حفاظتِ حدیث، صحتِ حدیث کی شرائط [۲/اقساط]	ج۲/۱۰ تا ۳/۲	کل: ۱۸
407	محمد گوندلویؒ، حافظ	اسبابِ حفظِ حدیث [۳/اقساط]	ج۲/۳ تا ۵	کل: ۲۰
408	محمد گوندلویؒ، حافظ	حفاظتِ حدیث کے اسباب	ج۱/۱۴	کل: ۱۰
409	محمد گوندلویؒ، حافظ	حفاظِ حدیث، محدثین کا معیارِ تنقید	ج۲/۸	۶ تا ۱۰

❺ تحریکِ اہل حدیث اور منکرین حدیث

410	خورشید احمد سلفی	فتنۂ انکارِ حدیث اور ثناء اللہ امرتسری	پ۴/۱	۲۹ تا ۳۴
411	داؤد غزنوی، سید	جماعت اہل حدیث کا عقیدہ ونصب العین	ع۷/۲۸	۳
412	رفیق خان	اہل حدیث کا فرض	ص۳۲/۱۰ تا ۲۰	۲۶۷
413	شفیع الحسن	ایک اہل حدیث کا اہل قرآن سے مطالبہ	۳/۱	۹ تا ۱۰
414	عبدالرشید عراقی	برصغیر پاک وہند میں علمِ حدیث اور علمائے اہل حدیث کی مساعی [۳/اقساط]	ش۱۳/۴/۱۴/۱۰/۱۵/۱	کل: ۲۳
415	عبدالرشید عراقی	علمائے اہل حدیث کی تصنیفی خدمات [۲/اقساط]	ر۴/۷، ۸	کل: ۱۲
416	عبدالرؤف رحمانیؒ	حدیثِ رسول ﷺ کا مقام اور مسلکِ اہل حدیث	ب۹/۶	۱۱ تا ۱۸
417	مستقیم سلفی، محمد	شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسریؒ اور تردیدِ انکارِ حدیث	ر۵/۱۰	۳۴ تا ۴۹

⑦ اسلامی عقائد و نظریات اور منکرین حدیث

❶ ایمانیات اور منکرین حدیث

418	ابو جابر عبداللہ	عذابِ قبر برحق ہے!	ش۲۷/۶	۵۷ تا ۸۴
419	اکرام اللہ ساجد	احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر؟ (سائنسی مضمون کی غلط تشریح کا جواب)	ش۱۲/۱۱	۲ تا ۱۴
420	ثناء اللہ امرتسریؒ	عالم برزخ اور اہل قرآن	ہ۳۱/۲۳	۳ تا ۵
421	ثناء اللہ امرتسریؒ	مسئلہ شفاعت اور منکرین حدیث	ہ۳۷/۳	۳
422	دین محمد قاسمی، پروفیسر	رویتِ ملائکہ، قرآن کی روشنی میں	ش۱۸/۷	۳۰ تا ۳۸
423	دین محمد قاسمی، پروفیسر	سرگزشتِ آدم علیہ السلام کے دو پہلو اور منکرین حدیث [۲/اقساط]	ش۱۸/۱۱/۱۹/۱	کل: ۲۲
424	سلیم شمسی	مقامِ رسالت اور منکرین حدیث	ش۱۹/۱	۵۰ تا ۶۴
425	عبدالرحمن کیلانیؒ، مولانا	جنتِ ارضی یا جنتِ الماویٰ: حقیقت کیا، افسانہ کیا؟	ش۱۳/۱۱	۲۳ تا ۳۵
426	محمد سورتی، مولانا	عالمِ برزخ کی حقیقت ازروئے قرآن	ف۳۳/۶	کل: ۶۲
427	محمد گوندلویؒ، حافظ	'مرکزِ ملت' اور شریعت سازی	ج۱/۵	۷ تا ۱۱
428	محی الدین قصوری	انکارِ حدیث یا انکارِ رسالت [۱۱/اقساط]	ل۱۳/۳۵ تا ۴۹	کل: ۱۴
429	محی الدین قصوری	انکارِ حدیث یا انکارِ رسالت	ع۷/۲۸	۷ تا ۱۶
430	مطیع الرسول	قرآن اور اطاعتِ رسول ﷺ	ہ۳۴/۳۶	۷ تا ۸

431	مودودیؒ، ابوالاعلیٰ	منصبِ نبوت کے صحیح اور غلط تصور کا فرق	ن ۶/۵۶	۵۸ تا ۲۴۰

❷ ارکانِ اسلام (نماز، روزہ، زکوٰۃ) اور منکرین حدیث

432	ادارۂ اہلحدیث	منکرین حدیث کی نماز [۴/اقساط]	ہ ۱۵/۲۲ تا ۱۸	کل: ۶
433	ثناء اللہ امرتسریؒ	اہل قرآن کی نماز	ہ ۵۰/۴۲	۳ تا ۴
434	ثناء اللہ امرتسریؒ	اہل قرآن کی اذان	ہ ۳۲/۲۰	۱ تا ۴
435	ثناء اللہ امرتسریؒ	منکرین حدیث کی نماز [۴/اقساط]	ہ ۱۵/۲۲ تا ۱۸	کل: ۱۵
436	ثناء اللہ امرتسریؒ	نماز سید المرسلین بجواب صلوٰۃ المرسلین از میاں محمد فاضل	ہ ۳۶/۲۷ تا ۳۴	کل: ۱۵
437	ثناء اللہ امرتسریؒ	اہل قرآن کی نمازیں اوران میں باہمی اختلاف	ہ ۲۶/۲۱	۱ تا ۲
438	حسین بٹالویؒ، محمد	روزہ کے متعلق منکرین حدیث کے افکار کا تجزیہ	ق ۱/۷	۲۷۵ تا ۲۹۲
439	رکن الدین	مکالمہ مابین قائل حدیث ومنکرین حدیث بابت نماز	ہ ۳۲/۵	۸ تا ۱۰
440	سلیم شمسی	نماز اور منکرین حدیث (منکرین حدیث کا تین نمازوں کا انکاری ہونا)	ث ۱۹/۴	۳۳ تا ۴۳
441	صلاح الدین یوسف، حافظ	'طلوع اسلام' کا اشتراکی نظریہ، زکوٰۃ کا انکار (حدیث سے انحراف، قرآن میں تحریف)	ث ۲۲/۴	۸۰ تا ۸۹
442	عبدالرحمٰن کیلانیؒ، مولانا	شرحِ زکوٰۃ کا قرآنی حکم	ث ۱۶/۸	۱۶

❸ منکرین حدیث اور مسئلہ قربانی

443	ابراہیم کمیرپوری	قربانی کی مشروعیت اور منکرین سنت	ث ۲/۱۲	۱۱ تا ۲۴
444	ابورحیم عبدالاعلیٰ	فریضہ قربانی کا معاشی پہلو اور منکرین حدیث کی ذہنی اُپج	ث ۶/۱۱	۲۱ تا ۲۷
445	جماعت المسلمین	قربانی اور منکرین حدیث	ث ۲/۲	۲۳ تا ۲۶
446	دین محمد قاسمیؒ، پروفیسر	مسئلہ قربانی، قرآن کی روشنی میں [۳/اقساط]	ث ۱۷/۱۲/ ۱۸/۱، ۲	کل: ۳۲
447	روح الامین	قربانی اور منکرین حدیث [۲/اقساط]	ل ۶/۴۹، ۵۰	کل: ۲
448	عبدالعزیز راشد	قربانی کے خلاف منکرین حدیث کا واویلا	ء ۳/۳۸	۱۱
449	عبدالرحمٰن کیلانیؒ، مولانا	مسئلہ قربانی کی شرعی حیثیت	ث ۱۶/۸	۱۰ تا ۱۲
450	عبیداللہ عفیف	عقیقہ اور قربانی کی شرعی حیثیت بسلسلہ کیا اسلام میں قربانی جائز ہے؟ [۴/اقساط]	ج ۱۸/۵ تا ۸	کل: ۳۸
451	علی احمد زاہد	قرآن سے قربانی کا جواز	ص ۳۸/۲۳	۱۹ تا ۲۱

❹ وراثت اور منکرین حدیث

452	دین محمد قاسمیؒ، پروفیسر	یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ (منکرین حدیث کے جواب میں)	ث ۲۰/۵	۲۴ تا ۵۰
453	صدیقؒ، مفتی محمد	مسئلہ عول کے بارے میں اہل تشیع اور منکرین حدیث کا نظریہ اوراس پر تبصرہ	ج ۱۹/۶	۳۶ تا ۴۱
454	صدیقؒ، مفتی محمد	مسئلہ عول کے بارے میں اہل تشیع اور منکرین حدیث کے نظریات [۳/اقساط]	ل ۱۷/۳۵، ۴۰، ۴۱	کل: ۸
455	صدیقؒ، مفتی محمد	مسئلہ عول کے متعلق اعتراض و جواب	ج ۱۹/۹	۲۹ تا ۳۴
456	صدیقؒ، مفتی محمد	مسئلہ عول، اہل تشیع اور منکرین حدیث [۳/اقساط]	ع ۳۸ ص ۵۲۰، ۸۲۸، ۹۷۶	
457	صدیقؒ، مفتی محمد	مسئلہ 'عول' کے بارے میں اہل تشیع اور منکرین حدیث	ث ۱۶/۸	۳۱ تا ۳۸

❺ واقعۂ معراج اور منکرین حدیث

484	شبلی نعمانیؒ، علامہ	نقدِ حدیث کے لئے درایت کے اصول	ظ ۲	۲۱۴ تا ۲۱۹
485	شریف، حافظ محمد	روایت بالمعنٰی کی شرعی حیثیت	ڈ ۵/۵	۵۳ تا ۷۰
486	شمس الرحمٰن، محمد	حفاظتِ حدیث اور اصولِ حدیث	خ ۵/۶	۱۷ تا ۱۹
487	عبدالحمید عباسی	ائمہ مجتہدین ومحدثین اور نقدِ حدیث کے اصول	ض ۲/۱۸	۱۲۸ تا ۱۶۴
488	عبدالرحمٰن الفریوائی	وضع حدیث پر ایک نظر [مترجم: امتیاز احمد سلفی]	ب ۱۰/۱۰	۴۰ تا ۴۴
489	عبدالرحمٰن کیلانیؒ، مولانا	وضع حدیث اور وضاعین [۲/اقساط]	ث۱۴//۱۵/۱	کل: ۲۸
491	عبدالرؤف ظفر	علم اصولِ حدیث اور اس کا ارتقا	ض ۱/۱۵	۱۹۵ تا ۲۲۲
492	عبدالرؤف/سعیدہ	اسنادِ حدیث اور اس کا آغاز	ڑ شمارہ ۳۹	۳۹ تا ۵۸
493	عبدالسلام ندوی	کیا علم حدیث پر سلطنت کا اثر پڑا ہے؟	ف ۵/۳۴	کل: ۱۷
494	عبداللہ العمادی	نقدِ حدیث کے لئے درایت کے اصول	ظ ۲	۲۸۴ تا ۲۸۷
495	غلام مصطفٰی ظہیر	حدیث میں اُصولِ روایت اور اُصولِ درایت کی وضاحت	ر ۵/۹	۳۷ تا ۳۹
496	قدرۃ اللہ فاطمی	حدیثِ نبوی ﷺ کی درایت کے اصول	ظ ۲	۱۴۳ تا ۱۴۸
		(10) مسائل خواتین اور منکرین حدیث		
497	دین محمد قاسمی، پروفیسر	خواتین کی عدالتی شہادت، قرآن کی روشنی میں	ث ۲۰/۷	۲۵ تا ۴۷
498	عبدالرحمٰن کیلانیؒ، مولانا	شہادتِ نسواں و مساواتِ مرد وزن [۲/اقساط]	ث ۱۶/۱۰، ۱۱	کل: ۲۴
499	عبدالعزیز بن بازؒ	عورت کی سربراہی اور منکرین حدیث کے نظریات	ث ۲۰/۶	۲ تا ۱۶
		⑧ منکرین حدیث کے اعتراضات و شبہات کا جائزہ		
500	امین عزیز، محمد	امام محمد بن اسحٰقؒ پر جرح کے اسباب اور ان کا حل [۳/اقساط]	م ۳/۵ تا ۱۱	کل: ۲۱
501	ثناء اللہ امرتسریؒ	تصدیق الحدیث (بیان الحق بجواب بلاغ الحق)	ہ ۳۴/۴۱ تا ۴۹	کل: ۲۳
502	ثناء اللہ امرتسریؒ	منکرین حدیث کے اوچھے حملے	ہ ۳۱/۱	۳ تا ۵
503	ثناء اللہ امرتسریؒ	منکرین حدیث کے حملے اور جواب	ہ ۵/۸	۱ تا ۴
504	ثناء اللہ امرتسریؒ	اہل قرآن کا شگوفہ	ہ ۵/۳۱	۶ تا ۸
505	ثناء اللہ امرتسریؒ	بہتان از اہل قرآن	ہ ۱۹/۳۵	۱ تا ۳
506	ثناء اللہ امرتسریؒ	حدیث نبوی پر حملہ بطرز جدید	ہ ۲۶/۱۳	۱ تا ۲
507	ثناء اللہ امرتسریؒ	امرتسر کی اہل قرآن جماعت میں برہموازم	ہ ۲۶/۱۷	۱ تا ۳
508	ثناء اللہ امرتسریؒ	اہل قرآن پانچ سو جمع کروائیں	ہ ۲۶/۱۹	۱ تا ۳
509	خالد سیف، محمد	ابن صلاحؒ کی کتاب 'علوم الحدیث' [۲/اقساط]	ث ۲/۵، ۶	۳
510	دین محمد قاسمی، پروفیسر	علامہ اقبال اور حدیثِ نبوی ﷺ (اعتراضات کے جوابات)	ث ۲۰/۹	۴۳ تا ۵۷
511	رمضان سلفی، محمد	جوابِ آں ہزل، در جوابِ آں غزل (بسلسلہ پرویزیت)	ث ۲۰/۱	۳۲ تا ۴۳
512	سعید احمد یوسفزئی	منکرین حدیث کے مغالطے اور ان کے جوابات	ص ۸۱/۱، ۳، ۷	کل: ۱۲
513	سلیم بن اسامہ	ثعلبہ بن حاطب الانصاری البدریؓ [۲/اقساط]	م ۶/۱۱، ۱۲	کل: ۴۱

514	سلیمان ندویؒ، سید	سیرت النبی چہارم ایک منکر حدیث کی نظر میں [۲/اقساط]	ف۳۳/۴،۵	کل:۴۷
514a	صفی الرحمٰن مبارکپوری	انکارِ حدیث، حق یا باطل؟	ش۳۴/۸	۱۵۶تا۱۸۶
515	عبدالجبار شاکر	حضرت ابو ہریرہؓ اور علم حدیث	ۃ۲/۷	۱۷تا۱۹
515a	عبدالخالق کویت	مقام حدیث اور بزم طلوع اسلام، کویت	ش۳۴/۸	۱۹۷تا۲۱۵
516	عبدالسلام کیلانیؒ، مولانا	امام نصر مروزیؒ اور انکارِ حدیث کے ردّ میں امام کی خدمات	ث۱/۱۰	۳۷تا۴۲
517	عبدالشکور شکراوی	اشاعتِ حدیث پر اعتراضات کے جوابات	ی۱/۸	۳تا۶
518	عبدالقادر روپڑیؒ	بنتِ رسول ﷺ کا اقرارِ حدیث بجواب بنتِ رسول ﷺ کا انکارِ حدیث	ص۳۲/۱۱تا۲۰	۳۲۴تا۳۲۷
519	عبیداللہ مبارکپوری	منکرین حدیث کی ایک تنقید کا محققانہ جواب	ص۳۲/۱۱تا۲۰	۳۸۰تا۳۹۲
520	عطاء اللہ حنیفؒ، محمد	چند اہم اور علمی سوالات کے جوابات: ❶ امام زہری کون تھے؟ ❷ مسئلہ فدک؟ ❸ حدیثِ قرطاس ❹ کیا صحیحین میں بھی ضعیف احادیث ہیں؟	ق۲/۲،۳	کل:۱۶
520a	مودودیؒ، ابوالاعلیٰ	حجیت حدیث پر بعض اعتراضات کا جائزہ	ش۳۴/۸	۱۸۷تا۱۹۶
521	مودودیؒ، ابوالاعلیٰ	حضرت عائشہؓ کی غسل کے پانی کی مقدار والی روایات پر اعتراضات	ن۳۹/۱	۹۳تا۹۸
522	مودودیؒ، ابوالاعلیٰ	حضرت ماریہ قبطیہؓ کے متعلق روایات پر اعتراضات	ن۳۷/۶	۴۲۷تا۴۳۷

⑨ متفرق مضامین

523	ابراہیم حنیف	حدیث پر حملہ، اوچھے ہتھیاروں سے	ہ۳۰/۴۳	۳تا۵
524	ابراہیم خلیل	منکرین سنت جواب دیں!	ص۲۷/۱۴	۱۶تا۱۷
525	ابوالخیر پریوائی	اتباعِ قرآن وحدیث اور معراجِ ترقی	د۲/۱۲	۱۵تا۱۷
525a	ابوالاشبال شاغف	فقیہ تو محدث ہی ہوتا ہے	م۷/۳	۱۷تا۲۰
526	ابوالکلام آزادؒ	ایک حدیث پر تنقید اور اس کی تحقیق	ر۶/۱۰	۶تا۱۰
527	ابوسلمان، ادریس	اہل قرآن کی عدم واقفیتِ قرآن	ہ۱۰/۸	۸تا۹
528	احتشام الحق تھانوی	انکارِ حدیث دین سے گلوخلاصی کا چور دروازہ ہے	ص۳۲/۱۰تا۲۰	۲۱۷تا۲۹۱
529	احمد علی سراج	منکرین حدیث کی سرگرمیاں اور ان کا تعاقب	گ۱۰/۹	۱۳تا۱۴
529a	ادارۂ اہلحدیث	احادیث پر حملات [۲/اقساط]	ہ۲۷/۵،۶	کل:۳۰
530	ادارۂ اہلحدیث	اہل قرآن کا تشتت	ہ۲۷/۳۶	۱تا۲
531	ادارۂ اہلحدیث	اہل قرآن کی تشریف آوری	ہ۲۵/۸	۱تا۳
532	ادارۂ اہلحدیث	اہل قرآن لاہور کی کارگزاری	ہ۲۲/۲۰	۲تا۳
533	ادارۂ اہلحدیث	حدیث پر حملہ اور اس کی مدافعت	ہ۱۹/۴۳	۱تا۶
534	ادارۂ اہلحدیث	ضربات المؤمنین علیٰ ہفوات المسلمین [مختلف شماروں میں اقساط]	ہ۲۲/۱۱تا۲۵/۲۲	کل:۹
535	ادارۂ اہلحدیث	ضربات المؤمنین علیٰ ہفوات المسلمین	ہ۱۹/۵۱	۱تا۲
536	ادارۂ اہلحدیث	ضربات المؤمنین علیٰ ہفوات المسلمین	ہ۱۹/۴۵	۱تا۲
537	ادارۂ اہلحدیث	منکرین حدیث سے چند سوالات	ہ۳۱/۴۶	۷

628	محمد گوندلویؒ، حافظ	مولانا سندھیؒ صاحب کے مغالطات	ج۴/۴	۶ تا ۱۳
629	ادارہ اہل حدیث	اہل حدیث اور فکر ونظر	ل۲/۲۸	۳ تا ۴
630	ادارہ اہل حدیث	جو لوگ منکرین حدیثِ رسول ہیں	ل۱/۴۷	۳
631	مدیر الاعتصام	سخن ہائے گفتنی	ع۷/۲۸	۴ تا ۵
632	مدیر 'ایشیا'	منکرین حدیث کی دیانت	ص۴۲/۴	۱۲ تا ۱۳
633	مدیر صحیفہ اہلحدیث	آخری ملتِ اسلامیہ کی تعمیر	ص۳۲/۱۰ تا ۲۰	۸ تا ۲۶
634	مصطفیٰ الاعظمی	پروفیسر شاخت اور حدیثِ نبوی ﷺ [۲/اقساط]	ح۲۲/۵،۶	کل:۱۸
635	مصطفیٰ الاعظمی	شاخت اور حدیثِ نبوی [مترجم: عمیر صدیق][۳/اقساط]	ف۱۳۸/۵ تا ۱۳۹/۱	کل:۶۲
636	معین الدین ندوی	انکارِ حدیث [۲/اقساط]	ف۳۱/۵،۶	کل:۵۰
637	مقتدیٰ حسن ازہری	حدیث کی اسناد اور متن پر......(۱)[۲/اقساط]	ب۱۹/۱،۲	کل:۹
638	منظور حسین	فرقۂ منکرین حدیث سے چند سوال	ہ۳۱/۴۶	۷
639	مولوی جی	تعملِ حدیث پر سلطان المشائخ کا علمائے دہلی سے مناظرہ	ص۴۸/۱۵	۱۰ تا ۱۲
640	ناصر الدین البانیؒ	اتباعِ سنت کیلئے قرآن کے ساتھ صحیح مرفوع احادیث ہی کافی ہیں [مترجم: محمد صادق خلیل]	ث۹/۳	۷ تا ۵۶
641	ندیم الواجدی	علمِ حدیث پر ایک الزام کا تحقیقی جائزہ	ذ۴۷/۲	۳۵ تا ۵۶
642	وحید الزمان لکھنویؒ	محدثین	ص۳۲/۱۱ تا ۲۰	۳۶۹ تا ۳۷۴

⑩ سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ اور حدیث نبوی

179	ادارہ	مولانا مودودیؒ پر استخفافِ محدثین کا الزام	ص۳۵/۲۱	۵ تا ۷
180	اسماعیل سلفیؒ، محمد	حدیث نبوی ﷺ کا مقامِ حجیت اور افکارِ مودودیؒ بابت مسلکِ اعتدال [۵/اقساط]	ص۲۹/۷ تا ۳۰/۲	کل:۱۸
181	اسماعیل سلفیؒ، محمد	کتاب 'جماعتِ اسلامی کا نظریۂ حدیث' پر (مدیر 'فاران' مولانا ماہر القادریؒ کے تبصرے کا جائزہ)	ق۱/۵	۲۰۶ تا ۲۱۴
182	ثناء اللہ امرتسریؒ	حدیثِ نبوی پر شکوک وشبہات اور مولانا مودودیؒ سے خطاب [۱۰/اقساط]	ہ۴۲/۳۷ تا ۴۶	کل:۱۵

(11) حدیث نبوی اور اَحناف

643	ابوبکرؒ، مولانا	کیا محدثین مقلد تھے؟ محدثین کا مرتبہ اجتہاد اور مطاعن کا جواب	و۲/۱۶	۹ تا ۱۰
644	ارشاد الحق اثری	احادیثِ 'ہدایہ' اور اظہارِ حقیقت [۳/اقساط]	م۱/۵ تا ۸	کل:۱۱
645	اکرام اللہ ساجد	تقلید کی بارگاہ میں حدیثِ رسول ﷺ کو سجدہ ریز کرنے کی جسارت	ر۵/۱۰	۱۶ تا ۳۳
646	تقی امینی، مولانا	داخلی نقدِ حدیث [۷/اقساط]	ف مئی تا نومبر ۷۴	کل:۱۳۵
647	تقی امینی، مولانا	حدیث کا درایتی معیار (داخلی فہم حدیث)[مختلف اقساط]	ذ۷۵/۱ تا ۷۷/۲	کل:۱۳۵
648	ثناء اللہ امرتسریؒ	مدافعتِ حدیث، سراج الاخبار جہلم کا جواب (علمائے احناف)[۳/اقساط]	ہ۱۱/۳۱ تا ۳۶	کل:۴
649	شبلی نعمانیؒ، علامہ	نقدِ حدیث کے لئے درایت کے اصول	ظ ۲	۲۱۴ تا ۲۱۹
650	عبد الجبارؒ	متعارض احادیث پر عمل کرنے میں مقلد اور غیر مقلد کا مسلک	و۲/۶	۵ تا ۷
651	عبد اللہ العمادی	نقدِ حدیث کے لئے درایت کے اصول	ظ ۲	۲۸۴ تا ۲۸۷
652	غلام مصطفیٰ ظہیر	حضرت ابوہریرہؓ کو حنفیوں نے غیر فقیہ کیوں کہا؟ کیا یہ گستاخی صحابہ نہیں؟	ر۹/۹	۴۱ تا ۴۳
653	یونس سعودی، ابوالوفا	روایت اور درایت	ج۱۲/۶	۴۰ تا ۴۳

(۲) ۲ سے زیادہ مقالات والے مصنّفین کے مقالات کی فہرست

مقالہ نگار	مقالات کے نمبر	کل
احمد علی سراج	۱۰،۵۱،۱۹۱،۱۹۲،۵۲۹	(۵)
ادارۂ اہلحدیث، لاہور	۱۳۱،۲۰۲،۲۰۳،۴۳۲،۵۲۹a،۵۳۰ تا ۵۳۷،۶۲۹،۶۳۰	(۱۵)
ارشاد الحق اثری، مولانا	۳۳۲،۳۳۳،۶۴۴،۵۱a	(۴)
اسحٰق، حافظ محمد	۵۴۴a،۱۱b،۲۰۴a،۵۴۶،۵۴۷	(۵)
اسحٰق بھٹی، محمد	۱۱a،۱۱،۵۴۴	(۳)
اسماعیل سلفیؒ، مولانا محمد	۵۲،۵۳،۱۸۰،۱۸۱،۲۰۵،۲۴۳،۵۴۸،۱۳۲b،۱۱c	(۹)
اکرام اللہ ساجد	۵۵ تا ۵۷،۱۴۹،۱۵۰،۲۳۶،۲۴۴،۲۴۵،۳۳۴،۴۱۹،۵۴۹،۶۴۵	(۱۲)
باقر خان خاکوانی	۴۷۹،۴۸۰،۴۸۱،۱۶۱،۳۳۵	(۵)
ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا	۱۲،۱۳،۳۵،تا ۳۹،۴۲،تا ۴۴،۶۴،۶۵،۱۳۴،۱۳۵،۱۳۸ تا ۱۴۱،۱۸۲،۱۹۳،۲۱۱،۲۱۲،۲۳۷، ۲۷۰،۴۲۰،۴۲۱،۴۳۳،۴۳۴ تا ۴۳۷،۴۶۷،۵۰۱ تا ۵۰۸،۵۵۳ تا ۵۷۳،۶۴۸	(۶۲)
حبیب اللہ مختار	۲۴۸،۲۴۹،۵۷۴	(۳)
حسین بٹالویؒ، مولانا محمد	۳۱ تا ۳۳،۴۳۸	(۴)
حمید اللہ عبد القادر، ڈاکٹر	۲۱۴،۲۱۵،۳۴۸،۳۴۹،۳۷۳	(۵)
دین محمد قاسمی، پروفیسر	۶۷a،۶۷ تا ۷۲،۴۲۲،۴۲۳،۴۶۶،۴۵۲،۴۷۳،۴۹۷،۵۱۰	(۱۴)
رفیق خان	۴۱۲،۵۷۶،۵۷۷	(۳)
رمضان سلفی، مولانا محمد	۷۳a،۷۳ تا ۷۹،۱۶۲،۲۵۰،۵۱۱	(۱۱)
زاہد الراشدی، مولانا	۱۶۳ تا ۱۶۷،۲۵۱	(۶)
زبیر علی زئی، مولانا	۱۶۸،۱۶۹،۴۸۲،۵۸۰	(۴)
سرفراز خان صفدر، مولانا	۲۷۳،۲۷۴،۳۷۴،۴۰۰،۴۸۳	(۵)
سلیمان ندویؒ، سید	۲۷۶،۳۷۶،۵۱۴	(۳)
شمس الرحمٰن، محمد	۳۹۹،۴۸۶،۵۸۲	(۳)
صادق سیالکوٹی، محمد	۸۵،۲۲۲،۳۱۴	(۳)
صدیقؒ، مفتی محمد	۲۲۳،۴۵۳ تا ۴۵۷،۴۶۴	(۷)
صلاح الدین یوسف، حافظ	۸۶،۱۵۳،۱۷۰،۱۷۱،۳۱۵،۳۱۶،۴۴۱	(۷)
طیب شاہین لودھی، پروفیسر	۳۵۹،۳۶۰،۲۸۰	(۳)
ظفر اقبال خان	۳۴،۸۹،۵۸۴	(۳)
عبد الصمد مبارکپوری	۲۰،۹۱،۱۴۲،۵۸۴	(۴)
عبد الخالق بھٹی	۹۴،۹۵،۹۶،۱۹۴،۵۹۰	(۵)
عبد الرحمٰن کیلانیؒ، مولانا	۹۷ تا ۱۰۲،۴۲۵،۴۴۲،۴۴۹،۴۶۰،۴۸۹،۴۹۸	(۱۲)
عبد الرشید عراقی	۴،۱۰۴ تا ۱۰۶،۲۸۱ تا ۲۸۵،۳۸۰،۳۸۰a،۳۸۱،۴۱۴،۴۱۵،۵۹۱	(۱۵)

(۳) مجلّات کے اعتبار سے مقالات کی فہرست

ہ <u>ہفت روزہ 'اہلحدیث' امرتسر</u> (کل: ۹۹): ۱۲، ۱۳، ۲۰، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴۷، ۶۱، ۶۴،
۶۵، ۹۱، ۱۱۲، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۸۲، ۱۹۳، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۳۷، ۲۸۳، ۳۰۸،
۳۴۴، ۳۵۴، ۴۱۳، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۳۰، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۹، ۴۶۷، ۴۹۵، ۵۰۱ تا ۵۰۸،
۵۲۳، ۵۲۷، ۵۲۹a تا ۵۳۷، ۵۳۹، ۵۵۳ تا ۵۷۳، ۵۸۴a، ۵۹۷، ۵۹۹ تا ۶۰۲، ۶۱۵، ۶۳۸، ۶۴۸

ص <u>پندرہ روزہ 'صحیفہ اہلحدیث' کراچی</u> (کل: ۸۸): ۲، ۱۶، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۸، ۲۹، ۴۰، ۵۹، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۹۴،
۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۲۲، ۱۳۰، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۲۰۱، ۲۰۵، ۲۱۲، ۲۲۲، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۶۳، ۲۶۸،
۲۸۹، ۲۹۱، ۲۹۶، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۷، ۳۱۱، ۳۱۲ تا ۳۱۴، ۳۱۸، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۴۷، ۳۵۹، ۳۷۲، ۳۷۶،
۳۸۴، ۳۸۷، ۳۹۰، ۳۹۷، ۴۰۳، ۴۱۲، ۴۵۱، ۴۶۳، ۵۱۲، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۴، ۵۲۸، ۵۳۸، ۵۴۰، ۵۴۲، ۵۵۱،
۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۸۶، ۵۸۸، ۵۹۲، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۸، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۲۰، ۶۲۱،
۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۹، ۶۴۲

ج <u>ماہنامہ 'ترجمان الحدیث' لاہور</u> (کل: ۴۵): ۲۶، ۸۵، ۹۷، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۷۸، ۱۸۸، ۲۱۷، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۴۰،
۲۵۹، ۲۶۰، ۲۹۰، ۳۳۱، ۳۳۴، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۵۶، ۳۶۹، ۳۸۰، ۳۸۸، ۳۸۹، ۴۰۴، ۴۰۵ تا ۴۰۹، ۴۲۷، ۴۵۰،
۴۵۳، ۴۵۵، ۴۷۱، ۴۷۲، ۵۴۵، ۵۸۱، ۵۸۵، ۶۰۹، ۶۲۴ تا ۶۲۸، ۶۵۳

ع <u>ہفت روزہ 'الاعتصام' لاہور</u> (کل: ۴۴): ۱، ۹، ۱۱، ۲۷، ۶۲، ۷۶، ۸۰، ۱۰۳، ۱۱۶، ۱۵۶، ۱۶۹، ۱۷۶، ۱۹۸، ۲۱۵،
۲۱۶، ۲۱۸، ۲۶۵، ۲۸۲، ۳۱۷، ۳۴۸، ۳۷۸، ۳۸۵، ۳۹۴، ۴۱۱، ۴۲۹، ۴۵۶، ۵۴۳، ۵۴۶، ۵۴۸، ۵۸۷، ۶۱۲،
۶۲۲، ۶۳۱، ۵۸a، ۱۳۲a,b، ۱۳۶a، ۱۱a,b,c، ۳۰a، ۱۴a، ۵۴۴a، ۲۰۴a، ۵۱a

ل <u>ہفت روزہ 'اہلحدیث' لاہور</u> (کل: ۲۸) ۳۰، ۷۹، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۳۱، ۱۵۵، ۱۹۶، ۲۰۷، ۲۱۴، ۲۲۱، ۲۲۳،
۲۶۱، ۲۶۲، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۹۳، ۴۲۸، ۴۴۷، ۴۵۴، ۴۶۲، ۵۴۷، ۶۲۹، ۶۳۰

ق <u>ماہنامہ 'رحیق' لاہور</u> (کل: ۲۴) ۲۴، ۲۵، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۵۲، ۵۸، ۹۳، ۱۱۰، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۴،
۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۹، ۱۹۰، ۳۲۰، ۴۳۸، ۵۲۰، ۶۱۰، ۶۱۱

ف <u>ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ</u> (کل: ۲۴) ۴۱، ۴۴، ۴۹، ۵۰، ۱۲۰، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۸۷، ۲۴۷، ۲۷۶، ۳۵۰،
۳۵۲، ۳۹۲، ۴۲۶، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۹۳، ۵۱۴، ۵۸۳، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۴۶

ر <u>ماہنامہ 'حرمین' جہلم</u> (کل: ۲۰): ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۷، ۲۲۹، ۲۳۶، ۲۸۳، ۲۸۵، ۳۶۱، ۳۸۱، ۴۱۵، ۴۱۷، ۴۶۵،
۴۷۰، ۴۹۵، ۵۲۶، ۶۰۸، ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۴۵، ۶۵۲

گ <u>ماہنامہ 'الشریعۃ' گوجرانوالہ</u> (کل: ۱۵): ۱۶۳ تا ۱۶۷، ۱۷۷، ۱۹۲، ۲۵۱، ۲۷۳، ۲۷۴، ۳۷۴، ۴۰۰، ۴۸۳،
۵۲۹، ۵۷۵

ب <u>ماہنامہ 'محدث' بنارس</u> (کل: ۱۵): ۱۴۷، ۳۲۱، ۳۲۷، ۳۴۴، ۳۵۱، ۳۵۷، ۳۷۱، ۴۰۱، ۴۱۶، ۴۶۶، ۴۶۹،
۴۷۲a، ۴۸۸، ۵۹۰، ۶۳۷

دینی رسائل کے حجیتِ حدیث نمبر

❖ ہفت روزہ الاعتصام، لاہور	حدیث نمبر	مدیر: مولانا عطاء اللہ حنیفؒ	مارچ ۱۹۵۶ء	۲۸/۷
❖ ماہنامہ ترجمان القرآن	منصبِ رسالت نمبر	مدیر: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	ستمبر ۱۹۶۱ء	۶/۵۶
❖ ۱۵ روزہ صحیفہ اہل حدیث	حدیث نمبر	مدیر: مولانا کرم دہلویؒ	مارچ ۱۹۵۲ء	۱۱/۳۲
❖ ماہنامہ محدث لاہور	فتنہ انکارِ حدیث نمبر	مدیر: حافظ عبدالرحمٰن مدنی	اکتوبر ۲۰۰۲ء	۸/۳۴

CPL No. 177
Vol. 34 **NO.** 8,9

Ph: 5866476
5866396

Monthly MUHADDIS Lahore

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں...... لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں...... لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے...... لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے...... لیکن

  ع جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے...... لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

٭ ٭ ٭

...... اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

محدث

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت خصوصی شمارہ ۱۰۰ روپے　　　زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700